صفاتِ باریِ تعالیٰ

اور اکابر علمائے اُمت کے عقائد

مؤلف
حضرت مولانا ابو حفص اعجاز احمد اشرفی غفرلہ
فاضل جامعہ اشرفیہ لاہور

دار النعیم
اردو بازار لاہور پاکستان

لَيۡسَ كَمِثۡلِهٖ شَىۡءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيۡعُ الۡبَصِيۡرُ (الشوریٰ:۱۱)

ترجمہ کوئی چیز اُس کے مثل نہیں ہے، اور وہی ہے جو ہر بات سنتا، سب کچھ دیکھتا ہے۔

صفاتِ باری تعالیٰ

اور

اکابر علمائے اُمت کے عقائد

تالیف

حضرت مولانا ابو حفص اعجاز احمد اشرفی غُفِرَ لَهٗ
فاضل جامعہ اشرفیہ، لاہور

دار النعیم
اردو بازار، لاہور۔ 0301- 4441805

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نام کتاب	صفاتِ باری تعالیٰ اور اکابر علمائے اُمت کے عقائد
مصنف	مولانا ابو حفص اعجاز احمد اشرفی غُفِرَ لَهٗ
صفحات	384
طبع اول	ربیع الاول ۱۴۳۶ھ مطابق جنوری ۲۰۱۶ء
باہتمام	اعجاز احمد اشرفی

ملنے کے پتے

1: مکتبۃ الفرقان اردو بازار، گوجرانوالہ۔ فون: 0333-4264487 055-4212716

2: برکی اسلامی کتب خانہ، ٹانک اڈا، بالمقابل پولیس چوکی نمبر 3، پرنس مارکیٹ، ڈیرہ اسماعیل خان۔ 0346-7851984

3: قاری محمود اختر مسجد شاہ جمال جی ٹی روڈ، گکھڑ۔ فون: 0300-6440651

4: الکتاب، یوسف مارکیٹ، غزنی سٹریٹ اردو بازار، لاہور 042- 37124803 0333-4380926

5: اسلامی کتاب گھر، گلی جامع مسجد نور والی (نصرۃ العلوم)، فاروق گنج، گوجرانوالہ فون: 0321-6432659

6: مکتبہ نعمانیہ، اردو بازار، گوجرانوالہ۔ فون: 0321-7475072; 055-4235072

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انتساب

پیرِ طریقت، رہبرِ شریعت، امامِ اہل سنت، مُحیِ السُّنَّۃِ

شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا

محمد سرفراز خان صفدرؒ

(المتوفی ۱۴۳۰ھ)

کے نام

اللہ تعالیٰ اس کتاب کو ان کے بلندئ درجات کا باعث بنائے۔ آمین!

اعجاز احمد اشرفی

عقائد اور نماز کے بارے میں چند کتابیں

1:۔ اِیْضَاحُ الْمَرَامِ فِیْ تَرْكِ الْقِرَاءَۃِ خَلْفَ الْاِمَامِ (ترکِ قراءتِ مقتدی)

2:۔ رَاحَۃُ الْعَیْنَیْنِ فِیْ تَرْكِ رَفْعِ الْیَدَیْنِ (ترکِ رفع یدین)

3:۔ اَلدُّرُّ الثَّمِیْنُ فِی الْاِخْفَاءِ بِآمِیْنَ (اخفاءِ آمین)

4:۔ اِیْضَاحُ الدَّلِیْلِ فِیْ بَیَانِ صِفَاتِ الرَّبِّ الْجَلِیْلِ (صفاتِ باری تعالیٰ اور مسلکِ اہل السنت والجماعت)

5:۔ أَلتَّنْزِیْهُ فِی الرَّدِّ عَلٰی أَهْلِ التَّشْبِیْهِ فِیْ قَوْلِهٖ تَعَالٰی: أَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی ’’استواء علی العرش‘‘

6:۔ أَحْسَنُ الْبَیَانِ فِیْ تَنْزِیْهِ اللهِ عَنِ الْجِهَةِ وَالْمَكَانِ ’’اللہ تعالیٰ بغیر جہت اور مکان کے موجود ہیں‘‘

7:۔ روشن حقائق اردو ترجمہ: أَلْحَقَائِقُ الْجَلِیَّۃُ فِی الرَّدِّ عَلَی ابْنِ تَیْمِیَّۃَ فِیْ مَا أَوْرَدَهٗ فِی الْفَتْوَی الْحَمَوِیَّۃِ (مصنف علامہ ابن جہبلؒ)

8:۔ أَلتَّنْزِیْهُ فِی الرَّدِّ عَلٰی عَقَائِدِ أَهْلِ التَّجْسِیْمِ وَالتَّشْبِیْهِ (صفاتِ متشابہات اور صحیح اسلامی عقیدہ)

9:۔ أَلسُّنَّۃُ الْغُرَّۃُ فِیْ وَضْعِ الْیَدَیْنِ تَحْتَ السُّرَّۃِ (نماز میں ہاتھ باندھنے کا مسنون طریقہ)

10:۔ أَلْحَبْلُ الْمَتِیْنُ فِیْ صِفَةِ صَلٰوةِ رَحْمَةٍ لِّلْعَالَمِیْنَ (رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقۂ نماز)

11:۔ خواتین کا مسنون طریقۂ نماز

12:۔ أَنْوَارُ الْمَصَابِیْحِ فِیْ صَلٰوةِ التَّرَاوِیْحِ (نمازِ تراویح)

13:۔ عِقْدُ الْجِیْدِ فِیْ عَقِیْدَۃِ التَّوْحِیْدِ (’’لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ‘‘ کا مفہوم ومطلب)

14:۔ صفاتِ باری تعالیٰ اور اکابر علمائے اُمت کے عقائد

15:۔ أَزْهَارُ الْقَلَائِدِ فِیْ تَوْضِیْحِ الْعَقَائِدِ (عقائدِ اہل السنت والجماعت)

16:۔ شانِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

17:۔ فضائلِ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم

18:۔ عظمتِ اہل بیت رضی اللہ عنہم

19:۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

20:۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ

21:۔ حضرت امام ابویوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ

22:۔ اسلام کے بنیادی عقائد

فہرست

صفتِ باری تعالیٰ اکابر علمائے اُمت کے عقائد

تقریظ

حضرت مولانا سجاد الحجابی دامت برکاتهم العالیه

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ و کفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی۔ وبعد:

کتاب وسنت کا سب سے بنیادی دعویٰ عقائد کی تصحیح کا ہے۔ اس مقصدِ اعلیٰ کے لئے اللہ عزوجل نے لاکھوں کی تعداد میں برگزیدہ ہستیاں بھیجی ہیں، جنہوں نے بیک جنبش توحید باری تعالی کی طرف بھرپور دعوت دی۔ اس منزل اعلیٰ کے پانے کے لئے سب نے اس قدر تکالیف برداشت کیں اور قربانیاں سرانجام دیں کہ قرآن کریم اورسنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان کے تذکروں اور واقعات سے، الحمد للہ، بھرا پڑا ہے۔

علامہ عبدالعزیز بن بزیزہ (جو علم الکلام کے امام ہیں) نے ''الاسعاد شرح الإرشاد'' میں کیا ہی خوب لکھا ہے کہ: ''قرآن کریم کی ساڑھے چھ ہزار سے اوپر آیات کریمہ ہیں، لگ بھگ پانچ ہزار آیات صرف عقیدہ توحید کے متعلق ہیں''۔

یہی وجہ ہے کہ اس علم کا پڑھنا پڑھانا شریعت اسلام میں سب سے اونچا مقام رکھتا ہے، **''صاحب النبراس''** علامہ عبدالعزیز فرہاری h نے لکھا ہے کہ علوم عالیہ کی چھ قسمیں ہیں:

1 علم التفسیر 2 علم الحدیث 3 علم الفقہ 4 اصول الفقہ 5 علم الکلام 6 علم التصوف۔

پھر فرمایا کہ ان علوم میں **''علم الکلام''** سب کا سردار اور رئیس ہے۔

ہمارے مذہب حنفیہ کے سرخیل امام اعظم امام ابوحنیفہ h کا علم العقیدہ والکلام سے جو لگاؤ تھا وہ کسی سے ڈھکی چھپی بات نہیں۔ بندہ عاجز نے امام صاحب h کے علم عقیدہ کے حوالے سے خدمات اجاگر کرنے کے لئے مستقل مقالہ تحریر کیا ہے جو اللہ تعالی کے فضل وکرم سے بیشتر رسائل وجرائد میں چھپ چکا ہے اور اہل علم نے اس کو قدر کی نگاہ سے دیکھا ہے۔

دارالعلوم دیوبند کے مؤسس حجۃ الإسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی h تو اپنے

زمانے کے متکلمین کے امام تھے، ان کی لگ بھگ ۲۸ کتابوں میں تقریباً ۲۰ کتابیں و رسالے تو صرف عقیدہ، کلام اور مناظرہ کے متعلق ہیں۔ انہوں نے اپنی کتابوں میں خاص کر **''تقریر دل پذیر''، ''قبلہ نما''، ''آب حیات''، ''ھدیۃ الشیعۃ''، ''انتصار الاسلام''** جیسی کتابوں میں کلام وعقائد کے نئے نئے دریچے وا کئے ہیں۔ جدید استنباطات وتفریعات کئے ہیں۔ اس بات کی اہمیت صرف اس شخص پر واضح ہے جنہوں نے حجۃ الاسلام کے ان نادر شہ پاروں کا غور سے مطالعہ کیا ہو۔

کہنے کی غرض یہ ہے کہ جو علم ہمارے اکابر واسلاف کا اوڑھنا بچھونا تھا، آج افسوس! اسی علم سے نہایت بے اعتنائی برتی جا رہی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی توحید اور حقوق کا جاننا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ توحید کے حقوق جاننا اور اس کی جستجو میں لگنا عظیم عبادت ہے۔ قطب وقت امام دردیر h سے نقل ہے کہ بعض علماء کرامؒ سے منقول ہے کہ ہم نے چار سو علماء کی صحبت کو اٹھایا ہے، ان سب سے چار باتوں کے متعلق پوچھا۔ کسی نے بھی جواب نہیں دیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''پوچھو! جو بھی پوچھنا چاہتے ہو؟''۔ ہم نے کہا توحید کی حقیقت کیا ہے؟۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا''كلُّ ما خطرَ ببالِكَ فهو هَالِكٌ، واللهُ بِخلاف ذلك''۔

پھر میں نے کہا کہ عقل کی حقیقت کیا ہے؟

فرمایا: ''أدناه ترك الدُّنيا وأعلاه ترك التفكر في ذات الله''۔

میں نے کہا: فقر کی حقیقت کیا ہے؟

فرمایا: ''الا تملك شيا ولا يملك شيء، وأنت على الحالين راض عن الله''۔

میں نے عرض کیا تقویٰ کی حقیقت کیا ہے؟

فرمایا: ''ترك الدعاوى وكتمان المعاني''۔

بعض اولیاءؒ سے اللہ رب العزت کے متعلق پوچھا گیا۔ تو انہوں نے سب سے جامع جواب مرحمت فرمایا: کہنے لگے کہ اگر تم اسماء باری تعالیٰ کے متعلق پوچھتے ہو؟ تو اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: ''ولله الأسماء الحسنٰى''۔ اگر تم صفات باری تعالیٰ کے متعلق پوچھتے ہو؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قل هو الله أحد. الله الصمد. لم يلد ولم يولد. ولم يكن له كفوًا أحد۔ اور اگر تم اللہ تعالیٰ کی

باتوں کے متعلق پوچھتے ہو؟ تو انہوں نے خود ارشاد فرمایا: إنما أمره إذا أراد شيئا أن يقول له كن فيكون۔ اگر تم اللہ تعالیٰ کے افعال کے متعلق پوچھتے ہو؟ تو انہوں نے ارشاد فرمایا: كل يوم هو في شأن۔ اگر باری تعالیٰ کی نعت کے بارے میں پوچھتے ہو؟ تو خود فرمایا: هو الأول والأخر والظاهر والباطن. وهو بكل شئ عليم۔ اگر ذات کے متعلق پوچھتے ہو تو خود فرمایا: ليس كمثله شئ وهو السميع العليم۔

مخدومی، گرامی قدر، جناب حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب دامت برکاتہم کی وقیع تالیف: **''صفات باری تعالیٰ اور اکابر علماء امت کے عقائد''** کا مسودہ میرے سامنے ہے، میں نے اس مسودہ کا غور سے جستہ جستہ مطالعہ کیا۔ ماشاء اللہ! مولانا صاحب نے اکابر امت اور ائمہ اہل السنت کے نقول کو عمدہ ترتیب و اہتمام سے جمع فرمایا ہے۔ چونکہ عقیدہ جیسے اہم اور نازک موضوع پر یہ کتاب مشتمل ہے، مناسب تو یہ تھا کہ **''الف''** سے لے کر **''یا''** تک اس کا مطالعہ کیا جاتا لیکن احقر اپنی مصروفیات کی بناء پر پورے مسودے پر نگاہ نہ ڈال سکا۔ نیز مولانا صاحب اس سے قبل بھی اس موضوع پر کئی کتابیں لکھ چکے ہیں اور اہل علم نے سراہا بھی ہے۔ نیز پہلی کتابوں کی طرح موجودہ کتاب میں بھی اپنی تفریعات سے زیادہ مسلمہ ائمہ اہل السنت جیسے امام غزالی h، امام رازی h، امام جوینی h، امام نسفی h، امام تفتازانی h، ابن جوزی h، شیخ الحدیث مولانا ادریس کاندھلوی h کی نقول کو مرتب کیا ہے، اس واسطے کتاب عقائد اہل السنت کی ان شاء اللہ ترجمان ثابت ہوگی، اور حق یہ کہ جن جن جہابذہ اُمت وعباقرہ سے مولانا صاحب نے نقول جمع کئے، وہ تو سرمایہ ملت اسلامیہ ہے۔

میں تو یہ کہوں گا کہ کوئی اگر بطور وسیلہ ان اکابر واسلاف کے نام کو گردانے تو اللہ تعالیٰ سے امید واثق ہے کہ ان کی مراد پوری ہوگی۔ خالق لم یزل ولا یزال سے دست بدعاء ہوں کہ وہ اس کاوش کو قبول ومنظور فرمائے، اور امت مسلمہ کے لئے باعث خیر وبرکت بنادیں اور مؤلف کے لیے آخرت میں ذریعہ نجات بناوئے۔ والسلام

سجاد الحجابی

خادم الحدیث الشریف وعلم الکلام، بمدینۃ مردان

یوم الجمعۃ، ۶ ربیع الاول ۱۴۳۷ھ بمطابق ۱۸۔ دسمبر ۲۰۱۵ء

پیشِ لفظ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ألحمد لله المتوحد، بجلال ذاته وكمال صفاته، المتقدس في نعوت الجبروت عن شوائب النقص وسماته. والصلاة على نبيه محمد المؤيد بساطع حججه وواضح بيناته، وعلى آله وأصحابه، هداة طريق الحق وحماته. وبعد: فإنّ مبنى علم الشرائع والأحكام، وأساس قواعد عقائد الإسلام، هو علم التوحيد والصفات، الموسوم بالكلام، المنجي من غياهب الشكوك وظلمات الأوهام.

أَمَّا بَعْدُ! فَأَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ. بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ. لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ. (الشوریٰ:۱۱)

اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفی ﷺ کو دین حق دے کر بھیجا۔ دینِ اسلام اللہ تعالیٰ کا آخری دین اور قیامت تک کے لیے پسندیدہ دین ہے۔ حق تعالیٰ خود فرماتے ہیں:

إِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللهِ الْإِسْلَامُ۔ اسلام کے سوا اب کسی بھی دین میں نجات نہیں۔ کوئی بھی اہلِ کتاب چاہے وہ یہودی ہو یا عیسائی، ان کو بھی نجات تب ملے گی، جب وہ دینِ اسلام کو تسلیم کریں گے۔ اس کے بغیر کسی بھی مذہب پر چلنے والے کے لیے نجات نہیں ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِيْناً فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ. (آل عمران:۸۵)

ترجمہ: جو کوئی شخص اسلام کے سوا کوئی اور دِین اختیار کرنا چاہے گا، تو اس سے وہ دین قبول نہیں کیا جائے گا۔ اور آخرت میں وہ ان لوگوں میں شامل ہوگا جو سخت نقصان اُٹھانے

والے ہیں۔

اسلام مکمل اور جامع دین ہے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر تکمیلِ دین اور اتمامِ نعمت کا اعلان اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے ذریعہ فرمایا:

اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِيْناً. (المائدہ:۳)

ترجمہ: آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دِین مکمل کر دیا، تم پر اپنی نعمت پوری کر دی۔ اور تمہارے لیے اسلام کو دِین کے طور پر (ہمیشہ کے لیے) پسند کر لیا۔

دین اسلام کی تعلیمات اپنی جامعیت کے اعتبار سے دین کے تمام شعبوں عقائد، عبادات، معاملات، معاشرت اور اخلاق پر مشتمل ہیں اور یہی اس کی خوبی ہے۔ وہ انسان کی پوری زندگی کے لیے راہنمائی کرتا ہے۔ زندگی کا کوئی موڑ اور کوئی شعبہ ایسا نہیں جس میں اس کی ہدایات موجود نہ ہوں۔ حضور اکرم ﷺ نے دین کے تمام شعبوں کے لیے بڑی جامع اور سنہری ہدایات عطا فرمائی ہیں، جن پر عمل پیرا ہو کر ایک انسان صحیح معنی میں کامل انسان بن سکتا ہے۔ دنیا اور آخرت کی فوز وفلاح اور حقیقی کامیابی اسی میں ہے کہ اسلام کی تعلیمات کو پورے طور پر اپنایا جائے۔

اسلام کے تمام شعبوں میں زیادہ اہم شعبہ ایمانیات اور عقائد ونظریات کا شعبہ ہے کیونکہ عقائد تمام اعمال کی بنیاد ہیں۔ اگر عقائد صحیح نہ ہوں تو اعمال بے کار ہیں۔ اس لیے عقائد کا صحیح ہونا انتہائی ضروری ہے۔

عقیدہ ونظریہ کسی بھی مذہب کی وہ بنیاد اور اساس ہے جس پر وہ مذہب قائم ہے۔ اگر عقیدہ متزلزل ومشکوک ہو جائے، تو مذہب کی بنیادیں استوار نہیں رہتیں۔

اسلامی تعلیمات میں بھی عقائد کی اہمیت کو تسلیم کیا گیا ہے۔ قرآن وسنّت میں عقائد کی اصلاح ودرستگی پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر آیاتِ قرآنیہ عقائد کی درستگی کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔ عقائد کی بظاہر معمولی غلطی اکثر اوقات دائرۂ اسلام سے خروج کا باعث بن سکتی ہے۔ اعمال میں کمی وکوتاہی کا وہ نقصان نہیں ہوتا جو فسادِ عقیدہ کا ہوتا ہے۔

اہل السنت والجماعت درحقیقت ایسے لوگوں کو کہا جاتا ہے جن کے اعتقادات اور اعمال ومسائل کا محور قرآنِ حکیم، حضورا کرم ﷺ کی سنت صحیحہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آثارِ مبارکہ ہوں اور وہ اپنے عقائد اور اصولِ حیات اور اخلاق وعبادات میں اسی راہ پر چلتے ہوں جس پر حضور ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تمام عمر چلتے رہے۔ اس راہ کے مخالف راستے کو بدعت اور اس پر چلنے والوں کو مبتدعین کہا جاتا ہے۔

یقیناً صحیح عقائد وہی ہیں جو اہل السنت والجماعت کے عقائد ہیں۔ اس لیے کہ یہی جماعت نجات پانے والی اور حق پر ہے جیسا کہ حضورا کرم ﷺ نے نجات پانے والی جماعت کے متعلق خود ارشاد فرمایا: "ما أنا علیه و أصحابي" الحدیث (جس طریقہ پر میں ہوں اور میرے صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں)۔ اہل السنت والجماعت کے عقائد ونظریات کا اصل ماخذ تو قرآن وسنّت نبویہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعلیمات ہیں۔ ان تعلیمات کو اپنے اپنے زمانہ میں اکابر علماء کرامؒ بیان کرتے آئے ہیں، وہ علم کلام وعقائد کی کتب میں موجود ہیں جو صدیوں سے متوارث طور پر ایک نسل سے دوسری نسل تک منتقل ہوتے آرہے ہیں اور قیامت تک (ان شاء اللہ!) یہ سلسلہ یوں ہی جاری رہے گا۔

توحید: وحدت سے مشتق ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات وصفات میں فرد اور یگانہ ہے۔ ذات اور صفات میں کوئی اس کا شریک اور سہیم نہیں اور علم اور قدرت میں کوئی اس کا ہم پلہ نہیں۔ ایک وہی معبودِ برحق ہے۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ تمام صفات کمال کے ساتھ موصوف ہے اور بے مثل اور بے مثال اللہ تعالیٰ سے صفاتِ کمال کی نفی کرنا یہ تعطیل ہے اور اللہ تعالیٰ کو مخلوق کے مشابہ بتانا تشبیہ اور تمثیل ہے اور تعطیل اور تشبیہ دونوں کی نفی توحید ہے۔

علامہ عبدالقاہر بغدادیؒ فرماتے ہیں:

فَقَالَ أَهلُ السّنة: قد جَاءَتِ السّنة الصَّحِيحَة بِأَن لله تَعَالىٰ تِسْعَة وَتِسْعين اسْماً۔ وان من احصاها دخل الْجنَّة۔ وَلم يُرد باحصاءها ذكر عَددهَا والعبارة عَنْهَا فان الْكَافِر قد يذكرهَا حاكيا لَهَا وَلَا

يكون من اهل الْجنَّة وانما أَراد باحصاءها الْعلم بهَا واعتقاد مَعَانِيهَا من قَوْلهم: فلَان ذُو حَصَاة واطاة كَذَااذا كَانَ ذَا علم وعقل۔

(الفرق بين الفرق وبيان الفرقة الناجية، ص۳۲۶، ۳۲۷۔ تالیف: عبد القاهر بن طاهر بن محمد بن عبد الله البغدادي التميمي الأسفراييني، أبو منصور (المتوفى ۴۲۹ھ)۔ الناشر: دار الآفاق الجديدة، بيروت، ۱۹۷۷ء)

ترجمہ: اہل السنت فرماتے ہیں: صحیح حدیث میں ہے: "اللہ تعالیٰ کے ننانوے (۹۹) نام ہیں جو ان کو یاد کرے گا، وہ جنت میں داخل ہوگا"۔ مطلب یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کو مانے۔ اس کی ذات کو قدیم اور ازلی اور یکتا مانے اور اس کو موصوف بہمہ اسماء وصفات جانے اور یہ عقیدہ رکھے کہ اللہ تعالیٰ ان تمام صفات کاملہ کے ساتھ موصوف ہے، وہ مؤمن ہے اور جنت میں داخل ہوگا۔ ایمان کے لیے یہ ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ان تمام صفات کاملہ پر ایمان لائے جن کا اس حدیث میں ذکر ہے۔

علم العقائد میں سب سے زیادہ اہم درجہ توحیدِ ذات وصفات کا ہے۔ جس کو سمجھنے اور یقین کرنے کے لیے کمالِ علم وعقل ضروری ہے۔ اس لیے جو لوگ علم وعقل کے لحاظ سے کم مایہ تھے، وہی اس گتھی کو سلجھانے سے زیادہ عاجز رہے۔

عقائد کی درستی وصحت کا تعلق صرف علمِ صحیح سے ہے۔ اگر علمِ صحیح اور عقل بھی سلیم ہے، تو عقائد کے بارے میں کبھی غلطی نہ ہوگی۔ پھر یہ کہ حق تعالیٰ نے اس کا علم اتنا آسان کر دیا ہے کہ کم سے کم سمجھ والا بھی اس سے بہرہ ور ہوسکتا ہے اور غلط عقیدے سے ضرور بچ بھی سکتا ہے، ورنہ حق تعالیٰ اپنے بندوں کو اس کا مکلّف ہی نہ فرماتا۔

غرض اعمال کی کوتاہیاں تو بہت ہیں، خصوصاً اس زمانہ میں کہ شر کا غلبہ بہت ہی زیادہ ہے اور جتنا قربِ قیامت کا زمانہ ہوگا، شرور وفتن زیادہ ہی ہوں گے۔ اس لیے **تصحیح عقائد** کی فکر بھی سب سے زیادہ ضروری ہے۔ عقائد کے صحیح کرنے اور رکھنے کی کوئی دقت نہیں ہے۔ سب سے اوّل حق تعالیٰ کی ذات وصفات، علم، قدرت، مشیئت، تقدیر خیروشر، برزخ

وآخرت کا یقین، تمام انبیاء پر ایمان، ملائکہ وشیاطین وجن کا یقین، حق تعالیٰ کے لیے

لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ (الشوریٰ:۱۱)

ترجمہ کوئی چیز اُس کے مثل نہیں ہے، اور وہی ہے جو ہر بات سنتا، سب کچھ دیکھتا ہے۔

ہونے کو خوب اچھی طرح سمجھ لینا کہ اس میں بڑے بڑوں سے بھی غلطیاں ہوگئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ آخر زمانہ تک صحیح علم رکھنے والے ضرور دنیا میں رہیں گے، جو غلط علم والوں کی غلطیوں پر متنبہ کرتے رہیں گے۔ اس لیے صحیح علم والے علماء وصلحاء سے رابطہ رکھنا بھی ضروری ہے، ورنہ قیامت تک کے لیے ابلیس کو بھی مہلت مل چکی ہے کہ وہ طرح طرح سے گمراہ کرے اور وہ خاص طور سے علماءِ سوء کے ذریعہ بھی راہِ مستقیم سے ہٹاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو:

قَالَ: «مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي». (مشکوٰۃ رقم ۱۷۱؛ ترمذی رقم ۲۶۴۲)

ترجمہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جس طریقے پر میں ہوں اور میرے اصحاب ہوں گے (اس کی پیروی کرنے والے مستثنیٰ ہوں گے)''۔

کی شاہراہِ مستقیم پر چلائے اور ثابت قدم رکھے۔ آمین۔ ثم آمین۔

یہاں یہ بتلانا بھی بہت ضروری ہے کہ علمِ عقائد میں صرف ان اہل علم وعقل کی بصیرت پر اعتماد ہوسکتا ہے جو تمام اقدار کو اپنے اپنے مرتبہ میں رکھ سکتے ہیں۔ اسی لیے اکابر اُمت کا یہ فیصلہ بھی بہت اہم وضروری تھا کہ اثباتِ عقائد کے لیے دلائلِ قطعیہ (آیات بینات واحادیثِ صحیحہ متواترہ) کی ضرورت ہے۔ جب کہ احکام کے لیے کم درجہ کی احادیث بھی کافی ہیں، بشرطیکہ وہ ضعیف نہ ہوں۔ صرف فضائلِ اعمال احادیثِ ضعیفہ سے بھی ثابت ہوسکتے ہیں۔ رہیں منکر وشاذ یا موضوع احادیث، ان سے کسی امر کا بھی اثبات نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا سب سے بڑی غلطی بعض علماء سے یہ ہوئی کہ انھوں نے اقدارِ مذکورہ سے صرفِ نظر کرلی۔ مثلاً کچھ حضرات نے نسبتاً ضعیف احادیث سے احکامِ شرعیہ کا اثبات کیا اور بہت سوں نے منکر وشاذ احادیث سے بھی احکام بلکہ عقائد تک بھی ثابت کیے ہیں۔ اس طرح ان کے یہاں عقائد واحکام کے مراتب واقدار محفوظ نہ رہ سکے۔

ہم نے جس کسوٹی پر حق وناحق کو پرکھنے کی بات اوپر پیش کی ہے۔ وہ اتنی واضح اور ہر

ایک منصف کے لیے لائق قبول ہے کہ اس سے صرفِ نظر کو مکابرہ ہی کہا جاسکتا ہے، کیونکہ جو احادیث دوسری جانب سے پیش کی گئی ہیں، وہ سب نقد ورجال کی کسوٹی پر رکھتے ہی اپنی قدر و قیمت خود بتلارہی ہیں۔

صفات باری تعالیٰ کا مسئلہ نازک ترین مسئلہ ہے۔ اس میں تھوڑی سی افراط وتفریط سے بھی آدمی گمراہیوں کی اتھاہ گہراہیوں میں گرسکتا ہے۔ اس لیے بغیر ضرورتِ شدیدہ کے کلام کرنا علمائے کرام نے ناجائز ٹھہرایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض لوگ مسئلۂ صفات میں اثبات کی طرف اتنا غلو کرگئے کہ مشبہہ اور مجسمہ بن گئے اور دوسری طرف بعض لوگوں نے تاویل میں اتنا غلو کردیا کہ مُعَطّلہ، جُہمیہ اور معتزلہ بن گئے۔ اہل السنت والجماعت نے ہمیشہ شریعت کے ہر مسئلہ میں اعتدال کا دامن تھامے رکھا۔ لہٰذا مسئلۂ صفات میں احتیاط کی بہت ضرورت ہے۔ لیکن ستم ظریفی یہ ہے کہ بعض نادان لوگوں نے عقیدہ اور صفات کے ہر مسئلہ میں اپنی طرف سے خوب خامہ فرسائی کی جس کی وجہ سے اہلِ حق مجبور ہوئے کہ اس مسئلہ میں اپنا مؤقف واضح کریں۔ یہ کتاب کسی کی تردید وتغلیط اور بحث ومناظرہ کے لیے نہیں بلکہ اس غرض سے ترتیب دی گئی ہے کہ عام مسلمان جو علم یا فرصت کی کمی کے باعث براہِ راست عقائد اور حدیث کی بڑی کتابوں کی مراجعت نہیں کرپاتے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے انہیں یقینی طور پر معلوم ہوجائے کہ صفات باری تعالیٰ کے بارے میں ان کا عقیدہ قرآن کریم، احادیثِ رسول اللہ ﷺ، خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اور فقہائے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عقائد کے مطابق ہے۔ خیر القرون میں اسی پر تعامل رہا ہے۔ لہٰذا بلا شبہ یہی حق اور سچ ہے۔ راہِ حق کو تلاش کرنے والوں کے لیے یہ کتاب ''مینارۂ نور'' ثابت ہوگی۔ ہر مسلمان کے پاس اس کتاب کا ہونا ضروری ہے۔

یقیناً صحیح عقائد وہی ہیں جو اہل السنت والجماعت کے عقائد ہیں۔ اس لیے کہ یہی جماعت نجات پانے والی اور حق پر ہے جیسا کہ حضور اکرم ﷺ نے نجات پانے والی جماعت کے متعلق خود ارشاد فرمایا: «ما أنا علیه وأصحابي»، الحدیث (جس طریقہ پر میں ہوں اور میرے صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں)۔ اہل السنت کے عقائد ونظریات کا اصل ماخذ تو قرآن وسنّت نبویہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعلیمات ہیں۔ ان تعلیمات کو اپنے اپنے زمانہ میں اکابر علماء کرام بیان کرتے

آئے ہیں وہ علم کلام وعقائد کی کتب میں موجود ہیں جو صدیوں سے متوارث طور پر ایک نسل سے دوسری نسل تک منتقل ہوتے آرہے ہیں اور قیامت تک (ان شاءاللہ!) یہ سلسلہ یوں ہی جاری رہے گا۔

اس لیے اس کتاب میں خلیفہء راشد حضرت علی رضی اللہ عنہ (المتوفی ۴۰ھ) سے لے کر شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا حافظ محمد ادریس کاندھلویؒ (المتوفی ۱۳۹۴ھ) تک کے بیان کردہ صفات باری تعالیٰ کے عقائدکو بیان کیا گیا ہے۔ اس کتاب کا نام: ''صفاتِ باری تعالیٰ اور اکابر علمائے اُمت کے عقائد'' تجویز کیا گیا ہے۔ خیر القرون سے لے آج تک جمہور علمائے اُمت کے یہی عقائد ہیں مگر اس کتاب میں ان اکابر علمائے اُمت کے عقائد کو بیان کیا گیا ہے، جنہوں نے صفاتِ باری تعالیٰ کے بارے میں عقائد کو یکجا بیان کیا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ تمام مسلمانوں کو عقائدِ صحیحہ پر قائم رکھے اور توحید کا دامن تھامنے کی توفیق عطا فرمائے اور شرک سے کامل طور پر محفوظ رکھے۔ تمام مسلمانوں کو حق وصداقت پر قائم ودائم رکھے اور ہمیشہ سوادِ اعظم کی معیّت واتباع نصیب فرمائے اور اہل حق کے ساتھ تعصب وعناد اور ہٹ دھرمی سے جملہ اہل اسلام کو مامون ومحفوظ رکھے۔

آمین بجاہ النبی الکریم وسید الانبیاء والمرسلین
وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وعلیٰ
من اتبعھم باحسان الیٰ یوم الدین۔

اعجاز احمد اشرفی

اتوار، یکم ربیع الاوّل ۱۴۳۷ھ بمطابق ۱۳۔دسمبر ۲۰۱۵ء

مقدمہ

توحید دینِ اسلام کی اصل واساس ہے۔توحید پر ہماری دونوں جہان کی فوز وفلاح کا مدار ہے۔توحید ہماری نجاتِ آخرت کی ضمانت ہے۔عقیدۂ توحید کی صحت کے بغیر انسان عذابِ جہنم سے بچ نہیں سکتا۔اللہ تعالیٰ کی رحمت اور جناب رسول اکرم ﷺ کی شفاعت کا مستحق نہیں ہوسکتا، اور جنت میں داخل نہیں ہوسکتا۔

1:۔عقیدہ کی اہمیت

1 عقائد پر کفر وایمان اور آخرت کی نجات وعذاب کا مدار ہے اور عقائد ہی اصلِ دین وایمان ہیں، بلکہ ایمان کہتے ہی عقائد وتصورات کو ہیں، اعمالِ صالحہ کو عموماً اسلام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔آخرت کی نجات اور فوز وفلاح ایمان پر منحصر ہے نہ کہ اعمال پر۔

2 اعمال وکردار کی صحت وسلامتی اور دین کی درستی وراستی کا دارومدار عقائد وایمان پر ہے۔عقائد ہی اصل دین واساسِ ایمان ہیں۔

2:۔عقیدہ کا ماخذ

1 تعلیماتِ دین کی اصل واساس کتاب وسنت ہے۔ لہٰذا بمصداق ''الأصل بالأصل'' عقیدہ کتاب اللہ اور سنتِ متواترہ سے ثابت ہوگا۔یہ آیاتِ محکمات سے ماخوذ ہوگا، یا احادیثِ صریحہ متواترہ سے۔خبر واحد (حدیث) گو صحیح ہو، اثباتِ عقیدہ کے لیے کافی نہیں۔حدیثِ صحیح سے عمل تو ثابت ہوسکتا ہے، عقیدہ ثابت نہیں ہوسکتا۔شرح عقائد کی مشہور کتابوں میں ہے کہ خبر واحد سے صرف ظن کا فائدہ ہوسکتا ہے، علمِ یقینی فقط حدیثِ متواتر سے حاصل ہوتا ہے۔

2 افادۃ خبر الرسول للعلم الیقینی اِنما یکون فی المتواتر فقط۔

وأمّا اذا كانَ منقولاً بالآحادِ فلا يفيد الّا الظن كما تقرر في اصول الفقه۔ (شرح لشرح العقائد (نبراس) ص ۸۷)

ترجمہ علمِ یقینی کا فائدہ فقط وہی حدیثِ رسول دے سکتی ہے جو متواتر ہو۔ رہی خبرِ واحد سو وہ صرف مفیدِ ظن ہو سکتی ہے جیسا کہ اصولِ فقہ سے ثابت ہے۔

3 خبرِ واحد ظن کے لیے مفید ہے۔ اس سے یقینی اور قطعی علم حاصل نہیں ہوتا۔ اس لیے اس سے عقیدہ ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ علامہ پرہارویؒ رقم طراز ہیں:

ومعرفة العقائد عن أدلتها ...... وقيد الجمهور الأدلة بالقطعية لأنَّ اتباع الظن في العقائد مَذْمُومٌ۔

("نبراس" شرح لشرح العقائد ص ۲۴)

ترجمہ جن دلائل سے عقائد ثابت ہوتے ہیں، جمہور نے قید لگائی ہے کہ وہ دلائل قطعیات سے ہوں (کتاب اللہ یا احادیثِ متواترہ سے، نہ کہ خبرِ واحد سے جو مفیدِ ظن ہے) کیونکہ عقائد کے بارے میں ظن کا اعتبار و اتباع مذموم ہے۔

4 شیخ الاسلام علامہ محی الدین نوویؒ (المتوفی ۶۷۶ھ) فرماتے ہیں:

فَالَّذِي عَلَيْهِ جَمَاهِيرُ الْمُسْلِمِينَ مِنَ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِينَ فَمَنْ بَعْدَهُمْ مِنَ الْمُحَدِّثِينَ وَالْفُقَهَاءِ وَأَصْحَابِ الْأُصُولِ أَنَّ خَبَرَ الْوَاحِدِ الثِّقَةِ حُجَّةٌ مِنْ حُجَجِ الشَّرْعِ يَلْزَمُ الْعَمَلُ بِهَا وَيُفِيدُ الظَّنَّ وَلَا يُفِيدُ الْعِلْمَ ...... وَأَمَّا مَنْ قَالَ يوجب العلم فهو مكابر للحس۔

(المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج، ج۱ ص۱۳۱، ۱۳۲۔ المؤلف: أبو زكريا محيى الدين يحيى بن شرف النووى (المتوفى ۶۷۶ھ)۔ الناشر: دار إحياء التراث العربى، بيروت۔ الطبعة: الثانية، ۱۳۹۲ھ)

ترجمہ حضرات صحابہؓ، تابعینؒ اور ان کے بعد محدثین و فقہاء کرامؒ اور اصحابِ اصولؒ جمہور مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ خبرِ واحد صحیح شرعی دلائل میں سے ایک دلیل ہے جس سے عمل واجب ہوتا ہے اور یہ ظن کا فائدہ دیتی ہے، علمِ (یقینی) کا فائدہ نہیں دیتی (لہٰذا اس سے عقیدہ ثابت نہیں ہو سکتا)۔ جس نے یہ کہا کہ اس سے علم (وعقیدہ)

واجب ہوتا ہے، وہ ظاہر حقیقت کا مخالف و منکر ہے۔

5 خلاصہ یہ ہے کہ عقیدہ کتاب اللہ سے ماخوذ ہونا لازم ہے، یا پھر احادیث متواترہ سے۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے اس کی صراحت کے ساتھ تعلیم دی ہو، بار بار تاکید فرمائی ہو اور ساری عمر اس کی تبلیغ فرماتے رہے ہوں۔

6 پھر آپ ﷺ کے اصحاب کرامؓ اور ان کے بعد حضرات تابعینؒ، تبع تابعینؒ اور ائمہ مجتہدینؒ یعنی جمہور اُمت کا اس پر اتفاق و اجماع ہو۔

3 صفاتِ باری تعالیٰ کی اقسام

1 اہل السنت والجماعت کا صفاتِ متشابہات میں واضح اور معتدل عقیدہ ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ: ان صفات متشابہات کو ثابت مان کر ان کے معانی کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا، کہ وہی ان کے معانی اس کی شان کے لائق اور زیادہ بہتر جانتا ہے، اور اس کے ساتھ ہی ہر قسم کی کیفیات و متشابہاتِ مخلوقات کی نفی کرنا۔ اس عقیدے کو اہل سنت یوں تعبیر کرتے ہیں:

التفويض مع تنزيه الله تعالى وصفاته عن مشابهة المخلوقات مع نفي الكيفية عنه۔

2 جب کہ اہل سنت متاخرین نے مجسمہ کے باطل عقائد سے عوام الناس کو بچانے کیلئے ضرورت و احتمال کے درجے میں تاویل کو بھی مناسب سمجھا ہے۔ چنانچہ بسا اوقات مثلاً صفت ید کی تاویل: قدرت و نعمت، صفت عین کی تاویل: حفاظت، صفت نفس کی تاویل: ذات اور صفت نزول کی تاویل: نزولِ رحمت سے کرتے ہیں۔ بعض اہل بدعت کو یہ اشکال ہے کہ صفات میں ہر قسم کی تاویل کرنا ناجائز ہے، کہ یہ معتزلہ و جہمیہ کا مسلک ہے۔ لیکن محققین نے تصریح فرمائی ہے کہ اہل السنت ایسے انداز سے صفات میں تاویل کرتے ہیں کہ جس سے اصل صفت باقی رہتی ہے۔ اور اس کی تعطیل لازم نہیں آتی۔ اور اسی کو تاویل بدرجہ احتمال سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور معتزلہ و جہمیہ درجہ جزم و یقین میں صفات کے اندر تاویل کرتے ہیں، جس سے اصل صفت باری

تعالیٰ متعذر و معطل ہو جاتی ہے۔

3 اللہ تعالیٰ کی صفات جو قرآن وحدیث میں مذکور ہیں۔ وہ دو قسم کی ہیں:

۱ ایک وہ جن کے معنی واضح اور ظاہر ہیں، جیسے علم، قدرت، ارادہ، کلام وغیرہ۔ ایسی صفات کو صفاتِ محکمات اور واضحات کہتے ہیں۔ اس بارہ میں اہلِ حق کا اتفاق ہے کہ ان صفات کے ظاہری معنی پر اعتقاد رکھنا ضروری ہے۔ اس قسم کی صفات میں کسی قسم کی تاویل جائز نہیں۔

۲ دوسری قسم وہ ہے جس کے معنی میں خفا اور ابہام ہے۔ محض مدلولِ لفظی اور معنی لغوی سے کوئی علمِ قطعی اور یقینی حاصل نہیں ہوتا۔ رائے اور قیاس کی وہاں مجال نہیں۔ کشف اور الہام کی وہاں تک رسائی نہیں۔ جیسے وجہ (منہ)، ید (ہاتھ)، نفس، عین (آنکھ)، ساق (پنڈلی)، قدم (پاؤں)، اصابع (انگلیاں)، عرش پر مستوی ہونا وغیرہ۔ اس قسم کی صفات کو صفات متشابہات کہتے ہیں۔

4 علمائے کرام کے ہاں صفاتِ متشابہات کی نصوص میں دو مذاہب ہیں:

(۱) تفویض (۲) تاویل

4 صفات متشابہات میں مذہب اول: تفویض

صفات کی نصوص کو ان کی تفسیر اور تاویل کیے بغیر ماننا، لیکن اس کے ساتھ ہی ان معانی کی نفی بھی کرنا جو اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں۔ یہ اعتقاد بھی رکھنا کہ ان کے صحیح معنی وہی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق ہیں۔

حضرت امام قرطبیؒ بیان فرماتے ہیں:

حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِسْحَاقَ الْقَاضِي، أَنْبَأَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، عَنْ حَمَّادِ بْنِ زَيْدٍ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ حَازِمٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يسار، أن صبيغ بن عِسل قَدِمَ الْمَدِينَةَ فَجَعَلَ يَسْأَلُ عَنْ مُتَشَابِهِ الْقُرْآنِ، وَعَنْ أَشْيَاءَ، فَبَلَغَ ذٰلِكَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ. فَبَعَثَ إِلَيْهِ عُمَرُ فَأَحْضَرَهُ. وَقَدْ أَعَدَّ لَهُ عَرَاجِينَ مِنْ عَرَاجِينِ النَّخْلِ. فَلَمَّا حَضَرَ قَالَ لَهُ عُمَرُ: مَنْ أَنْتَ؟

قَالَ: أَنَا عَبْدُ اللهِ، صَبِيغٌ. فَقَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: وَأَنَا عَبْدُ اللهِ، عُمَرُ، ثُمَّ قَامَ إِلَيْهِ فَضَرَبَ رَأْسَهُ بِعُرْجُوْنٍ فَشَجَّهُ. ثُمَّ تَابَعَ ضَرْبَهُ حَتّٰى سَالَ دَمُهُ عَلٰى وَجْهِهِ. فَقَالَ: حَسْبُكَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ! فَقَدْ. وَاللهِ ذَهَبَ مَا كُنْتُ أَجِدُ فِي رَأْسِي.

(الجامع لأحكام القرآن = تفسير القرطبى، ج ۴ ص ۱۴، ۱۵۔ المؤلف: أبو عبد الله محمد بن أحمد بن أبى بكر بن فرح الأنصارى الخزرجى شمس الدين القرطبى رحمۃ اللہ علیہ (المتوفى ۶۷۱ھ)۔ تحقيق: أحمد البردونى وإبراهيم أطفيش۔ الناشر: دار الكتب المصرية، القاهرة۔ الطبعة: الثانية، ۱۳۸۴ھ)

ترجمہ حضرت سلیمان بن یسارؒ بیان فرماتے ہیں:

حضرت صَبیغ بن عِسلؒ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ حکومت میں مدینہ منورہ آیا۔ تو صبیغؒ نے قرآن پاک کے متشابہات اور دوسری چیزوں کے بارے میں سوال وجواب کرنے شروع کر دیئے۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ تک یہ خبر پہنچی، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو اس کے لانے کا حکم دیا۔ اس نے لاکر پیش کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے لیے کھجور کی جڑ سے بنی ہوئی ایک چھڑی تیار کی۔ پھر جب صبیغؒ حاضر ہو گیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا: ''تو کون ہے''؟۔ اس نے کہا: میں اللہ کا بندہ، صبیغ! تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میں بھی اللہ کا بندہ، عمر''! پھر کھڑے ہوئے تو اس کے سر پر مارنا شروع کیا تو اس کو زخمی کر دیا۔ پھر اس کو مارتے رہے یہاں تک کہ خون اس کے چہرے سے بہنے لگا۔ تو وہ کہنے لگا: اے امیر المؤمنین! کافی ہے۔ خدا کی قسم! وہ شکوک وشبہات دور ہو گئے جن کو میں اپنے دماغ میں پاتا تھا۔

صفاتِ باری تعالیٰ کے معانی کی تعیین سے سکوت کرنے کے دو اسباب ہیں:

۱ ان معانی کے مجموعہ میں سے کسی ایک معنی کو اختیار کرنے کے لیے دلیل قطعی کوئی نہیں ہے۔ اس بنا پر ان میں سے کسی ایک معنی کی تعیین کرنا ظن وگمان ہی کے درجہ میں ہوگا۔ لہٰذا ان کے معانی کی تفویض ہی اولیٰ اور افضل ہے، مگر کسی ضرورت کی وجہ سے تاویل کرنا بھی جائز ہے جیسے کسی شبہ کو دور کرنا وغیرہ۔

۲ ہمارے پاس کوئی قطعی دلیل نہیں ہے کہ اس لفظ کے یہی معنی مراد ہیں۔ اسی لیے حضرت ابن قدامہ مقدسیؒ فرماتے ہیں:

"فَإِنَّ أَكثر مَا عِنْد المتأول أَن هٰذِهِ اللَّفْظَة تَحْتَمل هٰذَا الْمَعْنى فِي اللُّغَة، وَلَيْسَ يلْزم من مُجَرّد إحتمال اللَّفْظ للمعنى أَن يكون مرَاداً بِهِ، فَإِنَّهُ كَمَا يحْتَمل هٰذَا الْمَعْنى يحْتَمل غَيره، وَقد يحْتَمل مَعَانى أخر لَا يعلمهَا"۔

(تحریم النظر فی کتب الکلام ص۵۱۔المؤلف:أبو محمد موفق الدين عبد الله بن أحمد بن محمد بن قدامة الجماعيلي المقدسي ثم الدمشقي الحنبلي، الشهير بابن قدامة المقدسي رحمه الله (المتوفی ۶۲۰ھ)۔المحقق:عبد الرحمن بن محمد سعيد دمشقية۔الناشر:عالم الكتب، السعودية، الرياض۔الطبعة:الأولى ۱۴۱۰ھ)

ترجمہ اکثر متاوّلین کے ہاں یہی بات ثابت ہے کہ یہ لفظ از روئے لغت اس معنی کا احتمال رکھتا ہے۔ صرف احتمال سے کسی ایک معنی کی تعیین نہیں کی جاسکتی کہ اس کی مراد یہی ہے، ممکن ہے کوئی اور معنی ہو۔ دوسرے احتمالی معانی کو یہ نہیں جانتا۔

۳ جمہور سلفِ صالحین کے نزدیک صفاتِ باری تعالیٰ میں عقیدہ: "ألتفويض مع تنزيه الله تعالىٰ عن مشابهة المخلوقات" ہے۔ یعنی جو صفات قطعیات (نصِ قرآنی، خبر متواتر، اجماع) سے ثابت ہیں، ان کو ثبوت کے بعد اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا چاہیے۔ ساتھ ساتھ یہ عقیدہ بھی ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر لحاظ سے مخلوق کی مشابہت سے پاک ہیں۔

☆ علامہ محمد زاہد بن الحسن الکوثریؒ فرماتے ہیں:

أهل السنة هم الذين جمعوا بين الكتاب والسنة وآثار السلف والبراهين العقليّة التی هی من حجج الله سبحانه، من غير اهمال شئ منها، مراعين مراتب الأدلة ووجوه الدلالة۔ وانما مذهب السلف عدم الخوض فی الصفات مع التنزيه العام وهم أبعد الناس عن حمل ما فی كتاب الله وما صح فی السنة علی ما يوهم

التشبيه۔ فاذا تكلموا انما يتكلمون بما يوافق التنزيه وهم الذين يقولون فيما صحّ لفظه: "أمروها كما جاء بدون تفسيره بل تفسير قراءته بلا كيف ولا معنى" كما تواتر ذلك عن السلف ولا سيما عن أحمد۔

(حاشیہ السیف الصقیل فی الرد علی ابن زفیل ص۱۳۶، ۱۳۷ طبع المکتبۃ الازہریۃ، قاہرہ العقیدۃ وعلم الکلام ص۵۴۲ طبع ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی)

ترجمہ اہل السنت وہ لوگ ہیں جنہوں نے کتاب اللہ، سنت صحیحہ، سلف صالحینؒ سے مروی آثار و روایات اور عقلی دلائل کو جمع کیا ہے۔ یہی دینِ اسلام کی حقانیت کے عقلی دلائل ہیں۔ انہوں نے ان میں سے کسی دلیل کو بھی نہیں چھوڑا ہے، دلائل کے مراتب کا بھی لحاظ رکھا ہے اور دلائل کی وجوہ کو بھی معلوم کیا ہے۔ کتاب اللہ اور سنت صحیحہ میں موجود آیات واحادیثِ صفات کے معانی بیان کرتے ہوئے تشبیہ کے وہم سے وہ سب لوگوں سے زیادہ دور رہنے والے تھے۔ وہ جب بھی ان آیاتِ صفات کو بیان کرتے تھے تو وہ اللہ تعالیٰ کی تنزیہ کا لحاظ کرتے تھے۔ ان لوگوں کا ایک مقولہ تھا: ''جیسے صفاتِ باری تعالیٰ بیان ہوئی ہیں، ان کو اسی طرح بیان کرو، ان کی تفسیر کو بیان کیے بغیر، بلکہ ان کی تفسیر بغیر کیفیت اور معنی کے بغیر بیان کرنا ہے''۔ جیسا کہ سلفِ صالحینؒ، خصوصاً حضرت امام احمد بن حنبلؒ، سے یہ تواتر کے ساتھ ثابت ہے۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ان صفات کو ثابت مان کر یہ عقیدہ رکھنا چاہیے کہ ان صفات سے یہی حقائق وظواہر مراد نہیں ہیں بلکہ ان کی مراد صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔ تو سلف کا مؤقف دو باتوں سے مرکب ہوا:

۱ ان صفات سے یہی حقائق اور ظواہر مراد نہیں۔

۲ ان کے معانی متعین کرنے سے سلفؒ نے گریز کیا ہے، کیونکہ ان صفات کے معانی اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔ سلفِ متقدمینؒ کا صفاتِ باری تعالیٰ میں یہی مسلمہ مؤقف ہے، جو بے شمار دلائل سے ثابت ہے۔

5 صفات متشابہات میں مذہب ثانی: تاویل

یہ مذہب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایک طائفہ سے بھی ثابت ہے۔ جمہور متاخرین کے ہاں تاویل مشہور و معروف ہے۔

1 حضرات متاخرین کے زمانے میں جن جوق در جوق فتنوں نے سر اُٹھایا وہ سلف متقدمین کے دور میں نہیں تھے۔ مُشَبِّهه اور مُجَسِّمه نے بھرپور طاقت اس میں صرف کر دی کہ اللہ تعالیٰ کی ہمارے جیسی آنکھ اور ہاتھ ہیں۔ وہ ہمارے جیسے بیٹھتے ہیں، ہمارے جیسے اُٹھتے ہیں اور متحرک ہیں۔ پھر ان میں اختلافات ہیں۔ بعض تو ان میں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ خوب صورت جوان کی صورت میں ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ادھیڑ عمر والے آدمی کی طرح ہیں (العیاذ باللہ)! ظلم یہ ہے کہ انہوں نے اپنے اس غلط مذہب پر قرآنِ مجید کی آیاتِ صفات یا احادیثِ صفات سے استدلال کیا ہے، جس میں استواء، ید، نفس یا نزول کا ذکر کیا گیا ہے۔

2 یہ بات بھی مسلّم ہے کہ عوام الناس ظاہر کو دیکھ کر جلد دھوکہ کھا جاتے ہیں چنانچہ متاخرین اہل السنت والجماعت نے عوام کو مُشَبِّهه اور مُجَسِّمَه کے ان غلط معانی سے مزین مذہب سے بچانے کے لیے تاویل کی صورت اختیار کر لی کہ ''استویٰ'' سے استولیٰ (غلبہ حاصل کرنا)، ''ید'' سے قدرت، ''عین'' سے حفاظت، ''نزول'' سے نزولِ رحمت مراد ہے۔

3 اگر سلف کے زمانے میں ایسے فتنے ہوتے تو وہ حضرات بھی متاخرین کی طرح تاویل کرتے۔ اس کی ایک بیّن دلیل یہ ہے کہ سلفؒ کے زمانے میں جہاں خال خال فتنے اُٹھتے تو ان کے سامنے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لے کر تبع تابعینؒ تک حضرات سے تاویل تفصیلی ثابت ہے۔

4 صفات خبریہ کی تفسیر اس طرح کرنا جو خالق اور مخلوق کے درمیان مشابہت کی مقتضی ہو، یہ تو مشبہہ کا مذہب ہے۔
ہماری مراد اس سے یہ ہے کہ صفات خبریہ کی ظاہر کے مطابق تفسیر بیان نہ کی جائے،

یعنی ان کو مجاز کے مقابلہ میں حقیقت پر جاری نہ کیا جائے۔ حقیقت سے ہماری مراد یہی ہے، جو اہل لغت کے ہاں مشہور و معروف ہے یعنی اس لفظ کے معنی کے لحاظ سب سے پہلے ذہن جس طرف منتقل ہو۔ پس لفظ عین (آنکھ) سے سننے والے کا ذہن عضو معروف یعنی ظاہری آنکھ کی طرف ہی جائے گا۔ اسی طرح لفظ ''ید'' (ہاتھ)، ''ساق'' (پنڈلی) وغیرہ ہیں۔ ان کے علاوہ باقی سب معانی مجاز کے طور پر ہیں۔

5 لہٰذا جس نے اللہ تعالیٰ کی ذات سے اعضاء، تجسیم اور ترکیب کی نفی کر دی۔ پھر یہ کہا کہ صفات خبریہ کے نصوص اپنے ظاہر پر ہیں۔ تو اس کے اور ہمارے درمیان عقیدہ کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں ہے۔ اس لیے کہ اس نے تنزیہ باری تعالیٰ کو بیان کر دیا ہے۔ ہمارا اختلاف ان سے صرف لغوی ہے کہ انھوں نے جو حقیقت نہیں ہے، اس کو حقیقت کا نام دے دیا ہے۔ یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے۔

6 سلف کی طرف عقیدۂ تفویض کی نسبت دو وجوہ سے ثابت ہیں:

ا سلفِ صالحینؒ کے اقوال خود اس پر دلالت کرتے ہیں۔

۲ قرونِ اولی سے بعد والے اہل علم نے ان سے یہی بات سمجھی ہے۔ انھوں نے اُن کی طرف تفویض کی نسبت کر دی ہے۔

7 جو بعض ائمہ کرامؒ سے ظاہر پر اجراء کا قول منقول ہے، اس سے وہ لفظی ظاہر مراد لیتے ہیں نہ کہ معنی کے لحاظ سے ظاہر کو۔

8 صفات متشابہات یعنی ''ید''، ''ساق'' وغیرہ میں اہل السنت والجماعت معنی کی تفویض کرتے ہیں یعنی ان صفات کے ظاہری معنی تو مراد نہیں اور حقیقی معنی ہمیں معلوم نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہیں۔
غیر مقلدین محض کیفیت کی تفویض کرتے ہیں، یعنی وہ کہتے ہیں کہ ہمیں معنی تو معلوم ہیں مثلاً ''ید'' ہاتھ کو کہتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاتھ کی کیفیت ہمیں معلوم نہیں۔ یہ بنیادی فرق ہے۔

9 اہلِ سنّت والجماعت ان صفات کو حق تعالیٰ کے لیے ثابت تسلیم کرتے ہیں۔ جس طرح یہ صفاتِ متشابہات کتاب وسنّت صحیحہ سے ثابت ہوئی ہیں، ان کو بے چون و چرا

تسلیم کرتے ہیں۔ معتزلہ کی طرح درپے تاویل نہیں ہوتے تاکہ قدریہ اور معتزلہ کی طرح ان صفات متشابہات کا انکار لازم نہ آئے جو کتاب وسنت سے ثابت ہیں اور مشبہہ اور مجسمہ کی طرح یہ نہیں کہتے کہ معاذ اللہ! یہ اللہ تعالیٰ کے اعضاء اور اجزاء ہیں۔ وہ اس طرح نہیں کہتے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر بیٹھا ہے تاکہ مشبہہ کی طرح آیات تنزیہ اور تقدیس کا انکار لازم نہ آئے۔

10 سلف صالحینؒ کے تنزیہ باری تعالیٰ کے دلائل میں سے یہ آیات بھی ہیں:

۱ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ (الشوریٰ:۱۱)

ترجمہ کوئی چیز اُس کے مثل نہیں ہے، اور وہی ہے جو ہر بات سنتا، سب کچھ دیکھتا ہے۔

۲ هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا ۔ (مریم:۶۵)

ترجمہ کیا تمہارے علم میں کوئی اور ہے جو اُس جیسی صفات رکھتا ہو؟

۳ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۔ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۔ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ۔ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۔ (سورت اخلاص:۱ تا ۴)

ترجمہ کہہ دو: ''بات یہ ہے کہ اللہ ہر لحاظ سے ایک ہے۔ اللہ ہی ایسا ہے کہ سب اُس کے محتاج ہیں، وہ کسی کا محتاج نہیں۔ نہ اس کی کوئی اولاد ہے، اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے۔ اور اس کے جوڑ کا کوئی بھی نہیں''۔

۴ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا ۔ (البقرہ:۲۲)

ترجمہ پس اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک نہ ٹھہراؤ۔

11 اللہ تعالیٰ کی صفات وافعال کے متعلق یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہیے کہ نصوصِ قرآن وحدیث میں جو الفاظ حق تعالیٰ کی صفات کے بیان کرنے کے لیے اختیار کیے جاتے ہیں۔ اُن میں اکثر وہ ہیں جن کا مخلوق کی صفات پر بھی استعمال ہوا ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کو ''حی''، ''**سمیع**''، ''**بصیر**''، ''**متکلم**'' کہا گیا ہے اور انسان پر بھی یہ الفاظ اطلاق کیے گئے ہیں، تو ان دونوں مواقع میں استعمال کی حیثیت بالکل جداگانہ ہے۔ کسی مخلوق کو سمیع وبصیر کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے پاس دیکھنے والی آنکھ اور سننے والے کان موجود ہیں۔ اب اس میں دو چیزیں ہوئیں: ایک وہ آلہ جسے ''آنکھ'' کہتے

ہیں اور جو دیکھنے کا مبدا اور ذریعہ بنتا ہے۔ دوسرا اس کا نتیجہ اور غرض وغایت (دیکھنا)، یعنی وہ خاص علم جو رؤیت بصری سے حاصل ہوا۔ مخلوق کو جب ''بصیر'' کہا تو یہ مبدا اور غایت دونوں چیزیں معتبر ہوئیں۔ اور دونوں کی کیفیات ہم نے معلوم کر لیں۔ لیکن یہ لفظ جب اللہ تعالیٰ کی نسبت استعمال کیا گیا، تو یقیناً وہ مبادی اور کیفیاتِ جسمانیہ مراد نہیں ہوسکتیں جو مخلوق کے خواص میں سے ہیں اور جن سے اللہ تعالیٰ قطعاً منزہ ہیں۔ البتہ یہ اعتقاد رکھنا ہوگا کہ ابصار (دیکھنے) کا مبدا اُس کی ذاتِ اقدس میں موجود ہے اور اس کا نتیجہ یعنی وہ علم جو رؤیتِ بصری سے حاصل ہوسکتا ہے، اس کو بدرجۂ کمال حاصل ہے۔ آگے یہ کہ وہ مبدا کیسا ہے؟ اور دیکھنے کی کیا کیفیت ہے؟ تو بجز اس بات کے کہ اُس کا دیکھنا مخلوق کی طرح نہیں ہے، ہم اور کیا کہہ سکتے ہیں؟

لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۔ (الشوریٰ:۱۱)

ترجمہ کوئی چیز اُس کے مثل نہیں ہے، اور وہی ہے جو ہر بات سنتا، سب کچھ دیکھتا ہے۔

نہ صرف سمع وبصر بلکہ اس کی تمام صفات کو اسی طرح سمجھنا چاہیے کہ صفت باعتبار اپنے اصل مبدا وغایت کے ثابت ہے مگر اس کی کوئی کیفیت بیان نہیں کی جاسکتی اور نہ شرائع سماویہ نے اس کا مُکلّف بنایا ہے کہ آدمی اس طرح کے ماورائے عقل حقائق میں غور وخوض کر کے پریشان ہو۔

6 سلفِ صالحینؒ اور متاخرین کا مؤقف ایک ہے

1 اوپر کی بحث سے یہ بات ثابت ہوئی کہ تاویل چاہے تفصیلی ہو یا اجمالی، سلف صالحینؒ کے نزدیک دونوں ثابت ہیں لیکن سلفؒ پر تفویض یعنی تاویل اجمالی غالب ہے جب کہ متاخرین اہل السنت والجماعت پر خطراتِ زمانہ کی وجہ سے تاویل تفصیلی کا رنگ غالب ہے۔

2 یہ بات بھی اچھی طرح ذہن نشین کرنی چاہیے کہ سلفِ صالحینؒ اور متاخرین کے مؤقف قطعاً ایک دوسرے کے متضاد اور مقابل نہیں ہیں۔ عقیدہ تو سلف اور خلف دونوں کا ایک ہی ہے، جس میں بال برابر بھی اختلاف نہیں۔ البتہ زمانے کی تبدیلی

سے جب اہل بدعت اور دشمنانِ اسلام اعتراضات اور شبہات کے نئے نئے طریقے اختیار کرتے گئے تو ان کے مقابلہ میں اہل السنت والجماعت کے علماء کے دفاعی طریقے بھی تبدیل ہوتے گئے تاکہ ترکی بجواب ترکی ہو۔ چنانچہ جب معتزلہ، جہمیہ، قدریہ اور مجسّمہ نے فلسفہ اور منطق کے ذریعے اپنے دلائل علمائے حق کے خلاف استعمال کیے تو علمائے حق نے انہی فنون کو سیکھ کر اور ان میں مہارت تامّہ اور مجتہدانہ صلاحتیں حاصل کر کے ان اہل بدعت کو ان کے فلسفہ ومنطق سے مزخرف دلائل کا منہ توڑ جواب دیا۔

3 خلاصہ یہ ہے کہ زمانے کی تبدیلی کے ساتھ طرقِ دفاع بھی بدلتے گئے۔ ہاں! عقیدہ صیحہ سب کا ایک ہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علماء محققین کہتے ہیں کہ جس طرح صفات میں مذہبِ خلف احکم ہے تو مذہبِ سلف بھی احکم، اسلم اور اتقن ہے۔

(دیکھیے مقدمة على العقيدة النظامية بقلم الامام الكوثری، استحالة المعية بالذات و مايضاهيها من متشابهة الصفات للشيخ محمد الخضر الشنقيطی)

7 جمہور اُمت کے ساتھ وابستہ رہنے کی تاکید

جمہور امت کے ساتھ وابستہ رہنے کی تاکید قرآنِ مجید کی اس آیت سے ثابت ہے:

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ. نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ. وَسَاءَتْ مَصِيْراً.

(النساء:۱۱۵)

ترجمہ اور جو شخص اپنے سامنے ہدایت واضح ہونے کے بعد بھی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مخالفت کرے، اور مومنوں کے راستے کے سوا کسی اور راستے کی پیروی کرے۔ اس کو ہم اسی راہ کے حوالے کر دیں گے جو اس نے خود بنائی ہے، اور اسے دوزخ میں جھونکیں گے، اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔

☆ اس آیت سے علمائے کرامؒ، بالخصوص امام شافعیؒ نے اجماع کی حجیت پر استدلال کیا ہے، یعنی جس مسئلے پر پوری امتِ مسلمہ متفق رہی ہو، وہ یقینی طور پر برحق ہے اور اس

کی مخالفت جائز نہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعت کے ساتھ رہنے کی خصوصی تاکید فرمائی ہے:

حدیث 1:۔ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ اللهَ لَا يَجْمَعُ أُمَّتِي -أَوْ قَالَ: أُمَّةَ مُحَمَّدٍ- عَلٰى ضَلَالَةٍ، وَيَدُ اللهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ، وَمَنْ شَذَّ شَذَّ فِي النَّارِ". رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ.

(مشکوٰۃ رقم ۱۷۳)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میری امت یا فرمایا اُمت محمدیہ کو اللہ تعالیٰ گمراہی پر جمع نہیں کرے گا اور خدا کا ہاتھ جماعت پر ہوتا ہے (یعنی اس کی نصرت وغلبہ یا حفاظت ورحمت)۔ اور فرمایا کہ جو شخص جماعت سے الگ ہو گا وہ جہنم کا مستحق ہو گا۔

تشریح یعنی اسی اعتقاد یا قول وعمل میں جماعتِ علماء سے الگ راستہ اختیار نہ کرے۔ ورنہ جہنمی ہو جائے گا۔ علامہ نے لکھا کہ مراد علماء اُمت کا اجماع ہے، عوام کا نہیں۔

حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ کا معنی یوں لکھتے ہیں:

والشذوذ: الانفراد والتفرد عن الجمهور.

(لمعات شرح مشکوٰۃ ج ۱ ص ۲۳۷)

ترجمہ شذوذ سے مراد جمہور سے علیحدہ ہونا ہے۔

حدیث 2:۔ وَعَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "اتَّبِعُوا السَّوَادَ الْأَعْظَمَ، فَإِنَّهُ مَنْ شَذَّ شَذَّ فِي النَّارِ".

رَوَاهُ [ابْنُ مَاجَهْ مِنْ حَدِيْثِ أَنَسٍ]. (مشکوٰۃ رقم ۱۷۴)

چوتھی روایت میں ہے کہ سوادِ اعظم کا اتباع کرو۔ جو شخص جماعت سے الگ ہو گا وہ جہنم کا مستحق ہو گا۔

تشریح حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

والمراد الحث على اتباع ما عليه الأكثر من علماء المسلمين.

قالوا: وهذا في عقائد. أما في الفروع فيجوز العمل بمن قلد

مذهبه وان لم يجمع عليه. (لمعات شرح مشکوٰۃ ج ۱ ص ۲۳۸)

ترجمہ اور مطلب حدیث کا ترغیب ہے اس مذہب کے اتباع کی جس پر مسلمانوں کے علماء کی اکثریت ہو۔ کہتے ہیں کہ یہ عقائد میں ہے، باقی فروع میں اس شخص کے مذہب پر عمل جائز ہے جس کی تقلید کرتا ہے۔

حدیث 3:۔ عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ الشَّيْطَانَ ذِئْبُ الْإِنْسَانِ كَذِئْبِ الْغَنَمِ يَأْخُذُ الشَّاذَّةَ وَالْقَاصِيَةَ وَالنَّاحِيَةَ. وَإِيَّاكُمْ وَالشِّعَابَ، وَعَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ وَالْعَامَّةِ. رَوَاهُ أَحْمد. (مشکوٰۃ رقم ۱۸۴)

ترجمہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: تحقیق شیطان بھیڑیا ہے آدمی کا مانند بھیڑیئے بکری کے کہ لیتا ہے بکری بھاگنے والی کو ریوڑ سے، اور اس بکری کو کہ دور ہوگئی ہو ریوڑ سے، اور اس بکری کو کہ کنارے پر ہو ریوڑ سے اور بچو تم دروں پہاڑ کی سے۔ اور لازم ہے تم پر جماعت اور مجمع۔

تشریح حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:

والمقصود عدم الخروج والبعد عن الجماعة والجمهور.

(لمعات شرح مشکوٰۃ ج ۱ ص ۲۳۷)

ترجمہ اور مراد حدیث کی یہ ہے کہ انسان جماعت اور جمہور سے نہ نکلے، اور نہ اس سے دور ہو۔

حدیث 4:۔ عَنْ أَبِي ذَرٍّ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ شِبْرًا فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَةَ الْإِسْلَامِ مِنْ عُنُقِهِ.

(سنن ابی داؤد رقم ۴۷۵۸؛ علامہ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے)

ترجمہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو جماعت سے ایک بالشت بھی جدا ہوا، تو اس نے اسلام کا جوا اپنی گردن سے نکال پھینکا۔

تشریح علامہ خطابیؒ فرماتے ہیں:

''ربقہ'' وہ طوق وغیرہ ہے جو جانور کی گردن میں ڈالتے ہیں تا کہ وہ آوارہ نہ ہوجائے۔ جس طرح یہ طوق گردن سے نکال کر جانور آوارہ ہوجاتا ہے اور اس کی ہلاکت اور ضائع ہوجانے کا خوف ہوتا ہے۔ اسی طرح جماعت کی اطاعت و مرکزیّت اور ان کے متفق علیہ طریقے سے ہٹ جانے والا شخص بھی آوارہ اور ہلاک ہوجاتا ہے۔ (معالم السنن، ج ۴ ص ۳۳۴)

جماعت سے مراد جناب رسول اللہ ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہم کی جماعت ہے۔ ان کا متفق علیہ اور اجماعی طریقہ ہی نجات کا باعث ہے، نہ یہ کہ ہر بدعتی ٹولہ جو اصل جماعت سے الگ ہو کر ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنانے اور ''جماعت'' کہلانے لگے۔ اس حدیث میں جماعت سے علیحدہ ہوجانے والوں کی شدید مذمت کی گئی ہے۔

حدیث 5:۔ سنن ابی داؤد میں ہے:

حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ خَالِدِ بْنِ يَزِيدَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَوْهَبٍ الْهَمْدَانِيُّ، حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، أَنَّ أَبَا إِدْرِيسَ الْخَوْلَانِيَّ عَائِذَ اللهِ، أَخْبَرَهُ أَنَّ يَزِيدَ بْنَ عُمَيْرَةَ. وَكَانَ مِنْ أَصْحَابِ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ أَخْبَرَهُ قَالَ: كَانَ لَا يَجْلِسُ مَجْلِسًا لِلذِّكْرِ حِينَ يَجْلِسُ إِلَّا قَالَ: اللهُ حَكَمٌ قِسْطٌ، هَلَكَ الْمُرْتَابُونَ. فَقَالَ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ يَوْمًا: "إِنَّ مِنْ وَرَائِكُمْ فِتَنًا يَكْثُرُ فِيهَا الْمَالُ، وَيُفْتَحُ فِيهَا الْقُرْآنُ حَتَّى يَأْخُذَهُ الْمُؤْمِنُ وَالْمُنَافِقُ، وَالرَّجُلُ، وَالْمَرْأَةُ، وَالصَّغِيرُ، وَالْكَبِيرُ، وَالْعَبْدُ، وَالْحُرُّ، فَيُوشِكُ قَائِلٌ أَنْ يَقُولَ: مَا لِلنَّاسِ لَا يَتَّبِعُونِي وَقَدْ قَرَأْتُ الْقُرْآنَ؟ مَا هُمْ بِمُتَّبِعِيَّ حَتَّى أَبْتَدِعَ لَهُمْ غَيْرَهُ، فَإِيَّاكُمْ وَمَا ابْتُدِعَ، فَإِنَّ مَا ابْتُدِعَ ضَلَالَةٌ، وَأُحَذِّرُكُمْ زَيْغَةَ الْحَكِيمِ، فَإِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْ يَقُولُ كَلِمَةَ الضَّلَالَةِ عَلَى لِسَانِ الْحَكِيمِ، وَقَدْ يَقُولُ الْمُنَافِقُ كَلِمَةَ الْحَقِّ". قَالَ: قُلْتُ لِمُعَاذٍ: مَا يُدْرِينِي رَحِمَكَ اللهُ أَنَّ الْحَكِيمَ قَدْ يَقُولُ كَلِمَةَ الضَّلَالَةِ وَأَنَّ الْمُنَافِقَ قَدْ يَقُولُ كَلِمَةَ الْحَقِّ؟ قَالَ: بَلَى، اجْتَنِبْ مِنْ كَلَامِ الْحَكِيمِ الْمُشْتَهِرَاتِ الَّتِي يُقَالُ لَهَا مَا هَذِهِ، وَلَا

يُثْنِيَنَّكَ ذٰلِكَ عَنْهُ، فَإِنَّهُ لَعَلَّهُ أَنْ يُرَاجِعَ، وَتَلَقَّ الْحَقَّ إِذَا سَمِعْتَهُ فَإِنَّ عَلَى الْحَقِّ نُورًا"۔

(سنن ابی داؤد: کتاب السنة: باب: من دعا الی السنة: رقم ۴۶۱۱؛ قال الالبانی: صحيح الاسناد موقوف، ص ۸۳۳ طبع بتحقيق الألباني: مكتبة المعارف للنشر والتوزيع، الرياض)

ترجمہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے شاگردوں میں حضرت یزید بن عمیرہؒ فرماتے ہیں کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ جب کسی ذکر و وعظ کی مجلس میں بیٹھتے تو کہتے: اللہ تعالیٰ عادل اور حاکم ہیں۔ شک وشبہ کرنے والے ہلاک ہوگئے۔ ایک دن حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تمہارے آگے فتنے آئیں گے، جن میں مال کثرت سے ہوگا اور قرآن کھولا جائے گا۔ اسے مؤمن اور منافق، مرد اور عورت، چھوٹا اور بڑا، غلام اور آزاد حاصل کرے گا (یعنی اس کے الفاظ کا علم عام ہوگا)۔ پس ممکن ہے کہ کوئی کہنے والا کہے: لوگ میرا اتباع نہیں کرتے، حالانکہ میں نے قرآن پڑھا ہے؟ وہ میرا اتباع کرنے والے نہیں جب تک کہ میں ان کے لیے کوئی اور چیز قرآن کے سوا نہ نکالوں۔ پس تم بدعتوں سے بچ کر رہو کیونکہ بدعت گمراہی ہے، اور میں تمہیں دانا شخص کی کج روی سے ڈراتا ہوں کیونکہ شیطان کبھی گمراہی کا حکم دانا شخص کی زبان سے ادا کراتا ہے اور بعض دفعہ منافق بھی حق بات کہتا ہے۔ حضرت یزید بن عمیرہؒ نے کہا: اللہ تعالیٰ آپ رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائے! مجھے کیوں کر پتہ چلے گا کہ حکیم آدمی بھی کبھی ضلالت (گمراہی) کا حکم دیتا ہے اور منافق کبھی حق کی بات کہتا ہے؟ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیوں نہیں؟ حکیم کی باتوں میں سے ان شہرت یافتہ باتوں سے بچ جن کے متعلق کہا جائے کہ یہ کیا باتیں ہیں؟ (یعنی علماء ان کا انکار اور رد کریں) اور یہ باتیں تجھے اس سے پھیر نہ دیں کیونکہ ممکن ہے وہ رجوع کرے۔ اور حق کو جب تو سنے تو اسے حاصل کرلے کیونکہ حق میں روشنی ہوتی ہے۔

تنبیہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے کیسی سچی بات کہی ہے۔ اگر ہم تقلید کا قلادہ پہن لیں تو ہم اس سے مامون نہیں ہوسکتے کہ کوئی کافر ہمارے پاس اپنے دین کی کوئی بہت ہی معظم

بات لے آئے اور وہ آکر کہے: حق اس بات سے پہچان لو۔

8 اجماعِ اُمت کی حجیت

لغت میں ''اجماع'' متفق ہونے کو کہتے ہیں۔ لغوی معنی کے اعتبار سے اتفاق اور اجماع ایک ہی چیز ہے، مگر اصطلاحِ شریعت میں ایک خاص قسم کے اتفاق کو ''اجماع'' کہا جاتا ہے، جس کی تعریف یہ ہے:

1 "الْإِجْمَاعُ عِبَارَةٌ عَنِ اتِّفَاقِ جُمْلَةِ أَهْلِ الْحَلِّ وَالْعَقْدِ مِنْ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ فِي عَصْرٍ مِنَ الْأَعْصَارِ عَلَى حُكْمِ وَاقِعَةٍ مِنَ الْوَقَائِعِ"۔

(الإحكام في أصول الأحكام، ج ۱ ص ۱۹۶۔ المؤلف: أبو الحسن سيد الدين علي بن أبي علي بن محمد بن سالم الثعلبي الآمدي رحمہ اللہ (المتوفى ۶۳۱ھ)۔ المحقق: عبد الرزاق عفيفي۔ الناشر: المكتب الإسلامي، بيروت، دمشق)

ترجمہ جنابِ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد کسی زمانہ کے تمام فقہاء ومجتہدین کا کسی حکمِ شرعی پر متفق ہوجانا ''اجماع'' ہے۔

2 علامہ محمد عبد الغنی الباجقنیؒ فرماتے ہیں:

الإجماع: هو اتفاق مجتهدي الأمة بعد وفاة رسول الله ﷺ في عصر (طال أو قصر) على حكم شرعي۔

وهو حجة قطعية وتحرم مخالفته لقوله تعالى: "ومن يشاقق الرسول من بعد ما تبين له الهدى ويتبع غير سبيل المؤمنين نوله ما تولى ونصله جهنم وساءت مصيراً"۔

فمن اتبع غير سبيل المؤمنين اندرج في هذا الوعيد الشديد لأن ما أجمعوا عليه من قول أو فعل لا شك في أنه سبيلهم ولا شك في أنه سبيل هدى لأنهم لا يجتمعون على ضلالة وكل سبيل غيره سبيل ضلال لا يتبعه إلا ضال منشق عن جماعة المؤمنين۔ ولقوله ﷺ: "إن أمتي لا تجتمع على ضلالة"۔ وقوله: "يد

الله مع الجماعة ومن شذ شذ إلى النار. وقوله: "إن الله أجاركم من ثلاث خِلال: أن لا يدعو عليكم نبيكم فتهلكوا جميعاً وأن لا يظهر أهل الباطل على أهل الحق وأن لا تجتمعوا على ضلالة".
ولأحاديث أخرى متواترة المعنى تتضمن عصمة الأمة المحمدية من الضلال ومن الخطأ فيما تجتمع عليه رواها كبار الصحابة كعمر بن الخطاب وعبد الله بن عمر وعبد الله بن مسعود وأبي هريرة وأبي سعيد الخدري وحذيفة بن اليمان.

(الوجيز الميسر في أصول الفقه المالكي، ص ۱۳۰، ۱۳۱۔ تأليف: محمد عبد الغني الباجقني۔ الطبعة الثالثة: ۲۰۰۵ء)

ترجمہ اجماع یہ ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد کسی ایک زمانہ میں (چاہے وہ عہد قریب ہو یا بعید) اُمت کے مجتہدین کا کسی شرعی معاملہ میں اتفاق ہے۔

دلیل شرعیہ میں سے یہ قطعی حجت ہے۔ اس کی مخالفت حرام ہے۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان مبارک ہے:

وَمَن يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ۔ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ۔ وَسَاءَتْ مَصِيرًا۔
(النساء: ۱۱۵)

ترجمہ اور جو شخص اپنے سامنے ہدایت واضح ہونے کے بعد بھی رسول اللہ (ﷺ) کی مخالفت کرے، اور مومنوں کے راستے کے سوا کسی اور راستے کی پیروی کرے۔ اس کو ہم اسی راہ کے حوالے کر دیں گے جو اس نے خود بنائی ہے، اور اسے دوزخ میں جھونکیں گے، اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔

لہٰذا جس شخص نے بھی مؤمنین کے راستے کے علاوہ کوئی اور راستہ اختیار کیا تو وہ اس قرآنی وعید میں داخل ہو گیا۔ اس لیے کہ جس قول یا فعل پر مجتہدین اُمت جمع ہو جائیں تو لازماً وہی مؤمنین کا راستہ ہوتا ہے۔ یقیناً یہی ہدایت کا راستہ ہے۔ اس لیے

کہ اُمت کے تمام مجتہدین گمراہی پر جمع نہیں ہو سکتے۔ ہر وہ راستہ جو اس کے علاوہ ہوگا، وہ گمراہی والا ہوگا۔ لہٰذا اس راستے پر وہی چلے گا جو گمراہ اور مؤمنین کی جماعت سے جدا ہونے والا ہوگا۔

اس کی دلیل حضور اکرم ﷺ کے یہ فرامین مبارکہ ہیں:

1 حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

إن أمتي لا تجتمع على ضلالة۔

(رواه ابن ماجه عن أنس بن مالك ورواه عنه الدارقطني في الافراد۔ وقال السخاوي في المقاصد الحسنة بعد كلام طويل: وبالجملة فهو حديث مشهور المتن ذو أسانيد كثيرة وشواهد متعددة)

ترجمہ میری اُمت (کے مجتہدین) گمراہی پر جمع نہیں ہو سکتے۔

2 حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

لا تجتمع أمتي على ضلالة۔ ويد الله مع الجماعة۔ ومن شذ شذ إلى النار۔ (رواه الترمذي عن ابن عباس)

ترجمہ میری اُمت (کے مجتہدین) گمراہی پر جمع نہیں ہو سکتے۔ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ جماعت پر ہے۔ جو بھی جماعت سے الگ ہو گیا، تو وہ الگ ہو کر دوزخ میں پہنچ گیا۔

3 حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَوْفٍ الطَّائِيُّ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنِي أَبِي، قَالَ ابْنُ عَوْفٍ: وَقَرَأْتُ فِي أَصْلِ إِسْمَاعِيلَ، قَالَ: حَدَّثَنِي ضَمْضَمٌ، عَنْ شُرَيْحٍ، عَنْ أَبِي مَالِكٍ يَعْنِي الْأَشْعَرِيَّ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ اللَّهَ أَجَارَكُمْ مِنْ ثَلَاثِ خِلَالٍ: أَنْ لَا يَدْعُوَ عَلَيْكُمْ نَبِيُّكُمْ فَتَهْلَكُوا جَمِيعًا، وَأَنْ لَا يَظْهَرَ أَهْلُ الْبَاطِلِ عَلَى أَهْلِ الْحَقِّ، وَأَنْ لَا تَجْتَمِعُوا عَلَى ضَلَالَةٍ".

(سنن ابی داؤد رقم ۴۲۵۳؛ طبرانی نے بھی اس کو روایت کیا ہے)

ترجمہ حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: "اللہ تعالیٰ نے تم کو تین چیزوں سے اپنی حفاظت میں رکھا ہے: تمہارا نبی

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہارے خلاف دعا نہیں مانگے گا کہ تم سب ہلاک ہو جاؤ۔ اہل باطل، اہل حق کے خلاف چڑھائی کر کے ان کو ختم نہیں کریں گے۔ تم گمراہی پر جمع نہیں ہو سکو گے''۔

مذکورہ بالا احادیث کے علاوہ دوسری احادیث بھی ہیں جن کا قدر مشترک مضمون متواتر ہے۔ ان سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ مجتہدین اُمت محمدیہ کا اجماع گمراہی اور خطا سے معصوم ہے۔ ان احادیث کو کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے روایت کیا ہے جیسے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ اور حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ۔

☆ یہ ''اجماع'' فقہ کا تیسرا ماخذ اور احکامِ شرعیہ کے چار دلائل میں سے ایک ہے۔

(نوادر الفقہ ص ۷۳۔ المؤلف: مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ)

1 قرآن سے حجیتِ اجماع کا ثبوت

آیت 1 وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ۔ (البقرہ:۱۴۳)

ترجمہ اور (مسلمانو!) اِسی طرح تو ہم نے تم کو ایک اُمت معتدل بنایا ہے تاکہ تم دوسرے لوگوں پر گواہ بنو، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم پر گواہ بنے۔

☆ علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں:

وَفِيهِ دَلِيلٌ عَلَى صِحَّةِ الْإِجْمَاعِ وَوُجُوبِ الْحُكْمِ بِهِ, لِأَنَّهُمْ إِذَا كَانُوا عُدُولًا شَهِدُوا عَلَى النَّاسِ. فَكُلُّ عَصْرٍ شَهِيدٌ عَلَى مَنْ بَعْدَهُ, فَقَوْلُ الصَّحَابَةِ حُجَّةٌ وَشَاهِدٌ عَلَى التَّابِعِينَ, وَقَوْلُ التَّابِعِينَ عَلَى مَنْ بَعْدَهُمْ. وَإِذْ جُعِلَتِ الْأُمَّةُ شُهَدَاءَ فَقَدْ وَجَبَ قَبُولُ قَوْلِهِمْ.

(الجامع لأحكام القرآن = تفسير القرطبي، ج ۲ ص ۱۵۶۔ المؤلف: أبو عبد الله محمد بن أحمد بن أبي بكر بن فرح الأنصاري الخزرجي شمس الدين القرطبي (المتوفى ۶۷۱ھ)۔ تحقيق: أحمد البردوني وإبراهيم أطفيش۔ الناشر: دار الكتب المصرية، القاهرة۔ الطبعة: الثانية، ۱۳۸۴ھ)

ترجمہ یہ آیت اجماعِ اُمت کے حجت ہونے پر ایک دلیل ہے کیونکہ جب اُمت کو اللہ تعالیٰ نے شہداء قرار دے کر دوسری اُمتوں کے بالمقابل ان کی بات کو حجت بنا دیا تو ثابت ہوا کہ اس اُمت کا اجماع حجت ہے اور اس پر عمل واجب ہے۔

☆ علامہ مظہریؒ فرماتے ہیں:

واستدل به على حجية الإجماع لان بطلان ما اجمعوا عليه ينافي عدالتهم..........فاطلاق الامة الأوسط عليهم يدل على ان شرائع دينهم وخصائلهم المتفقة عليها كلها محمودة فعلى تقدير وقوع الخطاء في إجماعهم وان كانوا معذورين في ذلك غير متصفين بالفسق لكن بعض خصائلهم المتفق عليها مذموم البتة فكيف يكون خصائلهم كلها محمودة. والله اعلم.

(التفسير المظهري، ج ۱ ص ۲۴۹۔ المؤلف: المظهري، محمد ثناء الله (المتوفى ۱۲۲۵ھ)۔ المحقق: غلام نبي التونسي۔ الناشر: مكتبة الرشدية، الباكستان۔ الطبعة ۱۴۱۲ھ)

ترجمہ اس آیت سے ثابت ہوا کہ اس اُمت کے جو افعال و اعمال متفق علیہ ہیں وہ سب محمود و مقبول ہیں کیونکہ اگر سب کا اتفاق کسی خطا پر تسلیم کیا جائے، پھر یہ کہنے کے کوئی معنی نہیں رہتے کہ یہ اُمت وسط اور عدل ہے۔

☆ علامہ جصاص رازیؒ فرماتے ہیں:

وَفِي هٰذِهِ الْآيَةِ دَلَالَةٌ عَلَى صِحَّةِ إِجْمَاعِ الْأُمَّةِ مِنْ وَجْهَيْنِ: أَحَدُهُمَا وَصْفُهُ إِيَّاهَا بِالْعَدَالَةِ وَأَنَّهَا خِيَارٌ وَذٰلِكَ يَقْتَضِي تَصْدِيقَهَا وَالْحُكْمَ بِصِحَّةِ قَوْلِهَا وَنَافٍ لِإِجْمَاعِهَا عَلَى الضَّلَالِ وَالْوَجْهُ الْآخَرُ قَوْلُهُ: "لِتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ" بِمَعْنَى الْحُجَّةِ عَلَيْهِمْ كَمَا أَنَّ الرَّسُولَ لَمَّا كَانَ حُجَّةً عَلَيْهِمْ وَصَفَهُ بِأَنَّهُ شَهِيدٌ عَلَيْهِمْ. وَلَمَّا جَعَلَهُمُ اللّٰهُ تَعَالَى شُهَدَآءَ عَلَى غَيْرِهِمْ فَقَدْ حَكَمَ لَهُمْ بِالْعَدَالَةِ وَقَبُولِ الْقَوْلِ لِأَنَّ شُهَدَاءَ اللّٰهِ تَعَالَى لَا يَكُونُونَ كُفَّارًا وَلَا ضُلَّالًا. فَاقْتَضَتِ الْآيَةُ

أَنْ يَكُونُوا شُهَدَاءَ فِي الْآخِرَةِ عَلَى مَنْ شَاهَدُوا فِي كُلِّ عَصْرٍ بِأَعْمَالِهِمْ دُونَ مَنْ مَاتَ قَبْلَ زَمَنِهِمْ كَمَا جُعِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَهِيدًا عَلَى مَنْ كَانَ فِي عَصْرِهِ هٰذَا إِذَا أُرِيدَ بِالشَّهَادَةِ عَلَيْهِمْ بِأَعْمَالِهِمْ فِي الْآخِرَةِ۔ فَأَمَّا إِذَا أُرِيدَ بِالشَّهَادَةِ الْحُجَّةُ فَذٰلِكَ حُجَّةٌ عَلَى من شاهد وهم مِنْ أَهْلِ الْعَصْرِ الثَّانِي وَعَلَى مَنْ جَاءَ بَعْدَهُمْ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ كَمَا كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حُجَّةً عَلَى جَمِيعِ الْأُمَّةِ أَوَّلِهَا وَآخِرِهَا وَلِأَنَّ حُجَّةَ اللّٰهِ إِذَا ثَبَتَتْ فِي وَقْتٍ فَهِيَ ثَابِتَةٌ أَبَدًا۔

(أحكام القرآن، ج ا ص ۱۰۹۔ المؤلف: أحمد بن على أبو بكر الرازى الجصاص الحنفى علیہ الرحمۃ (المتوفى ۳۷۰ھ)۔ المحقق: محمد صادق القمحاوى -عضو لجنة مراجعة المصاحف بالأزهر الشريف۔ الناشر: دار إحياء التراث العربى، بيروت۔ تاريخ الطبع ۱۴۰۵ھ)

ترجمہ اس آیت میں اس بات کی دلیل ہے کہ ہر زمانے میں مسلمانوں کا اجماع معتبر ہے۔ اجماع کا حجت ہونا صرف قرنِ اوّل یا کسی خاص زمانے کے ساتھ مخصوص نہیں کیونکہ آیت میں پوری اُمت کو خطاب ہے اور اُمت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صرف وہ نہ تھے جو اُس زمانے میں تھے بلکہ قیامت تک آنے والی نسلیں جو مسلمان ہیں وہ سب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت ہیں۔ تو ہر زمانے کے مسلمان شہداء اللہ ہو گئے جن کا قول حجت ہے۔ وہ سب کسی خطا اور غلطی پر متفق نہیں ہو سکتے۔

☆ حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ اس آیت کے تحت فرماتے ہیں:

معلوم ہوا کہ اس امت کے جو اقوال و افعال متفقہ طور پر ہوں وہ سب اللہ تعالیٰ کے نزدیک درست اور حق ہیں کیونکہ اگر سب کا اتفاق کسی غلط بات پر تسلیم کیا جائے تو اس ارشاد کے کوئی معنی نہیں رہتے کہ: ''یہ اُمت نہایت اعتدال پر ہے''۔ نیز اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس امت کو گواہ قرار دے کر دوسرے لوگوں پر اس کی بات کو حجت قرار دیا ہے۔ اس سے بھی یہی ثابت ہوا کہ اس اُمت کا اجماع حجت ہے۔

(نوادر الفقہ ص ۷۳۔ المؤلف: مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ)

آیت 2 وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى۔ وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ۔ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا۔

(النساء: ۱۱۵)

ترجمہ اور جو شخص اپنے سامنے ہدایت واضح ہونے کے بعد بھی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی مخالفت کرے، اور مومنوں کے راستے کے سوا کسی اور راستے کی پیروی کرے۔ اس کو ہم اسی راہ کے حوالے کر دیں گے جو اس نے خود بنائی ہے، اور اسے دوزخ میں جھونکیں گے، اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔

☆ حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ اس آیت کی تفسیر میں بیان فرماتے ہیں:

اس آیت میں دو چیزوں کا جرمِ عظیم اور دخولِ جہنم کا سبب ہونا بیان فرمایا ہے۔ ایک مخالفتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اور یہ ظاہر ہے کہ مخالفتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کفر اور وبالِ عظیم ہے۔ دوسرے جس کام پر سب مسلمان متفق ہوں، اُسے چھوڑ کر ان کے خلاف کوئی راستہ اختیار کرنا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اجماعِ اُمت حجت ہے، یعنی جس طرح قرآن وسنت کے بیان کردہ احکام پر عمل کرنا واجب ہوتا ہے، اسی طرح اُمت کا اتفاق جس چیز پر ہو جائے اس پر بھی عمل کرنا واجب ہے اور اُس کی مخالفت گناہِ عظیم ہے جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا:

''يَدُ اللّٰهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ، وَمَنْ شَذَّ شَذَّ فِي النَّارِ''

یعنی جماعت پر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے اور جو شخص جماعتِ مسلمین سے علیحدہ ہوگا، وہ علیحدہ کر کے جہنم میں ڈالا جائے گا۔

حضرت امام شافعیؒ نے مذکورہ آیت کو علماء کے سامنے بیان کیا تو سب نے اقرار کیا کہ اجماع کی حجیت پر یہ دلیل کافی ہے۔

(معارف القرآن ج ۲ ص ۵۴۶)

☆ حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ اس آیت کے تحت فرماتے ہیں:

معلوم ہوا کہ اُمت کے متفقہ فیصلے (اجماع) کی مخالفت گناہِ عظیم ہے۔

(نوادر الفقہ ص ۷۶۔ المؤلف: مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ)

2 علمائے اُمت کے تفسیری اقوال

۱ حضرت امام ابراہیم بن موسیٰ بن محمد الشاطبیؒ (المتوفی ۷۹۰ھ) فرماتے ہیں:

ثُمَّ إِنَّ عَامَّةَ الْعُلَمَاءِ اسْتَدَلُّوا بِهَا عَلَى كَوْنِ الْإِجْمَاعِ حُجَّةً وَأَنَّ مُخَالِفَهُ عَاصٍ، وَعَلَى أَنَّ الِابْتِدَاعَ فِي الدِّينِ مَذْمُومٌ۔

(الموافقات، ج ۴ ص ۳۸۔ المؤلف: إبراهيم بن موسى بن محمد اللخمي الغرناطي الشهير بالشاطبي رحمه الله (المتوفى ۷۹۰ھ)۔ المحقق: أبو عبيدة مشهور بن حسن آل سلمان۔ الناشر: دار ابن عفان۔ الطبعة: الطبعة الأولى ۱۴۱۷ھ)

ترجمہ پھر عام علمائؒ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ اجماع حجت ہے اور اس کا مخالف گناہ گار ہے۔ اور یہ استدلال بھی کیا ہے کہ دین میں بدعت نکالنا مذموم ہے۔

۲ حضرت امام بقاعیؒ فرماتے ہیں:

وهذه الآية دالة على أن الإجماع حجة لأنه لا يتوعد إلا على مخالفة الحق۔

(نظم الدرر في تناسب الآيات والسور، ج ۵ ص ۴۰۲۔ المؤلف: إبراهيم بن عمر بن حسن الرباط بن علي بن أبي بكر البقاعي (المتوفى ۸۸۵ھ)۔ الناشر: دار الكتاب الإسلامي، القاهرة)

ترجمہ یہ آیت دلیل ہے کہ اجماع اُمت حجت ہے۔ اس لیے کہ دوزخ کی وعید توحق کی مخالفت پر ہی ہوتی ہے۔

۳ حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:

وَقَوْلُهُ: "وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ" هَذَا مُلَازِمٌ لِلصِّفَةِ الْأُولَى، وَلَكِنْ قَدْ تَكُونُ الْمُخَالَفَةُ لِنَصِّ الشَّارِعِ، وَقَدْ تَكُونُ لِمَا أَجْمَعَتْ عَلَيْهِ الْأُمَّةُ الْمُحَمَّدِيَّةُ، فِيمَا عُلِمَ اتِّفَاقُهُمْ عَلَيْهِ تَحْقِيقًا، فَإِنَّهُ قَدْ

ضُمِنَتْ لَهُمُ الْعِصْمَةُ فِي اجْتِمَاعِهِمْ مِنَ الْخَطَأِ، تشريفًا لهم وتعظيما لنبيهم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. وَقَدْ وَرَدَتْ فِي ذَلِكَ أَحَادِيثُ صَحِيحَةٌ كَثِيرَةٌ، قَدْ ذَكَرْنَا مِنْهَا طَرَفًا صَالِحًا فِي كِتَابِ "أَحَادِيثِ الْأُصُولِ"، وَمِنَ الْعُلَمَاءِ مَنِ ادَّعَى تَوَاتُرَ مَعْنَاهَا، وَالَّذِي عَوَّلَ عَلَيْهِ الشَّافِعِيُّ، رَحِمَهُ اللهُ، فِي الِاحْتِجَاجِ عَلَى كَوْنِ الْإِجْمَاعِ حُجَّةً تَحْرُمُ مُخَالَفَتُهُ هَذِهِ الْآيَةُ الْكَرِيمَةُ، بَعْدَ التَّرَوِّي وَالْفِكْرِ الطَّوِيلِ۔

(تفسير القرآن العظيم، ج ۲ ص ۴۱۲، ۴۱۳۔ المؤلف: أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير القرشي البصري ثم الدمشقي (المتوفى ۷۷۴ھ)۔ المحقق: سامي بن محمد سلامة۔ الناشر: دار طيبة للنشر والتوزيع۔ الطبعة: الثانية ۱۴۲۰ھ)

ترجمہ "وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ" (النساء: ۱۱۵) (اور جو شخص مؤمنوں کے راستے کے سوا کسی اور راستے کی پیروی کرے)۔ اس کا عطف بھی پہلی صفت ہدایت پر ہے۔ مخالفت کبھی تو نصِ شارع کی ہوتی ہے اور کبھی اُمت محمدیہ کے اجماع کی ہوتی ہے۔ ان مسائل میں جن میں تحقیقی طور پر ان کا اتفاق ہوتا ہے۔ اس آیت میں یہ مسئلہ بھی موجود ہے کہ امت محمدیہ اجتماعی طور پر خطا سے پاک ہے۔ اس میں ان کے نبی ﷺ کی عزت وتکریم ہے۔ اس بارے میں بہت سی احادیث بھی موجود ہیں جن کو میں نے اپنی کتاب: ''احادیث الاصول'' میں بیان کر دیا ہے۔ بہت سے علمائے کرامؒ نے ان احادیث کے تواتر معنوی کا بھی دعویٰ کیا ہے۔ حضرت امام شافعیؒ نے طویل غور وفکر کے بعد اس آیت سے اجماعِ اُمت کی دلیل پکڑی ہے جس کی مخالفت حرام ہے۔ یہ استنباط بہت ہی احسن اور قوی ہے۔

۴ قاضی بیضاویؒ فرماتے ہیں:

والآية تدل على حرمة مخالفة الإجماع، لأنه سبحانه وتعالى رتب الوعيد الشديد على المشاقة واتباع غير سبيل المؤمنين۔

(أنوار التنزيل وأسرار التأويل، ج ۲ ص ۹۷۔ المؤلف: ناصر الدين أبو سعيد عبد الله بن عمر بن محمد الشيرازي البيضاوي (المتوفى ۶۸۵ھ)۔ المحقق: محمد

عبد الرحمن المرعشلي۔ الناشر: دار إحياء التراث العربي، بيروت۔ الطبعة: الأولى ١٤١٨ھ)

ترجمہ یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ اجماع کی مخالفت حرام ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے بڑی ہی شدید وعید اس پر بیان فرمائی ہے جو ہدایت کی مخالفت کرتا ہے اور مؤمنین کے راستہ کے علاوہ کوئی اور راستہ اختیار کرتا ہے۔

۵ فقیہ ابواللیث نصر بن محمد السمر قندیؒ (المتوفی ۳۷۳ھ) اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

وفي الآية دليل إن الإجماع حجة، لأن من خالف الإجماع فقد خالف سبيل المؤمنين۔

(بحر العلوم، ج ۱ ص ۳۳۸۔ المؤلف: أبو الليث نصر بن محمد بن أحمد بن إبراهيم السمرقندي (المتوفى ۳۷۳ھ)

ترجمہ آیت میں اس پر دلیل ہے کہ اجماعِ اُمت حجت ہے کیونکہ جس نے اجماع کی مخالفت کی تو اس نے سبیل المؤمنین کی مخالفت کی۔

3 حدیث سے اجماعِ اُمت کی حجیت

علمائے اُمت نے اجماع کی حجیت کا استدلال جن احادیث مبارکہ سے کیا ہے، ان میں سے دو حدیثیں یہاں درج کرتے ہیں:

1 حَدَّثَنِي هَارُونُ بْنُ عَبْدِ اللهِ، وَحَجَّاجُ بْنُ الشَّاعِرِ، قَالَا: حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مُحَمَّدٍ، قَالَ: قَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ: أَخْبَرَنِي أَبُو الزُّبَيْرِ، أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ، يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي يُقَاتِلُونَ عَلَى الْحَقِّ ظَاهِرِينَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ"

(مسلم رقم ۱۹۲۳: ۱۷۳، ترقیم فؤاد عبد الباقی؛ مسلم ج ۲ ص ۱۴۳ طبع قدیمی کتب خانہ، کراچی)

ترجمہ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے جناب رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ ﷺ فرما رہے تھے: "میری اُمت کا ایک گروہ (قربِ) قیامت حق

کی سربلندی کے ساتھ قتال کرتا رہے گا"۔

استدلال: اس حدیث میں کہا گیا ہے کہ قیامت تک ہر زمانے میں ایک جماعت حق پر قائم رہے گی۔ اب اس زمانے میں اگر کوئی شخص کسی ایسے نظریے کو غلط کہتا ہے جس پر اب تک ساری اُمت متفق چلی آئی ہے۔ تو درحقیقت وہ یہ کہتا ہے کہ اب تک ساری اُمت میں کوئی بھی اس بارے میں حق پر قائم نہیں رہ سکا ہے۔ اور یوں وہ قیامت تک ایک جماعت کے حق پر قائم رہنے کی نبوی پیش گوئی کا انکار کرتا ہے۔

اس پیشین گوئی سے ثابت ہوتا ہے کہ جب بھی ساری اُمت کسی بات پر متفق ہوگی تو وہ بات حق ہی ہوگی۔ اگر وہ بات حق نہ ہوتی تو حق پر قائم رہنے والی یہ جماعتِ حقہ باقی اُمت کے ساتھ اتفاق نہ کرتی۔ اس جماعتِ حقہ کا باقی اُمت کے ساتھ مل کر اتفاق کرنا دلیل ہے کہ اجماع حجت ہے۔

☆ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ اجماع کی حجیت پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اس کی مزید تفصیل اس حدیث سے معلوم ہوجاتی ہے جس میں یہ ارشاد ہے کہ میری اُمت میں ہمیشہ ایک جماعت حق پر قائم رہے گی اور انجام کار وہی غالب رہے گی۔ اس سے بھی واضح ہوگیا کہ پوری اُمت کبھی گمراہی اور غلطی پر جمع نہ ہوگی۔

(معارف القرآن ج ۱ ص ۱۸۵)

☆ حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

اس حدیث میں صراحت ہے کہ مسلمانوں کی ایک جماعت ہر زمانے میں حق پر قائم رہے گی، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اس اُمت کا مجموعہ کبھی کسی گمراہی یا غلط کاری پر متفق نہیں ہوسکتا۔ (نوادر الفقہ ج ۱ ص ۸۴)

☆ شارح مسلم حضرت امام نوویؒ اس حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں:

اس میں اجماع کے حجت ہونے کی دلیل ہے اور حجیتِ اجماع پر جن حدیثوں سے استدلال کیا جاتا ہے، ان میں سب سے زیادہ صحیح حدیث یہی ہے۔

(شرح مسلم ج ۲ ص ۱۴۳ طبع قدیمی کتب خانہ، کراچی)

2 عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ اللهَ لَا يَجْمَعُ أُمَّتِي -أَوْ قَالَ: أُمَّةَ مُحَمَّدٍ- عَلَى ضَلَالَةٍ، وَيَدُ اللهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ، وَمَنْ شَذَّ شَذَّ فِي النَّارِ". رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ.

(مشکوٰۃ رقم ۱۷۳)

ترجمہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میری امت یا فرمایا اُمت محمدیہ کو اللہ تعالیٰ گمراہی پر جمع نہیں کرے گا اور خدا کا ہاتھ جماعت پر ہوتا ہے (یعنی اس کی نصرت وغلبہ یا حفاظت ورحمت)۔ اور فرمایا کہ جو شخص جماعت سے الگ ہوگا وہ جہنم کا مستحق ہوگا۔

3 حَدَّثَنَا أَبُو الْحُسَيْنِ مُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ تَمِيمٍ الْأَصَمُّ، بِبَغْدَادَ، ثنا جَعْفَرُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ شَاكِرٍ، ثنا خَالِدُ بْنُ يَزِيدَ الْقَرْنِيُّ، ثنا الْمُعْتَمِرُ بْنُ سُلَيْمَانَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا يَجْمَعُ اللهُ هَذِهِ الْأُمَّةَ عَلَى الضَّلَالَةِ أَبَدًا". وَقَالَ: "يَدُ اللهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ فَاتَّبِعُوا السَّوَادَ الْأَعْظَمَ، فَإِنَّهُ مَنْ شَذَّ شَذَّ فِي النَّارِ".

(المستدرک علی الصحیحین، ج۱ ص۱۹۹ رقم ۳۹۱ ۔المؤلف: أبو عبد اللہ الحاکم محمد بن عبد اللہ بن محمد بن حمدویہ بن نُعیم بن الحکم الضبی الطهمانی النیسابوری المعروف بابن البیع رحمہ اللہ (المتوفی ۴۰۵ھ)۔ تحقیق: مصطفی عبد القادر عطا۔ الناشر: دار الکتب العلمیة، بیروت۔ الطبعة: الأولی ۱۴۱۱ھ)

ترجمہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میری امت کو اللہ تعالیٰ گمراہی پر کبھی بھی جمع نہیں کرے گا اور خدا کا ہاتھ جماعت پر ہوتا ہے (یعنی اس کی نصرت وغلبہ یا حفاظت ورحمت)۔ اور فرمایا کہ جو شخص جماعت سے الگ ہوگا وہ جہنم کا مستحق ہوگا۔

استدلال: علمائے اُمت نے اس حدیث کے پیش نظر کہا ہے کہ چونکہ ساری اُمت کسی گمراہی پر جمع نہیں ہوسکتی۔ اس لیے اُمت کا اتفاقی مسئلہ حجت ہوگا۔

تنبیہ اس حدیث کے متعدد طرق ہیں۔ سات سندیں تو امام حاکمؒ نے ذکر کی ہیں۔ بعض طرق کی سندیں بہت ہی اعلیٰ درجہ کی صحیح ہیں۔ اگر بالفرض اس حدیث کی ساری سندیں ضعیف بھی ہوں تو بھی مضائقہ نہیں کیونکہ بہت سی ضعیف سندوں والی حدیث تعددِ طرق سے ضعف نکل جاتی ہے۔

☆ حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ حجیتِ اجماع پر دس حدیثیں بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

ان میں سے ہر حدیث الگ الگ اگرچہ متواتر نہ ہو مگر ان سب احادیث کا مشترکہ مضمون جو اجماع کی حجیت کو ثابت کرتا ہے۔ لہٰذا تواتر سے اجماع کا حجت ہونا اور فقہ کے لیے عظیم مآخذ ہونا قرآن وسنت کی روشنی میں روز روشن کی طرح واضح ہے۔

(نوادر الفقہ ج۱ ص۱۰۱)

☆ اس کے ساتھ یہ بھی معلوم رہے کہ تواتر، اسنادی ضعف سے بے نیاز ہوا کرتا ہے۔

اجماع کی حجیت کا انکار غیر مقلد طبقہ میں پایا جاتا ہے۔ مگر اس طبقہ کے متعدد علماء نے زیر بحث کو قابل استدلال تسلیم کیا ہے۔ مثلاً زبیر علی زئی نے مستدرکِ حاکم کی مذکورہ بالا حدیث کو ''سندہ صحیح'' کہا ہے۔ (علمی مقالات ج۵ ص۷۷)

☆ اسی طرح علامہ البانیؒ غیر مقلد نے المعجم الکبیر للطبرانی میں مذکور اس حدیث کی تصحیح کی ہے: ''ھذا اسنادہ صحیح، رجالہ ثقات''۔

(السنة لابن أبی عاصم بتحقیق الألبانی ج۱ ص۸۰)

غیر مقلدین کے یہ دونوں لکھاری حدیث کی تصحیح میں متشدد ہیں، مگر اس کے باوجود انہوں نے حجیتِ اجماع کی اس حدیث کو صحیح تسلیم کیا ہے۔ اور بھی بہت سے غیر مقلد علماء سے اس حدیث کا قابلِ استدلال ہونا ثابت ہے۔ ان میں صلاح الدین یوسف صاحب بھی ہیں۔ (تفسیری حواشی صفحہ از مولانا صلاح الدین یوسف: ۲۵۶)

4 حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ، عَنِ الشَّيْبَانِيِّ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ شُرَيْحٍ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ كَتَبَ إِلَيْهِ: "إِذَا جَاءَكَ شَيْءٌ فِي كِتَابِ اللهِ فَاقْضِ بِهِ، وَلَا يَلْفِتَنَّكَ عَنْهُ الرِّجَالُ، فَإِنْ جَاءَكَ أَمْرٌ لَيْسَ

فِي كِتَابِ اللهِ فَانْظُرْ سُنَّةَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاقْضِ بِهَا، فَإِنْ جَاءَكَ مَا لَيْسَ فِي كِتَابِ اللهِ، وَلَيْسَ فِيهِ سُنَّةٌ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَانْظُرْ مَا اجْتَمَعَ النَّاسُ عَلَيْهِ فَخُذْ بِهِ، فَإِنْ جَاءَكَ مَا لَيْسَ فِي كِتَابِ اللهِ، وَلَمْ يَكُنْ فِيهِ سُنَّةٌ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلَمْ يَتَكَلَّمْ فِيهِ أَحَدٌ قَبْلَكَ فَاخْتَرْ أَيَّ الْأَمْرَيْنِ شِئْتَ: إِنْ شِئْتَ أَنْ تَجْتَهِدَ بِرَأْيِكَ وَتَقَدَّمَ فَتَقَدَّمْ، وَإِنْ شِئْتَ أَنْ تَتَأَخَّرَ فَتَأَخَّرْ، وَلَا أَرَى التَّأَخُّرَ إِلَّا خَيْرًا لَكَ"۔

(الکتاب المصنف فی الأحادیث والآثار، (مصنف ابن ابی شیبہ) ج ۴ ص ۵۴۳ رقم ۲۲۹۹۰۔المؤلف: أبو بکر بن أبی شیبة، عبد اللہ بن محمد بن إبراهیم بن عثمان بن خواستی العبسی (المتوفی ۲۳۵ھ)۔المحقق: کمال یوسف الحوت۔ الناشر: مکتبة الرشد، الریاض۔الطبعة: الأولی، ۱۴۰۹ھ)

ترجمہ حضرت قاضی شریح تابعیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے ہدایات دیتے ہوئے مجھے خط لکھ کر بھیجا: ''جب تیرے پاس کوئی معاملہ آئے جس کا حکم قرآن مجید میں ہو،تو اس کا فیصلہ اسی قرآنی حکم کے مطابق کر دینا اور لوگوں کی باتوں کی طرف توجہ نہ دینا۔ پھر اگر تیرے پاس کوئی ایسا فیصلہ آجائے جس کا حکم کتاب اللہ میں نہ ہو تو پھر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں اس کو دیکھ لینا، اور اسی کے مطابق فیصلہ کر دینا۔ پھر اگر کتاب اللہ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت میں بھی مسئلہ کا حل نہ ملے تو دیکھنا کہ کس بات پر لوگوں کا اجماع ہے، پھر اسے لے لینا۔ پھر اگر تیرے پاس ایسا مسئلہ آجائے جس کا حکم کتاب اللہ، سنّت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نہ ہو اور تجھ سے پہلے اس میں کسی دوسرے کا بھی قول منقول نہ ہو، تو پھر دونوں طریقوں میں سے جو تجھے پسند ہو اس کو اختیار کر لے:

۱ اگر تو چاہے تو اپنی رائے سے اجتہاد کر لے اور معاملے کو آگے چلا لے۔

۲ اگر تو اس معاملے کو مؤخر کرنا چاہے، تو کر لے۔ اور میں تو مؤخر کرنے کو ہی بہتر جانتا ہوں۔

5 حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ، حَدَّثَنَا عَاصِمٌ، عَنْ زِرِّ بْنِ حُبَيْشٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ، قَالَ: "إِنَّ اللهَ نَظَرَ فِي قُلُوبِ الْعِبَادِ، فَوَجَدَ قَلْبَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرَ قُلُوبِ الْعِبَادِ، فَاصْطَفَاهُ لِنَفْسِهِ، فَابْتَعَثَهُ بِرِسَالَتِهِ، ثُمَّ نَظَرَ فِي قُلُوبِ الْعِبَادِ بَعْدَ قَلْبِ مُحَمَّدٍ، فَوَجَدَ قُلُوبَ أَصْحَابِهِ خَيْرَ قُلُوبِ الْعِبَادِ، فَجَعَلَهُمْ وُزَرَاءَ نَبِيِّهِ، يُقَاتِلُونَ عَلَى دِينِهِ، فَمَا رَأَى الْمُسْلِمُونَ حَسَنًا، فَهُوَ عِنْدَ اللهِ حَسَنٌ، وَمَا رَأَوْا سَيِّئًا فَهُوَ عِنْدَ اللهِ سَيِّئٌ۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۷۳۳ رقم ۳۶۰۰ طبع بیت الافکار الدولیہ، اردن ۲۰۱۰ھ؛ مسند الإمام أحمد بن حنبل، ج۶ ص ۸۴ رقم ۳۶۰۰۔المؤلف: أبو عبد اللہ أحمد بن محمد بن حنبل بن هلال بن أسد الشیبانی (المتوفی ۲۴۱ھ)۔ المحقق: شعیب الأرنؤوط، عادل مرشد، وآخرون۔إشراف: د۔ عبد اللہ بن عبد المحسن الترکی۔الناشر: مؤسسة الرسالة۔الطبعة: الأولی، ۱۴۲۱ھ)

تحقیق

مسند احمد کے محققین اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں:

إسناده حسن من أجل عاصم -وهو ابن أبی النجود-، وبقیة رجاله ثقات رجال الشیخین غیر أبی بکر -وهو ابن عیاش-، فمن رجال البخاری، وأخرج له مسلم فی "المقدمة"۔

وأخرجه البزار (۱۳۰) (زوائد)، والطبرانی فی "الکبیر" (۸۵۸۲) من طریق أبی بکر بن عیاش، بهذا الإسناد۔قال البزار: رواه بعضهم عن عاصم، عن أبی وائل، عن عبد اللہؓ۔

وأورده الهیثمی فی "المجمع" (ج۱ ص۱۷۷، ۱۷۸)، ونسبه إلی أحمد والبزار والطبرانی، وقال: رجاله موثقون۔

وأخرجه بنحوه الطیالس (۲۴۶)، ومن طریقه أبو نعیم فی "الحلیة" (ج۱ ص۳۷۵، ۳۷۶)، والطبرانی فی "الکبیر" (۸۵۸۳)، والخطیب فی "الفقیه والمتفقه" (ج۱ ص۱۶۶، ۱۶۷)، والبغوی فی "شرح السنة" (۱۰۵)، من طرق عن المسعودی، عن عاصم، عن أبی وائل، عن عبد اللہؓ۔

وأخرجه الطبرانی فی "الکبیر"(۸۵۹۳) من طریق عبد السلام بن حرب، عن الأعمش، عن أبی وائل، عن عبد اللہؓ۔

ترجمہ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ روایت فرماتے ہیں: بیشک اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں پر نظر فرمائی۔ تو ان میں سب سے بہتر حضرت محمد مصطفی ﷺ کے قلب مبارک کو تمام بندوں کے دلوں سے بہتر پایا۔ تو پھر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو منتخب فرمایا۔ اور آپ ﷺ کو رسالت کے لیے منتخب فرمایا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفی ﷺ کے قلبِ مبارک کے بعد بندوں کے دلوں پر دوبارہ نظر فرمائی۔ تو آپ ﷺ کے صحابہ کرام ؓ کو تمام بندوں کے دلوں سے بہتر پایا۔ تو صحابہ کرام ؓ کو نبی اکرم ﷺ کے وزراء اور مشیر بنایا۔ صحابہ کرام ؓ آپ ﷺ کے دین کے لیے جہاد و قتال کرتے رہے۔ پس جس کام کو مسلمان (صحابہ کرام ؓ) اچھا سمجھیں، تو وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی اچھا ہے، اور جس کو مسلمان اچھا نہ سمجھیں، تو وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی اچھا نہیں ہے۔

7 وَقَدْ رُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: "مَا رَآهُ الْمُؤْمِنُونَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللهِ حَسَنٌ، وَمَا رَآهُ الْمُسْلِمُونَ قَبِيحًا فَهُوَ عِنْدَ اللهِ قَبِيحٌ".

(موطأ مالک بروایة محمد بن الحسن الشیبانی، ج۱ ص۹۱ تحت رقم ۲۴۱۔ المؤلف: مالک بن أنس بن مالک بن عامر الأصبحی المدنیؒ (المتوفی ۱۷۹ھ) تعلیق وتحقیق: عبد الوہاب عبد اللطیف۔ الناشر: المکتبة العلمیة۔ الطبعة: الثانیة)

ترجمہ حضرت امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "جس کام کو مسلمان اچھا سمجھیں، تو وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی اچھا ہے، اور جس کو مسلمان اچھا نہ سمجھیں، تو وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی اچھا نہیں ہے"۔

أَخْبَرَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ، عَنْ حَمَّادِ بْنِ سَلَمَةَ، عَنْ حُمَيْدٍ، قَالَ: قلت

لِعُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى: لَوْ جَمَعْتَ النَّاسَ عَلَى شَيْءٍ؟ فَقَالَ: "مَا يَسُرُّنِي أَنَّهُمْ لَمْ يَخْتَلِفُوا". قَالَ: ثُمَّ كَتَبَ إِلَى الْآفَاقِ وَإِلَى الْأَمْصَارِ: "لِيَقْضِ كُلُّ قَوْمٍ بِمَا اجْتَمَعَ عَلَيْهِ فُقَهَاؤُهُمْ".

(مسند الدارمی المعروف بـ (سنن الدارمی) ج۱ ص۴۸۹ رقم ۶۵۲۔ المؤلف: أبو محمد عبد اللہ بن عبد الرحمن بن الفضل بن بَہرام بن عبد الصمد الدارمی، التمیمی السمرقندی (المتوفی ۲۵۵ھ)۔ تحقیق: حسین سلیم أسد الدارانی۔ الناشر: دار المغنی للنشر والتوزیع، المملکة العربیة السعودیة۔ الطبعة: الأولی، ۱۴۱۲ھ؛ تعلیق المحقق: إسناده صحیح)

ترجمہ حضرت حمیدؒ فرماتے ہیں: میں نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے عرض کیا: "اگر آپ تمام لوگوں کو کسی ایک چیز پر جمع فرمادیں تو کیا ہی اچھا ہو"۔ تو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا: "میرے لیے یہ بات زیادہ خوشی کا باعث نہیں کہ لوگوں میں کوئی (فروعی) اختلاف ہی نہ رہے"۔ پھر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے مملکت کے تمام اطراف اور شہروں میں یہ لکھ کر بھیجا: "ہر قوم کو اسی پر فیصلہ کرنا چاہیے جس پر ان کے فقہاء کا اجماع ہو"۔

4 علمائے امت کے اقوال

قرآن وسنت کے بعد اجماع بالخصوص اجماع صحابہ ؓ ایک مستقل اور ٹھوس دلیل ہے۔ اس کی حجیت پر تمام اہلسنت والجماعت کا اتفاق ہے اور ان میں کوئی فرد ایسا نہیں جو اجماع صحابہ ؓ کا منکر ہو۔

۱ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ تحریر فرماتے ہیں:

ان اہل السنة والجماعة متفقون علی ان اجماع الصحابة حجة۔

(فتح الباری ج۱۳ ص۲۶۶)

ترجمہ بے شک تمام اہل سنت والجماعت اس بات پر متفق ہیں کہ اجماع صحابہ ؓ حجت ہے۔

۲ امام ابوجعفر طحاویؒ (المتوفی ۳۲۱ھ) فرماتے ہیں:

لِأَنَّهُ لَمَّا كَانَ فِعْلُ أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَمِيعًا فِعْلًا يَجِبُ بِهِ الْحُجَّةُ، كَانَ كَذٰلِكَ أَيْضًا إِجْمَاعُهُمْ عَلَى الْقَوْلِ إِجْمَاعًا يَجِبُ بِهِ الْحُجَّةُ. وَكَمَا كَانَ إِجْمَاعُهُمْ عَلَى النَّقْلِ بَرِيئًا مِنَ الْوَهْمِ وَالزَّلَلِ، كَانَ كَذٰلِكَ إِجْمَاعُهُمْ عَلَى الرَّأْيِ بَرِيئًا مِنَ الْوَهْمِ وَالزَّلَلِ.

(شرح معانی الآثار، ج۳ ص۵۶ تحت رقم ۴۴۷۵۔ المؤلف: أبو جعفر أحمد بن محمد بن سلامة بن عبد الملك بن سلمة الأزدی الحجری المصری المعروف بالطحاوی رحمہ اللہ (المتوفی ۳۲۱ھ)۔ حققه وقدم له: محمد زهری النجار، محمد سيد جاد الحق، من علماء الأزهر الشريف۔ راجعه ورقم كتبه وأبوابه وأحاديثه: د۔ يوسف عبد الرحمن المرعشلی، الباحث بمركز خدمة السنة بالمدينة النبوية۔ الناشر: عالم الكتب۔ الطبعة: الأولى ۱۴۱۴ھ)

ترجمہ اس لیے کہ جب رسول ﷺ کے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کسی ایک امر پر متفق ہوجائیں تو وہ لازماً حجت ہے۔ اسی طرح ان کا کسی قول پر اجماع بھی لازماً حجت ہے۔ اور جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کسی منقول بات پر جمع ہوجانا وہم اور خطا سے بری ہے، اسی طرح ان کا کسی ایک رائے پر جمع ہوجانا بھی وہم اور خطا سے بری ہونا ہے۔

۳ امام ابن عبدالبر مالکیؒ فرماتے ہیں:

اجماع صحابة رضی اللہ عنہم حجة ثابتة وعلم الصحيح... وهكذا اجماع الأمة اذا اجتمعت على شئى فهو الحق الذى لا شك فيه، لانها لا تجتمع على ضلال. (التمهيد ج۲ ص۲۷۷)

ترجمہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع ایک پختہ دلیل اور صحیح علم ہے...... اسی طرح امت کا بھی کسی چیز پر اجماع ہونا بلاشبہ حجت ہے کیونکہ امت گمراہی پر جمع نہیں ہوسکتی۔

لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ (الشوریٰ:۱۱)

ترجمہ کوئی چیز اُس کے مثل نہیں ہے، اور وہی ہے جو ہر بات سنتا، سب کچھ دیکھتا ہے۔

صفاتِ باری تعالیٰ

اور

اکابر علمائے اُمت کے عقائد

تالیف

حضرت مولانا ابوحفص اعجاز احمد اشرفی غُفِرَ لَهٗ
فاضل جامعہ اشرفیہ، لاہور

1 خلیفۂ راشد حضرت علی رضی اللہ عنہ (المتوفی ۴۰ھ) کے عقائد

حضرت امام ابونعیمؒ اپنی کتاب "حِلْيَةُ الْأَوْلِيَاءِ" میں فرماتے ہیں:

۱ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَارِثِ، ثَنَا الْفَضْلُ بْنُ الْحُبَابِ الْجُمَحِيُّ، ثَنَا مُسَدَّدٌ، ثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ بْنُ سَعِيدٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ، عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ سَعْدٍ، قَالَ: كُنْتُ بِالْكُوفَةِ فِي دَارِ الْإِمَارَةِ، دَارِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ، إِذْ دَخَلَ عَلَيْنَا نَوْفُ بْنُ عَبْدِ اللهِ فَقَالَ: يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ! بِالْبَابِ أَرْبَعُونَ رَجُلًا مِنَ الْيَهُودِ، فَقَالَ عَلِيٌّ: عَلَيَّ بِهِمْ.

۲ فَلَمَّا وَقَفُوا بَيْنَ يَدَيْهِ قَالُوا لَهُ: يَا عَلِيُّ! صِفْ لَنَا رَبَّكَ هٰذَا الَّذِي فِي السَّمَآءِ، كَيْفَ هُوَ؟ وَكَيْفَ كَانَ؟ وَمَتٰى كَانَ؟ وَعَلٰى أَيِّ شَيْءٍ هُوَ؟

۳ فَاسْتَوٰى عَلِيٌّ جَالِسًا وَقَالَ: "مَعْشَرَ الْيَهُودِ! اِسْمَعُوا مِنِّي، وَلَا تُبَالُوا أَنْ لَا تَسْأَلُوا أَحَدًا غَيْرِي. إِنَّ رَبِّي عَزَّ وَجَلَّ هُوَ الْأَوَّلُ لَمْ يَبْدُ مِمَّا، وَلَا مُمَازِجٌ مَعِمًّا، وَلَا حَالٌّ وَهْمًا، وَلَا شَبَحٌ يُتَقَصّٰى، وَلَا مَحْجُوبٌ فَيُحْوٰى، وَلَا كَانَ بَعْدَ أَنْ لَمْ يَكُنْ فَيُقَالُ: حَادِثٌ.

۴ بَلْ جَلَّ أَنْ يُكَيِّفَ الْمُكَيِّفُ لِلْأَشْيَاءِ كَيْفَ كَانَ، بَلْ لَمْ يَزَلْ وَلَا يَزُولُ لِاخْتِلَافِ الْأَزْمَانِ، وَلَا لِتَقَلُّبِ شَانٍ بَعْدَ شَانٍ، وَكَيْفَ يُوصَفُ بِالْأَشْبَاحِ، وَكَيْفَ يُنْعَتُ بِالْأَلْسُنِ الْفِصَاحِ، مَنْ لَمْ يَكُنْ فِي الْأَشْيَاءِ فَيُقَالُ: بَائِنٌ، وَلَمْ يَبِنْ عَنْهَا، فَيُقَالُ: كَائِنٌ، بَلْ هُوَ بِلَا كَيْفِيَّةٍ.

۵ وَهُوَ أَقْرَبُ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ، وَأَبْعَدُ فِي الشَّبَهِ مِنْ كُلِّ بَعِيدٍ، لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ مِنْ عِبَادِهِ شُخُوصُ لَحْظَةٍ، وَلَا كُرُورُ لَفْظَةٍ، وَلَا ازْدِلَافُ تَرْقُوَةٍ،

وَلَا انْبِسَاطُ خُطْوَةٍ، فِي غَسَقِ لَيْلٍ دَاجٍ، وَلَا إِدْلَاجٍ. لَا يَتَغَشّٰى عَلَيْهِ الْقَمَرُ الْمُنِيرُ، وَلَا انْبِسَاطُ الشَّمْسِ ذَاتِ النُّورِ، بِضَوْئِهَا فِي الْكُرُورِ، وَلَا إِقْبَالُ لَيْلٍ مُقْبِلٍ، وَلَا إِدْبَارُ نَهَارٍ مُدْبِرٍ، إِلَّا وَهُوَ مُحِيطٌ بِمَا يُرِيدُ مِنْ تَكْوِينِهِ، فَهُوَ الْعَالِمُ بِكُلِّ مَكَانٍ، وَكُلِّ حِينٍ وَأَوَانٍ، وَكُلِّ نِهَايَةٍ وَمُدَّةٍ. وَالْأَمَدُ إِلَى الْخَلْقِ مَضْرُوبٌ، وَالْحَدُّ إِلٰى غَيْرِهِ مَنْسُوبٌ.

۶ لَمْ يَخْلُقِ الْأَشْيَآءَ مِنْ أُصُولٍ أَوَّلِيَّةٍ، وَلَا بِأَوَائِلَ كَانَتْ قَبْلَهُ بَدِيَّةً، بَلْ خَلَقَ مَا خَلَقَ فَأَقَامَ خَلْقَهُ، وَصَوَّرَ مَا صَوَّرَ فَأَحْسَنَ صُورَتَهُ. تَوَحَّدَ فِي عُلُوِّهِ، فَلَيْسَ لِشَيْءٍ مِنْهُ امْتِنَاعٌ، وَلَا لَهُ بِطَاعَةِ شَيْءٍ مِنْ خَلْقِهِ انْتِفَاعٌ، إِجَابَتُهُ لِلدَّاعِينَ سَرِيعَةٌ، وَالْمَلَائِكَةُ فِي السَّمٰوَاتِ وَالْأَرَضِينَ لَهُ مُطِيعَةٌ.

۷ عِلْمُهُ بِالْأَمْوَاتِ الْبَائِدِينَ كَعِلْمِهِ بِالْأَحْيَاءِ الْمُتَقَلِّبِينَ، وَعِلْمُهُ بِمَا فِي السَّمٰوَاتِ الْعُلٰى كَعِلْمِهِ بِمَا فِي الْأَرْضِ السُّفْلٰى، وَعِلْمُهُ بِكُلِّ شَيْءٍ، لَا تُحَيِّرُهُ الْأَصْوَاتُ، وَلَا تَشْغَلُهُ اللُّغَاتُ، سَمِيعٌ لِلْأَصْوَاتِ الْمُخْتَلِفَةِ، بِلَا جَوَارِحَ لَهُ مُؤْتَلِفَةٍ. مُدَبِّرٌ، بَصِيرٌ، عَالِمٌ بِالْأُمُورِ، حَيٌّ، قَيُّومٌ، سُبْحَانَهُ.

۸ كَلَّمَ مُوسٰى تَكْلِيمًا بِلَا جَوَارِحَ وَلَا أَدَوَاتٍ، وَلَا شَفَةٍ وَلَا لَهَوَاتٍ، سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰى عَنْ تَكْيِيفِ الصِّفَاتِ. مَنْ زَعَمَ أَنَّ إِلٰهَنَا مَحْدُودٌ، فَقَدْ جَهِلَ الْخَالِقَ الْمَعْبُودَ.

۹ وَمَنْ ذَكَرَ أَنَّ الْأَمَاكِنَ بِهِ تُحِيطُ، لَزِمَتْهُ الْحَيْرَةُ وَالتَّخْلِيطُ؛ بَلْ هُوَ الْمُحِيطُ بِكُلِّ مَكَانٍ. فَإِنْ كُنْتَ صَادِقًا أَيُّهَا الْمُتَكَلِّفُ لِوَصْفِ الرَّحْمٰنِ، بِخِلَافِ التَّنْزِيلِ وَالْبُرْهَانِ، فَصِفْ لِي جِبْرِيلَ وَمِيكَائِيلَ وَإِسْرَافِيلَ؟ هَيْهَاتَ! أَتَعْجَزُ عَنْ صِفَةِ مَخْلُوقٍ مِثْلِكَ، وَتَصِفُ الْخَالِقَ الْمَعْبُودَ؟ وَأَنْتَ تُدْرِكُ صِفَةَ رَبِّ الْهَيْئَةِ وَالْأَدَوَاتِ، فَكَيْفَ مَنْ لَمْ تَأْخُذْهُ سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ، لَهُ مَا فِي الْأَرَضِينَ وَالسَّمٰوَاتِ وَمَا بَيْنَهُمَا،

وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ؟"

هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ مِنْ حَدِيثِ النُّعْمَانِ، كَذَا رَوَاهُ ابْنُ إِسْحَاقَ عَنْهُ مُرْسَلًا۔

(حلية الأولياء وطبقات الأصفياء: ترجمة علي بن أبي طالب رضي الله عنه ج ١ ص ٧٢، ٧٣۔ المؤلف: أبو نعيم أحمد بن عبد الله بن أحمد بن إسحاق بن موسى بن مهران الأصبهاني (المتوفى ٤٣٠ھ)۔ الناشر: السعادة، بجوار محافظة مصر، ١٣٩٤ھ؛ مقالات الکوثری ص ٢٦٣، ٢٦٤ طبع وحیدی کتب خانہ، پشاور)

ترجمہ

١ حضرت نعمان بن سعدؒ فرماتے ہیں کہ میں کوفہ میں دارالامارت (یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر) میں تھا جب کہ ہمارے پاس حضرت نوف بن عبداللہؒ آکر کہنے لگے: "اے امیر المؤمنین! دروازے پر یہود میں سے چالیس لوگ کھڑے ہیں"۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "ان کو میرے پاس لے آؤ"۔

٢ پھر جب یہ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے بیٹھ گئے، تو وہ کہنے لگے: اے علیؓ! ہمارے لیے اپنے رب کی صفات بیان کیجیے جو آسمانوں میں ہے۔ وہ کیسا ہے؟، وہ کیسا تھا؟ وہ کب سے ہے؟ وہ کس چیز پر ہے؟

٣ حضرت علی رضی اللہ عنہ اُٹھ کر سیدھے بیٹھ گئے، اور فرمایا: "اے یہود کے گروہ! مجھ سے سنو، اور یہ بات دل میں بھی نہ لاؤ کہ تم میرے سوا کسی دوسرے سے پوچھو۔ بے شک میرا رب سب سے پہلے ہے، کوئی اس سے پہلے نہیں تھا۔ نہ وہ کسی سے مختلط (مخالطت کیے ہوئے) ہے اور نہ وہ کسی خیال میں اُترنے والا ہے (یعنی ہر وہم وگمان سے بالاتر ہے)۔ اور نہ ہی ایسی ذات ہے جو دور ہو۔ اور نہ ہی ایسا پردے میں ہے کہ اُسے سمیٹا جا سکے۔ اور نہ ہی ایسا بعد میں ہے کہ پہلے ہو ہی نہ، تو اسے حادث کہا جا سکے۔

٤ بلکہ وہ اس سے برتر ہے کہ اشیاء کی کیفیت بیان کرنے والا کوئی اس کی کیفیت بیان کر سکے۔ بلکہ زمانوں کے بدلنے اور ایک حالت کے بعد دوسری حالت آنے پر، نہ اُسے زوال تھا، نہ ہوگا (ہمیشہ سے ہے، ہمیشہ رہے گا)۔ جو اشیاء میں سے ہو ہی نہ،

اُسے اشخاص سے کیسے بیان کیا جا سکتا ہے؟!!۔ فصاحت بھری زبانوں سے کیسے اس کے وصف بیان کیے جا سکتے ہیں؟!!۔ جو اشیاء میں سے ہو ہی نہ، تو کہا جا سکتا ہے کہ وہ الگ ہے درآنحالیکہ کہ وہ ان سے الگ نہیں۔ کہا جا سکتا ہے کہ وہ ہونے والا (موجود) ہے، مگر اس کا ہونا بلاکیف ہے۔

٥ وہ شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔ اور کسی جیسا ہونے میں ہر دُور سے دُور تر ہے۔ ایک لمحے کے لیے بھی اُس کے بندے اپنی ہستیوں کی حیثیت میں اس سے پوشیدہ نہیں، اور نہ ہی اُسے ایک لفظ کے لیے بھی گلوگرفتگی ہے۔ نہ اُسے سینے (ہنسلی) کی ہڈی کے لحاظ سے زیادہ قرب ہے، نہ اُسے کسی شبِ تاریک کے دھند لکے سے کشائشِ قدم ہے، اور نہ رات کو چلنے سے۔ نہ ہی ماہِ تاباں اُسے اپنی روشنی سے ڈھانپ سکتا ہے، اور نہ ہی روشنی والے سورج کی کشائش، فراخی اور کشود، جب کہ وہ دونوں (سورج اور چاند) بلندیوں پر ہوں، نہ آنے والی رات کی آمد، نہ پیچھے کو پلٹ جانے والے دن کا پلٹنا۔ مگر یہ کہ وہ اپنے ارادے کے مطابق اپنی تکوین (تخلیق) کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ وہ ہر مکان وزمان سے آگاہ ہے۔ ہر نہایت ومدت سے واقف ہے۔ ہر مخلوق کی آخری حد مقرر ہے۔ اس کے سوا کسی دوسرے سے حد کو نسبت دی جا سکتی ہے۔

٦ اُس نے اصولِ اولیّہ سے مخلوق پیدا نہیں فرمائی اور نہ اس سے پہلے اوائل ابتدائیہ تھے (ابتداء تھی)۔ بلکہ اس نے جو کچھ تخلیق فرمانا چاہا، تخلیق فرما دیا۔ پھر اس کی تخلیق کو قائم فرما دیا۔ اس نے صورت گری جیسی چاہی ویسی ہی صورت گری فرما دی اور بہترین صورت گری فرمائی۔ اپنی بلندی میں یکتا وتنہا ہے۔ کسی چیز کو اس سے روک نہیں۔ نہ اسے کسی چیز کی فرماں برداری سے فائدہ ہے۔ دعا مانگنے والوں کی دعاؤں کو جلد قبولیت بخشتا ہے۔ آسمانوں اور زمین میں سارے فرشتے اس کے حکم بردار ہیں۔

٧ اس کا علم فنا شدہ مُردوں کے لیے بھی ایسا ہی ہے جیسا کہ چلتے پھرتے زندوں کے لیے ہے۔ اور اس کا علم بلند آسمانوں کے بارے میں بھی ایسا ہی ہے جیسا پست زمین کے لیے ہے۔ وہ ہر چیز سے آگاہ ہے۔ نہ اُسے آوازیں متعجب کرتی ہیں اور نہ زبانیں

اسے غافل کرتی ہیں۔ مجتمع اعضاء کے بغیر ہی وہ مختلف آوازوں کی سماعت فرماتا ہے۔ تدبیر کنندہ ہے، نگران ہے، جملہ معاملات سے آگاہ وباخبر ہے، زندہ ہے، قائم بالذات اور قائم رکھنے والا ہے۔ اس کی ذات (ہر عیب ونقص، ہر کوتاہی وشرک سے) پاک ہے۔

۸ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بغیر جوارح اور آلات، بغیر ہونٹ اور حلق کے کلام کیا ہے۔ وہ ذات صفات کی کیفیت سے پاک اور منزہ ہے۔ جس شخص نے یہ گمان کیا کہ ہمارا الٰہ محدود ہے، تو وہ خالق اور معبود سے جاہل ہے۔

۹ جس شخص نے اس کا ذکر کیا کہ مکان اس کا احاطہ کرسکتے ہیں، حیرت، حیرانگی اور تخلیط (خلط ملط ہونا) اس کو لازم ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ ہی ہر مکان کا احاطہ کرنے والے ہیں۔ اے متکلف! اگر تو نزول وحی اور برہان کے خلاف اللہ تعالیٰ کے اوصاف بیان کرنے میں سچا ہے، تو پھر حضرت جبریل علیہ السلام، حضرت میکائیل علیہ السلام، حضرت اسرافیل علیہ السلام کی صفات ہی بیان کردے۔ ہائے افسوس! کیا تو اپنی جیسی مخلوق کی صفات بیان کرنے سے تو عاجز ہے جب کہ تو خالق اور معبود کی صفات کو بیان کررہا ہے؟ اور تو ہیئت اور آلات کے رب کی صفت تک پہنچنے کا دعویٰ کرتا ہے؟ پس کیسے اس ذات کو معلوم کرسکتا ہے؟ جس کو نہ اونگھ آتی ہے اور نہ نیند، وہی زمینوں، آسمانوں اور ان کے درمیان تمام چیزوں کا مالک ہے، وہ عرشِ عظیم کا بھی مالک ہے۔

2 حضرت امام ابوحنیفہؒ (المتوفی ۱۵۰ھ) کے عقائد

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اخیر دور میں جب اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اکابر علمائے تابعینؒ دنیا سے رخصت ہوگئے تو گمراہ فرقوں کا خروج اور ظہور شروع ہوا اور خوارج، روافض، قدریہ، اور جہمیہ جیسے اہلِ ہویٰ اور اہل بدعت ظاہر ہوئے۔ تو ضرورت ہوئی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مسلک کے مطابق عقائد حقہ کو جمع کیا جائے۔ اس بارہ میں سب سے پہلے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کوفی ؒ (المتوفی ۱۵۰ھ) نے توجہ فرمائی اور اس سلسلہ میں چند رسائل اپنے اصحاب کو املاء کرائے:

۱ فقہ اکبر
۲ فقہ ابسط
۳ کتاب العالم والمتعلم
۴ کتاب الوصیت
۵ رسالہ در بارۂ تحقیق استطاعت وغیرہ

یہی رسائل اسلام اور علمِ کلام کی بنیاد بنے۔ فقہ اکبر کے دو نسخے ہیں: ایک کو روایت کرنے والے حضرت حماد بن ابی حنیفہؒ ہیں جس کی شرح ملا علی قاریؒ نے کی ہے۔ دوسرے نسخے کی روایت حضرت ابو مطیع بلخیؒ نے کی ہے اور وہ ''فقہ ابسط'' کے نام سے مشہور ومعروف ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ کی کتاب ''الفقہ الاکبر'' کی شرح حضرت ملاعلی القاریؒ کی ''شرح الفقہ الاکبر'' بہت مشہور ومعروف ہے۔

ان رسائل میں حضرت امام ابوحنیفہؒ نے اصولِ دین اور عقائدِ اسلام کو واضح اور منقح فرمایا اور خوارج، شیعہ، قدریہ اور دہریہ کے شکوک وشبہات کے جوابات دیئے اور چونکہ بصرہ ان فرقِ باطلہ کا گڑھ تھا۔ اس لیے حضرت امام ابوحنیفہؒ نے بیس مرتبہ سے زیادہ بغرضِ مناظرہ بصرہ کا سفر فرمایا اور لوگوں کو دلائل اور

براہین سے ساکت اور لاجواب کیا جس سے تمام بلادِ اسلامیہ میں آپؒ کے فضل وکمال کا ڈنکا بج گیا اور آپؒ کے اصحابؒ اور تلامذہؒ نے بھی احقاقِ حق اور ابطالِ باطل میں یہی طریقہ اختیار کیا، خاص کر حضرت امام ابو یوسفؒ، حضرت امام محمدؒ، حضرت امام زفرؒ اور آپؒ کے صاحبزادے حضرت حماد بن ابی حنیفہؒ مبتدعین اور مخالفین کے مناظرہ میں معروف ومشہور ہوئے۔ یہ رسائل اگرچہ نہایت مختصر تھے مگر بقدرِ ضرورت اصولِ دین کی تحقیق پر مشتمل تھے لیکن مبوب اور مرتب نہ تھے۔

قاضی کمال الدین احمد بیاضی رومیؒ جو گیارھویں صدی کے اکابر علماءِ روم میں سے ہیں۔ انہوں نے حضرت امام ابوحنیفہؒ کے ان املاءفرمودہ رسائل کو بحذف مکررات اور بحذفِ سوال وجواب متکلمین کی طرز پر ترتیب دے کر ایک متن تیار کیا جس کا نام "الأصول المنيفة للامام أبي حنيفة" رکھا۔ متن میں اس امر کا خاص لحاظ رکھا کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے الفاظ محفوظ رہیں، ان میں تغیر وتبدل نہ ہونے پائے۔ پھر اس کی ایک مبسوط شرح لکھی جس کا نام "اشارات المرام من عبارات الامام" رکھا جو دلائل عقلیہ اور نقلیہ کا عجیب خزانہ ہے۔

الْفِقْهُ الأَكْبَرُ میں بیان کردہ عقائد

وحدانية الله تَعَالیٰ

وَالله تَعَالیٰ وَاحِدٌ لَا من طَرِيق الْعَدَد وَلٰكِنْ مِنْ طَرِيق أنه لَا شريك لَهُ لم يلد وَلم يُولد وَلم يكن لَهُ كفوا أحد. لَا يشبه شَيْئا من الْأَشْيَاء من خلقه وَلَا يُشبههُ شَيْء من خلقه لم يزل وَلَا يزَال بأسمائه وَصِفَاته الذاتية والفعلية.

الصِّفَات الذاتية والفعلية

أَما الذاتية فالحياة وَالْقُدْرَة وَالْعلم وَالْكَلَام والسمع وَالْبَصَر

والارادة. وَأما الفعلية فالتخليق والترزيق والإنشاء والإبداع والصنع وَغير ذٰلِك من صِفَات الْفِعْل لم يزل وَلَا يزَال بصفاته وأسمائه لم يحدث لَهُ صفة وَلَا اسْم.

صِفَات الله أزلية

لم يزل عَالما بِعِلْمِهِ وَالْعلم صفة فِي الْأَزَل وقادرا بقدرته وَالْقُدْرَة صفة فِي الْأَزَل ومتكلما بِكَلَامِهِ وَالْكَلَام صفة فِي الْأَزَل وخالقا بتخليقه والتخليق صفة فِي الْأَزَل وفاعلا بِفِعْلِهِ وَالْفِعْل صفة فِي الْأَزَل وَالْفَاعِل هُوَ الله تَعَالیٰ وَالْفِعْل صفة فِي الْأَزَل وَالْمَفْعُول مَخْلُوق. وَفعل الله تَعَالیٰ غير مَخْلُوق.

الْقَوْل فِي الْقُرْآن

وَصِفَاتِهِ فِي الْأَزَل غير محدثة وَلَا مخلوقة وَمن قَالَ إِنَّهَا مخلوقة أَو محدثة أَوْ وقف أَوْ شكّ فيهما فَهُوَ كَافِر بِالله تَعَالیٰ. والقرآن كَلَام الله تَعَالیٰ فِي الْمَصَاحِف مَكْتُوب، وَفِي الْقُلُوب مَحْفُوظ، وعَلى الألسن مقروء، وعَلى النَّبِي عَلَيْهِ الصَّلَاة وَالسَّلَام منزل، ولفظنا بِالْقُرْآنِ مَخْلُوق، وكتابتنا لَهُ مخلوقة، وقراءتنا لَهُ مخلوقة، وَالْقُرْآن غير مَخْلُوق.

وَمَا ذكره الله تَعَالیٰ فِي الْقُرْآن حِكَايَة عَن مُوسَى وَغَيره من الْأَنْبِيَاء عَلَيْهِم السَّلَام وَعَن فِرْعَوْن وابليس فَإِن ذٰلِك كُله كَلَام الله تَعَالیٰ إِخْبَارًا عَنْهُم. وَكَلَام الله تَعَالیٰ غير مَخْلُوق وَكَلَام مُوسَى وَغَيره من المخلوقين، وَالْقُرْآن كَلَام الله تَعَالیٰ فَهُوَ قديم، لَا كَلَامهم. وَسمع مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَام كَلَام الله تَعَالیٰ كَمَا فِي قَوْله تَعَالیٰ: وَكَلَّمَ اللهُ مُوسَى تَكْلِيماً. وَقد كَانَ الله تَعَالیٰ متكلما وَلم يكن كلم مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَام وَقد كَانَ الله تَعَالیٰ خَالِقًا فِي الْأَزَل وَلم يخلق الْخلق فَلَمَّا كلم الله مُوسَى كَلمه بِكَلَامِهِ الَّذِي هُوَ لَهُ صفة

فِي الْأَزَل وَصِفَاته كلهَا بِخِلَاف صِفَات المخلوقين يعلم لَا كعلمنا وَيقدر لَا كقدرتنا وَيرى لَا كرؤيتنا۔

وَيتَكَلَّم لَا ككلامنا وَيسمع لَا كسمعنا وَنحن نتكلم بالآلات والحروف۔ وَالله تَعَالَى يتَكَلَّم بِلَا آلَة وَلَا حُرُوف۔ والحروف مخلوقة وَكَلَام الله تَعَالَى غير مَخْلُوق وَهُوَ شَيْء لَا كالأشياء وَمعنى الشَّيْء الثَّابِت بِلَا جسم، وَلَا جَوْهَر، وَلَا عرض، وَلَا حد لَهُ، وَلَا ضد لَهُ، وَلَا ند لَهُ، وَلَا مثل لَهُ۔

القَوْل فِي الصِّفَات

وَله يَد وَوجه وَنَفس كَمَا ذكره الله تَعَالَى فِي الْقُرْآن فَمَا ذكره الله تَعَالَى فِي الْقُرْآن من ذكر الْوَجْه وَالْيَد وَالنَّفس فَهُوَ لَهُ صِفَات بِلَا كَيفَ۔ وَلَا يُقَال: إِن يَده قدرته أَوْ نعْمَته لِأَن فِيهِ إِبْطَال الصّفة وَهُوَ قَول أهل الْقدر والاعتزال وَلَكِن يَده صفته بِلَا كَيفَ و غَضَبه، وَرضَاهُ صفتان من صِفَات الله تَعَالَى بِلَا كَيفَ۔

القَوْل فِي الْقدر

خلق الله تَعَالَى الْأَشْيَاء لَا من شَيْء وَكَانَ الله تَعَالَى عَالما فِي الْأَزَل بالأشياء قبل كَونهَا وَهُوَ الَّذِي قدر الْأَشْيَاء وقضاها وَلَا يكون فِي الدُّنْيَا وَلَا فِي الْآخِرَة شَيْء الا بمشيئته وَعلمه وقضائه وَقدره وَكتبه فِي اللَّوْح الْمَحْفُوظ وَلَكِن كتبه بِالْوَصْفِ لَا بالحكم وَالْقَضَاء وَالْقدر والمشيئة صِفَاته فِي الْأَزَل بِلَا كَيفَ يعلم الله تَعَالَى فِي الْمَعْدُوم فِي حَال عَدمه مَعْدُوما وَيعلم انه كَيفَ يكون إِذا أوجده وَيعلم الله الْمَوْجُود فِي حَال وجوده وَيعلم انه كَيفَ فناؤه وَيعلم الله الْقَائِم فِي حَال قِيَامه قَائِما وَإِذا قعد فقد علمه قَاعِدا فِي حَال قعوده من غير ان يتَغَيَّر علمه أَوْ يحدث لَهُ علم وَلَكِن التَّغَيُّر وَالِاخْتِلَاف يحدث عِنْد المخلوقين۔

(الفقہ الاکبر ص ۱۴ تا ۲۹۔ الناشر: مكتبة الفرقان، الإمارات العربية۔ الطبعة: الأولى ۱۴۱۹ھ)

ترجمہ

توحید باری تعالیٰ

(اس پر بھی ہمارا ایمان ہے کہ) اللہ تعالیٰ واحد اور یگانہ ہے، لیکن عدد کے لحاظ سے نہیں بلکہ اس اعتبار سے کہ اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ نہ اس کی کوئی اولاد ہے، اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے۔ اور اس کے جوڑ کا کوئی بھی نہیں۔ وہ اپنی مخلوق میں سے کسی چیز کے مشابہ نہیں اور نہ اس کی مخلوق میں سے کوئی چیز اس سے مشابہت رکھتی ہے۔ وہ اپنے اسماء اور اپنی صفاتِ ذاتیہ اور صفاتِ فعلیہ کے ساتھ ہمیشہ سے موصوف رہا ہے اور ان کے ساتھ ہمیشہ متصف رہے گا۔

صفات ذاتیہ اور فعلیہ

وہ اپنے اسماء اور اپنی صفاتِ ذاتیہ مثلاً حیات، قدرت، علم، کلام، سمع، بصر اور ارادہ سے اور اسی طرح صفاتِ فعلیہ مثلاً پیدا کرنا، رزق دینا، ایجاد کرنا، اور بغیر کسی سابق مثال کے کسی چیز کو پیدا کرنا اور بنانا وغیرہ کے ساتھ ہمیشہ سے موصوف رہا ہے اور ان کے ساتھ ہمیشہ متصف رہے گا۔ اس کی کوئی صفت اور نام ایسا نہیں ہے کہ وہ نو پیدا اور حادث ہو۔

صفاتِ ازلیہ

وہ ہمیشہ سے اپنے علم کے ساتھ موصوف اور عالم رہا ہے اور علم اس کی ازلی صفت ہے اور وہ ہمیشہ سے اپنی قدرت سے متصف اور قادر ہے اور قدرت اس کی ازلی صفت ہے اور وہ متکلم اور اپنے کلام سے موصوف ہے اور کلام اُس کی ازلی صفت ہے اور وہ اپنی صفتِ تخلیق سے موصوف اور خالق ہے اور تخلیق اس کی ازلی صفت ہے اور وہ اپنے فعل سے متصف اور فاعل ہے اور فعل اس کی ازلی صفت ہے اور مفعول مخلوق ہے

اور اللہ تعالیٰ کا فعل مخلوق نہیں ہے۔

اس کی یہ جملہ صفات ازلی ہیں، جو غیر حادث ہیں اور جس شخص نے یہ کہا کہ اس کی صفات مخلوق یا نو پیدا ہیں یا اس نے ان میں توقف اور شک کیا تو وہ اللہ تعالیٰ کا منکر اور کافر ہے۔

قرآنِ مجید کے بارے میں قول

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو صحیفوں میں لکھا ہوا ہے اور حفاظِ کرام کے دلوں میں محفوظ ہے اور زبانوں سے پڑھا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جناب رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا ہے اور ہمارا قرآن مجید کو پڑھنا اور اس کا لکھنا تو مخلوق اور حادث ہے (مگر خود) قرآن غیر مخلوق ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام سے اللہ تعالیٰ نے بطورِ حکایت جو کچھ بیان فرمایا ہے اور فرعون اور ابلیس سے اس نے جو کچھ نقل کیا ہے تو یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو ان سے خبر دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کلام غیر مخلوق ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور دیگر مخلوق کا کلام مخلوق و حادث ہے اور قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ سو وہ قدیم ہے، نہ یہ کہ مخلوق کے کلام کی طرح حادث ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا کلام سنا ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے:

وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوسٰى تَكْلِيمًا۔

ترجمہ اور اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا۔

(مگر) اللہ تعالیٰ اس وقت بھی متکلم تھا جب کہ اُس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام نہیں کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ اس وقت ازل میں بھی خالق تھا جب کہ اس نے مخلوق کو پیدا نہیں کیا تھا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَّهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ۔ (شوریٰ:۱۱)

ترجمہ کوئی چیز اُس کے مثل نہیں ہے، اور وہی ہے جو ہر بات سنتا، سب کچھ دیکھتا ہے۔

پس جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا تو اللہ تعالیٰ نے اسی کلام کے سبب جو اس کی ازلی صفت ہے، کلام کیا۔ اس کی تمام صفات مخلوق کی صفات سے بالکل الگ ہیں۔ وہ جانتا ہے لیکن نہ اس طرح جیسے ہم جانتے ہیں۔ وہ قادر ہے لیکن ہماری طرح اس کی قدرت نہیں۔ وہ دیکھتا ہے مگر ہماری طرح نہیں دیکھتا۔ وہ کلام کرتا ہے مگر ہمارے کلام کی مانند نہیں۔ وہ سنتا ہے مگر ایسا نہیں جیسے ہم سنتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہماری طرح آلات وحروف کے ساتھ کلام نہیں کرتا کیونکہ حروف مخلوق ہیں اور اللہ تعالیٰ کا کلام مخلوق نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ''شَیٔ'' ہے مگر دیگر اشیاء کی طرح نہیں۔ اور ''شَیٔ'' کے معنی ثابت کے ہیں۔ وہ جسم، جوہر وعرض نہیں ہے۔ نہ تو اس کی حد ہے، اور نہ ضد۔ اور نہ مقابل ہے اور نہ مثل۔

صفات کے بارے میں قول

اُس کے لیے ہاتھ، منہ اور نفس ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں چہرے، ہاتھ اور نفس کا ذکر کیا ہے، تو یہ اللہ تعالیٰ کی بلا کیف صفات ہیں۔ یعنی اس کی کیفیت معلوم نہیں ہے اور یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ ''ید'' سے مراد قدرت اور نعمت ہے کیونکہ ایسا کہنے سے اس کی صفت کا ابطال لازم آتا ہے یہ منکرینِ تقدیر اور معتزلہ کا مذہب ہے۔ بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ ہاتھ اس کی مجہول الکیفیت صفت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا غضب اور اس کی رضا بھی اس کی صفتیں ہیں، لیکن بلا کیف۔

تقدیر کے بارے میں قول

اس نے تمام اشیاء کو پیدا کیا ہے لیکن بغیر کسی مادہ کے۔ اللہ تعالیٰ ازل ہی سے تمام اشیاء کا عالم ہے جب کہ وہ اشیاء ظاہر نہ ہوئی تھیں اور اللہ تعالیٰ ہی نے تمام اشیاء کا ایک اندازہ ٹھہرایا اور ان کے بارے میں فیصلہ صادر فرمایا ہے۔ دنیا اور آخرت میں کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کی مشیت، علم اور قضاو قدر کے بغیر وقوع پذیر ہو سکے اور اُس

نے یہ لوحِ محفوظ میں درج کر دیا ہے لیکن اُس کی یہ نوشت وصف کے لحاظ اور اعتبار سے لوحِ محفوظ میں مندرج ہے، نہ کہ حکم کے اعتبار سے۔ قضا وقدر اور مشیت اللہ تعالیٰ کی ازلی صفتیں ہیں مگر بلا کیف۔ اللہ تعالیٰ معدوم کو اس کے معدوم ہونے کی حالت میں بھی جانتا ہے اور یہ بھی جانتا ہے کہ جب اس کو پیدا کرے گا تو وہ کیسا ہوگا؟ اور موجود چیز کو اُس کی موجودگی کی حالت میں جانتا ہے۔ اور وہ یہ بھی جانتا ہے کہ وہ کس طرح فنا ہوگی اور وہ قائم کو بحالتِ قیام جانتا ہے اور جب وہ بیٹھ جائے تو اس کو بحالتِ قعود بھی وہ جانتا ہے۔ لیکن اس کے علم میں کسی قسم کا تغیّر واقع نہیں ہوتا اور نہ اس کے لیے کوئی نیا علم حادث اور حاصل ہوتا ہے۔ یہ تغیر اور اختلاف جو کچھ بھی ہے تو یہ مخلوق کے ہاں ہوتا ہے۔

3 حضرت امام طحاویؒ (المتوفی ۳۲۱ھ) کے عقائد

امام طحاویؒ کی علم حدیث میں شرح معانی الآثار اور مشکل الآثار نہایت عظیم القدر تالیفات ہیں۔ علامہ ابن حزمؒ نے معانی الآثار کو مؤطا امام مالکؒ پر ترجیح بھی دی ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے بعد حضرت امام طحاویؒ (المتوفی ۳۲۱ھ) نے بیان اعتقاد أهل السنة والجماعة على مذهب الفقهاء الملة أبي حنيفةؒ وأبي يوسفؒ ومحمد بن الحسنؒ المعروف بہ "العقيدة الطحاوية" میں اہل السنت والجماعت کے عقائد کی ایک پوری تصویر لی۔ امام طحاویؒ نے آخر کتاب میں مذاہب ردیہ باطلہ: فرقہ مجسمہ، جہمیہ، جبریہ وقدریہ اور ان جیسے دوسرے فرقوں سے براءت ظاہر کی۔ جنت وجہنم دونوں کو مخلوق وموجود اور کبھی نہ فنا ہونے والی قرار دیا۔

عقیدۂ طحاویہ صفحات کے حوالے سے تو مختصر ہے لیکن فوائد کے اعتبار سے ایک خزانہ ہے۔ گویا امام طحاویؒ کا یہ رسالہ ''بقامتِ کہتر، بقیمتِ بہتر'' کا مصداق ہے۔ محدثِ عصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ (المتوفی ۱۳۹۷ھ) فرماتے تھے:

''ہمارے شیخ، محدث، امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ (المتوفی ۱۳۵۲ھ) ''عقیدۂ طحاویہ'' کو احناف کی تمام عقائد کی کتابوں پر ترجیح دیتے تھے۔ یہاں تک کہ ''الفقہ الاکبر'' پر بھی فوقیت دیتے تھے''۔

یہی وجہ ہے کہ ہر دور کے علماء کرامؒ نے اس رسالے کو منظورِ نظر رکھا اور متنوع جہات سے اس کی خدمت کی ہے۔ اس وقت دنیا کی تمام اہم درس گاہوں میں بڑی شرح وبسط سے پڑھایا جاتا ہے اور اس کی ان بڑے بڑے علماء نے شرحیں لکھیں، جن کا اپنا نام اور کام اس قابل ہوا کہ مستقل کتابیں لکھی گئیں۔

۱ ان میں زیادہ مشہور ومعروف اور مستند شرح علامہ، فقیہ، محقق عبد الغنی الغنیمی المیدانیؒ (المتوفی ۱۲۹۸ھ) کی شرح ہے۔ شارحؒ نے علمائے اہل السنت

والجماعت کے مسلمہ عقائد بیان فرمائے ہیں۔ علامہ میدانیؒ دمشق کے بڑے فقیہ اور محقق گزرے ہیں۔ علامہ ابن عابدین شامیؒ کے مشہور شاگردوں میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ ان کی مختصر القدوری کی شرح "اللباب فی شرح الکتاب" اہل علم سے داد حاصل کر چکی ہے۔ ان کی شرح عقیدۂ طحاویہ پر محمد مطیع الحافظ اور ریاض المالح نے تحقیق کی ہے، جو زمزم پبلشر، کراچی سے چھپی ہے۔

۲ حضرت امام اکمل الدین بابرتیؒ (المتوفی ۷۸۶ھ) کی شرح: ''شرح عقیدة الطحاویۃ'' بھی بہت عمدہ ہے۔ مصنفؒ محدث اور فقیہ ہونے کے ساتھ ساتھ ایک ماہر متکلم بھی ہیں، جس کی شہادت ان کی وہ آٹھ (۸) تصانیف دے رہی ہیں جو صرف علم الکلام اور عقائد کے سلسلے میں تحریر کی گئی ہیں۔ یہ شرح وزارۃ الاوقاف کویت نے شائع کی ہے۔ اس شرح سے بھرپور استفادہ کرنا چاہیے البتہ محقق عارف آیتکن نے اس شرح کو بگاڑنے کی کوشش کی ہے۔ اس پر نظر رکھنا ضروری ہے۔

عقیدۂ طحاویہ میں بیان کردہ عقائد

حضرت امام طحاویؒ (المتوفی ۳۲۱ھ) فرماتے ہیں:

حضرت امام ابوجعفر طحاویؒ نے فرمایا ہے کہ اس کتاب میں جو کچھ لکھا گیا ہے، یہ اہل السنت والجماعت کے اُس عقیدہ کا بیان ہے، جو فقہاءِ ملت ائمہ احناف حضرت امام ابوحنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے مذہب کے مطابق ہے۔ نیز اس میں وہ اصولِ دین بھی ذکر کیے گئے ہیں جن پر یہ ائمہ اعتقاد رکھتے ہیں۔ اور ان کے مطابق اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں۔

ہم اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی توفیق سے اللہ تعالیٰ کی توحید کے بارہ میں یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ:

1 إنَّ اللہ تعالیٰ واحد، لا شریك له۔

اللہ تعالیٰ واحد (تنہا) ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔

2 ولا شیٔ مثله۔

کوئی چیز اس کے مانند نہیں ہے۔

3 ولا شیٔ یُعجزہ۔

نہ کوئی چیز اس کو عاجز کر سکتی ہے۔

4 ولا إله غیرُہ۔

اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

5 قدیم بلا ابتداء، دائمٌ بلا انتهاء۔

وہ قدیم ہے، جس کی کوئی ابتداء نہیں۔ وہ ازلی ہے، جس کی کوئی انتہاء نہیں۔

6 لا یفنیٰ، ولا یبید۔

اس پر فنا اور ہلاکت نہیں۔

7 ولا یکون إلّا ما یرید۔

کوئی بات اس کے ارادہ کے بغیر نہیں ہوتی۔

8 لا تبلغه الأوهامُ، ولا تُدرِكه الأفهام۔

اس تک وہم وخیال کی رسائی نہیں۔ اور نہ عقل وفہم اس کا ادراک کر سکتے ہیں۔

9 ولا یکون یُشْبِهُ الأَنَامُ۔

مخلوقات بھی اس کے مانند نہیں۔

10 حيٌّ لا یموتُ، قیُّومٌ لا ینامُ۔

وہ زندہ ہیں جس پر موت نہیں۔ وہ قیوم (خود قائم اور سب چیزوں کو قائم رکھنے والا) ہے، جس پر نیند طاری نہیں ہوتی۔

11 خالقٌ بلا حاجةٌ، رزاقٌ بلا مُؤنَةٌ۔

وہ خالق (یعنی پیدا کرنے والا) ہے، لیکن بغیر احتیاج کے (یعنی اس کو کسی کے پیدا کرنے کی ضرورت نہیں)۔ وہ رازق ہے بغیر تکلیف اُٹھائے (یعنی روزی بہم پہنچانے میں اسے کوئی تکلیف اور مشقت اُٹھانا نہیں پڑتی)۔

12 مميتٌ، بلا مخافة، باعث بلا مشقة۔

وہ مارنے والا ہے بغیر کسی خوف کے۔ وہ دوبارہ اُٹھانے والا ہے بغیر مشقت کے۔

13 مَا زَالَ بِصِفَاتِهٖ قَدِيمًا قَبْلَ خَلْقِهٖ۔ لَمْ يَزْدَدْ بِكَوْنِهِمْ شَيْئًا۔ لَمْ يَكُنْ قَبْلَهُمْ مِنْ صِفَاتِهٖ۔ وَكَمَا كَانَ بِصِفَاتِهٖ أَزَلِيًّا كَذٰلِكَ لَا يزال عليها أبدياً۔

مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے بھی وہ ہمیشہ سے اپنی صفات کے ساتھ قدیم ہے۔ مخلوقات کے پیدا کرنے سے اس کی صفات میں کسی چیز کا بھی اضافہ نہیں ہوا جو پہلے نہ تھا۔ اور جیسا کہ وہ اپنی صفات کے ساتھ ازلی ہے اسی طرح ان صفات کے ساتھ ابدی بھی ہے۔

14 ليس بعد خَلَقَ الْخَلْقَ اسْتَفَادَ اسْمَ "الْخَالِقِ"، وَلَا بِإِحْدَاثِهِ البريّة استفاد اسم "البارى"۔

وہ ایسا نہیں کہ مخلوق کو پیدا کرنے کے بعد اس نے ''خالق'' کا اسم استفادہ کیا ہو۔ اور نہ مخلوق کو بنانے کے بعد اس نے ''باری'' کے اسم کا استفادہ کیا ہے۔

15 لَهٗ مَعْنَى الرُّبُوبِيَّةِ، وَلَا مَرْبُوبَ۔ وَمَعْنَى الْخَالِقِيَّةِ، ولا مخلوق۔

اس کے لیے اس وقت بھی معنی ربوبیت، یعنی صفت ربوبیت، کی تھی، جبکہ کوئی مربوب (پروردہ) نہ تھا۔ اور معنیٰ خالقیت اس کے لیے تھا جب کوئی مخلوق نہ تھی۔

16 وكما أنه محيي الموتى بعدما أَحْيَاهم، اسْتَحَقَّ هٰذَا الِاسْمَ قَبْلَ إِحْيَائِهِمْ۔ كَذٰلِكَ استحق اسم الخالق قَبْلَ إنشائهم۔

وہ مُحیِ الْمَوْتٰی (مردوں کو زندہ کرنے والا) ہے جس طرح وہ مردوں کو زندہ کرنے کے بعد اس اسم کا حق دار ہے، اسی طرح ان کے زندہ کرنے سے پہلے بھی تھا۔ اسی طرح اسم خالق کا مستحق وہ ان کے پیدا کرنے سے پہلے بھی تھا۔

17 ذٰلِكَ بِأَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔ وَكُلُّ شيء إليه فَقِيرٌ۔ وَكُلُّ أَمْرٍ عَلَيْهِ يَسِيرٌ۔ لَا يَحْتَاجُ إِلٰى شَيْءٍ: "لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ۔ وَهُوَ السَّمِيعُ البصير"۔ (الشورى:١١)۔

اس لیے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور ہر چیز اس کی محتاج ہے۔ اس پر ہر کام آسان ہے۔ وہ کسی چیز کا محتاج نہیں۔ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ۔ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيْرُ (الشوریٰ:۱۱)، اور اس کی مانند کوئی چیز نہیں۔ وہی سننے اور دیکھنے والا ہے۔

18 خلقَ الخَلقَ بعلمه۔

اس نے مخلوق کو اپنے علم کے ساتھ پیدا کیا ہے۔

19 وقَدَّرَ لهم أقداراً۔

اور سب کی اس نے تقدیر ٹھہرائی ہے۔

20 وضَرَبَ لهم آجالاً۔

اور ان کی عمریں مقرر کی ہیں۔

21 وَلَمْ يَخْفَ عَلَيْهِ شَيْءٌ من أفعالهم، قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَهُمْ، وَعَلِمَ مَا هُمْ عَامِلُونَ قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَهُمْ۔

ان کے پیدا کرنے سے پہلے بھی کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہ تھی۔ اور اللہ تعالیٰ ان کے پیدا کرنے سے پہلے بھی جانتا تھا، کہ وہ کیا کچھ کرنے والے ہیں۔

22 وأَمَرَهُمْ بِطَاعَتِهٖ، وَنَهَاهُمْ عَنْ مَعْصِيَتِهٖ۔

اللہﷻ تعالیٰ نے ان کو اپنی اطاعت کا حکم دیا ہے اور اپنی معصیت سے منع کیا ہے۔

23 وَكُلُّ شَيْءٍ يَجْرِي بِتَقْدِيرِهٖ وَمَشِيئَتِهٖ، وَمَشِيئَتُهٗ تَنْفُذُ، لَا مَشِيئَةَ لِلْعِبَادِ إِلَّا مَا شَاءَ لَهُمْ، فَمَا شَاءَ لَهُمْ كَانَ، وَمَا لَمْ يَشَأْ لم يكن۔

ہر چیز اس کی قدرت اور مشیت سے جاری ہوتی ہے۔ اور اس کی مشیت نافذ ہے۔ اور بندوں کی مشیت کوئی نہیں بجز اس کے جو وہ چاہے ان کے لیے۔ پس وہ ان کے لیے جو چاہے، وہی ہوتا ہے اور جو نہ چاہے، وہ نہیں ہوتا۔

24 يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاءُ، وَيَعْصِمُ وَيُعَافِيْ فَضْلًا، وَيُضِلُّ مَنْ يَّشَاءُ، ويخذلُ ويبتلي عدلاً۔

اللہ تعالیٰ ہدایت دیتا ہے جسے چاہے اور (گناہ کی آلودگی سے) بچاتا ہے اور اپنے فضل سے اسے عافیت بخشتا ہے۔ اور جس کو چاہتا ہے (اس کو سوءِ استعداد کی وجہ

سے) گمراہ اور رسوا کرتا ہے۔ اور اسے ابتلاء و آزمائش میں ڈال دیتا ہے۔

25 وَكُلُّهُمْ يَتَقَلَّبُونَ فِي مَشِيئَتِهِ بَيْنَ فَضْلِهِ وَعَدْلِهِ۔

سب پلٹتے ہیں اس کی مشیت میں اس کے فضل و عدل کے درمیان۔

26 وَهُوَ مُتَعَالٍ عن الأضداد والأنداد۔

وہ شریکوں سے پاک ہے۔

27 لَا رَادَّ لِقَضَائِهِ، وَلَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهِ، وَلَا غالب لأمره۔

اس کے فیصلہ کو کوئی روک نہیں سکتا۔ اور اللہ تعالیٰ کے حکم پر کوئی غالب نہیں آ سکتا۔

28 آمَنَّا بِذٰلِكَ كُلِّهِ۔ وَأَيْقَنَّا أَنَّ كُلًّا مِنْ عنده۔

ہم ان سب باتوں پر ایمان لائے ہیں۔ اور یقین رکھتے ہیں کہ یہ سب باتیں اسی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔

29 وَإِنَّ الْقُرْآنَ كَلَامُ اللهِ تعالىٰ، مِنْهُ بَدَأَ بِلَا كَيْفِيَّةٍ قَوْلًا، وَأَنْزَلَهُ عَلٰى رَسُولِهِ وَحْيًا، وَصَدَّقَهُ الْمُؤْمِنُونَ عَلٰى ذٰلِكَ حَقًّا، وَأَيْقَنُوا أَنَّهُ كَلَامُ اللهِ تَعَالٰى بِالْحَقِيقَةِ، لَيْسَ بِمَخْلُوقٍ كَكَلَامِ الْبَرِيَّةِ، فَمَنْ سَمِعَهُ فَزَعَمَ أَنَّهُ كَلَامُ الْبَشَرِ فَقَدْ كَفَرَ۔ وَقَدْ ذَمَّهُ اللهُ وَعَابَهُ، وَأَوْعَدَهُ بِسَقَرَ، حَيْثُ قَالَ تَعَالٰى: "سَأُصْلِيهِ سَقَرَ" (الْمُدَّثِّرِ:۲۶)۔ فَلَمَّا أَوْعَدَ اللهُ بِسَقَرَ لِمَنْ قَالَ: "إِنْ هٰذَآ إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ" (الْمُدَّثِّرِ:۳۲)۔ عَلِمْنَا وَأَيْقَنَّا أَنَّهُ قَوْلُ خَالِقِ الْبَشَرِ، وَلَا يُشْبِهُ قَوْلَ البشر۔

ترجمہ بے شک قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ہی ظاہر ہوا ہے، قول کی شکل میں لیکن بلا کیفیت (قرآن کے نزول اور حروف کی شکل میں متشکل ہونا اس کی کیفیت کوئی نہیں جان سکتا)۔ اللہ تعالیٰ نے اس قرآن کو اپنی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی کی شکل میں نازل فرمایا ہے اور مؤمنین نے ٹھیک طریق پر اس کی تصدیق کی ہے اور وہ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ یہ قرآن حقیقتاً اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ یہ مخلوق نہیں جیسا کہ مخلوقات کا کلام ہوتا ہے، جس نے اس قرآن کو سُنا اور یہ خیال کیا کہ یہ بشر (انسان) کا کلام ہے، تو وہ کافر ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے شخص کی مذمت کی ہے، اس کی برائی بیان کی ہے

اور اسے عذاب کی وعید سنائی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''میں ایسے شخص کو دوزخ میں داخل کروں گا''۔ پس جب اللہ تعالیٰ نے ایسے شخص کو جو قرآن کے بارہ میں کہتا ہے کہ یہ انسان کا کلام ہے، دوزخ کی وعید سُنائی ہے۔ تو معلوم ہوا کہ یہ انسان کا کلام نہیں بلکہ انسانوں کو پیدا کرنے والے کا کلام ہے اور انسان کا کلام اس سے مشابہت نہیں رکھتا۔

30 وَمَنْ وَصَفَ اللهَ بِمَعْنًى مِنْ مَعَانِي الْبَشَرِ فقد كفر۔ فَمَنْ أَبْصَرَ هٰذَا اعْتَبَرَ، وَعَنْ مِثْلِ قَوْلِ الكفار انزجر، وعلم أن الله تعالىٰ بصفاته ليس كالبشر۔

ترجمہ جس شخص نے اللہ تعالیٰ کا وصف ایسے معنی اور صفت کے ساتھ کیا جو انسانوں میں پایا جاتا ہے تو ایسا شخص کافر ہوگا۔ پس جس شخص نے اس بات کو بصیرت کی آنکھ سے دیکھا اس نے عبرت حاصل کی اور کافروں جیسی بات کہنے سے باز آیا اور اس نے جان لیا کہ اللہ تعالیٰ اپنی صفات کے ساتھ انسانوں کے ساتھ مشابہت نہیں رکھتا۔

31 وَالرُّؤْيَةُ حَقٌّ لِأَهْلِ الْجَنَّةِ بِغَيْرِ إِحَاطَةٍ وَلَا كَيْفِيَّةٍ كَمَا نَطَقَ بِهِ كِتَابُ رَبِّنَا "وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَاضِرَةٌ۔ إِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ" (الْقِيَامَةِ:۲۳،۲۲) وَتَفْسِيرُهُ على ما أراده اللهُ تَعَالٰى وَعَلِمَهُ۔ وَكُلُّ مَا جَاءَ فِي ذلك من الحديث الصحيح عن الرسول صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَهُوَ كَمَا قَالَ۔ وَمَعْنَاهُ عَلٰى مَا أَرَادَ لا ندخل في ذلك متأولين بآرائنا، وَلَا مُتَوَهِّمِينَ بِأَهْوَائِنَا، فَإِنَّهُ مَا سَلِمَ فِي دِينِهِ إِلَّا مَنْ سَلَّمَ لِلّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ ولرسوله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ وَرَدَّ عِلْمَ مَا اشْتَبَهَ عَلَيْهِ إِلٰى عَالِمِهِ۔

ترجمہ اللہ تعالیٰ کا دیدار اہل جنت کے لیے بغیر احاطہ کرنے کے اور بغیر کیفیت کے برحق ہے، جیسا کہ ہمارے پروردگار کی کتاب قرآن مجید نے اس کو بیان کیا ہے:

وُجُوهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ۔ إِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ۔ (القیامۃ: ۲۲، ۲۳)

ترجمہ اُس دن بہت سے چہرے شاداب ہوں گے، اپنے پروردگار کی طرف دیکھ رہے

ہوں گے۔

اور دیدار ورؤیت کی تفسیر وتشریح اسی طرح درست ہوگی جس طرح اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا ہے۔ اس بارہ میں جو جناب رسول اللہ ﷺ سے صحیح حدیث آئی ہے، تو وہ اسی طرح برحق ہے اور اس کا معنیٰ وہی ہے جو آپ ﷺ نے ارادہ کیا ہے۔ ہم اس سلسلہ میں اپنی رائے کے ساتھ تاویل نہیں کرتے اور نہ اپنی خواہشات کے ساتھ وہم میں پڑتے ہیں، کیونکہ دین میں وہی آدمی بچا ہے جس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے سامنے سرِ تسلیم خم کیا ہے۔ اور جو چیز اس کے نزدیک مشتبہ ہو اس کو جاننے والے کی طرف سونپ دے۔

32 وَلَا تَثْبُتُ قَدَمُ الْإِسْلَامِ إِلَّا عَلٰى ظَهْرِ التسليم والاستسلام. فَمَنْ رَامَ عِلْمَ مَا حُظِرَ عَنْهُ عِلْمُهُ، وَلَمْ يَقْنَعْ بِالتَّسْلِيمِ فَهْمُهُ، حَجَبَهُ مَرَامُهُ عَنْ خالص التوحيد، وصافي المعرفة، وصحيح الإيمان، فَيَتَذَبْذَبُ بَيْنَ الْكُفْرِ وَالْإِيمَانِ، وَالتَّصْدِيقِ وَالتَّكْذِيبِ، وَالْإِقْرَارِ والإنكار، موسوساً تائهاً، شاكاً، لا مؤمناً مصدقاً، ولا جاحداً مُكَذِّباً.

ترجمہ: اور اسلام کا قدم پختہ اور ثابت نہیں رہ سکتا مگر تسلیم اور انقیاد کی پشت پر۔ اب جو آدمی اس چیز کے علم کا قصد کرتا ہے جس کے علم سے اُسے منع کیا گیا ہے اور اس کا فہم تسلیم پر قناعت نہ کرے تو اس کو یہ مقصد خالص توحید، صاف معرفت اور صحیح ایمان سے روک دے گا۔ تو ایسا آدمی کفر وایمان، تصدیق وتکذیب، اقرار وانکار کے درمیان متذبذب، متردد اور وسوسہ میں مبتلا ہو کر حیران وسرگردان رہے گا۔ شک میں پڑا ہوا، کج رو اور گمراہ ہوگا۔ نہ تو وہ مؤمن تصدیق کرنے والا ہوگا اور نہ منکر جھٹلانے والا ہوگا۔

33 وَلَا يَصِحُّ الْإِيمَانُ بِالرُّؤْيَةِ لِأَهْلِ دَارِ السَّلَامِ لمن اعتبرها مِنْهُمْ بِوَهْمٍ، أَوْ تَأَوَّلَهَا بِفَهْمٍ، إِذْ كَانَ تَأْوِيلُ الرُّؤْيَةِ وَتَأْوِيلُ كُلِّ مَعْنًى يُضَافُ إِلَى الربوبية بترك التَّأْوِيلِ وَلُزُومَ التَّسْلِيمِ. وَعَلَيْهِ دِينُ

المرسلين وشرائع النبيين والْمُسْلِمِينَ.

وَمَنْ لَمْ يَتَوَقَّ النَّفْيَ وَالتَّشْبِيهَ زَلَّ وَلَمْ يُصِبِ التنزيه. فَإِنَّ رَبَّنَا جَلَّ وَعَلَا مَوْصُوفٌ بِصِفَاتِ الْوَحْدَانِيَّةِ، مَنْعُوتٌ بِنُعُوتِ الْفَرْدَانِيَّةِ. لَيْسَ فِي مَعْنَاهُ أَحَدٌ من البرية.

ترجمہ: اور اہل ایمان میں سے جو آدمی اپنے وہم کے ساتھ رؤیت کا اعتبار کرے گا۔ اپنے فہم (ناقص) کے ساتھ اس کی تاویل کرے گا تو اس کا ایمان صحیح نہ ہوگا۔ اس لیے کہ رؤیت کی تاویل کرنا، اور ہر اس صفت کی تاویل کرنا جو ربوبیت کی طرف منسوب ہے، اس سے ایمان درست نہیں ہوگا، سوائے اس کے کہ تاویل ترک کردے اور تسلیم کو لازم پکڑے، انبیاء اور رسل علیہم السلام کا دین اسی عقیدہ پر ہے۔

اور جو آدمی (جن چیزوں کی نفی کرنا اللہ تعالیٰ کی ذات سے ضروری ہے ایسی چیزوں کی) نفی سے نہیں بچے گا اور اسی طرح جو تشبیہ (اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے کسی چیز کے ساتھ تشبیہ دینے) سے نہیں بچے گا، تو ایسا آدمی راہِ راست سے پھسل جائے گا۔ اور (اللہ تعالیٰ کی) تنزیہ کو نہیں پا سکے گا۔ کیونکہ ہمارا پروردگار وحدانیت کی صفات کے ساتھ موصوف ہے اور فردانیت کی نعوت کے ساتھ متصف ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفت کی طرح مخلوق میں سے کوئی نہیں ہے۔

34 وَتَعَالٰى عَنِ الْحُدُودِ وَالْغَايَاتِ وَالْأَرْكَانِ وَالْأَعْضَاءِ وَالْأَدَوَاتِ، لا تَحْوِيهِ الجهاتُ الستُّ كَسَائِرِ الْمُبْتَدِعَاتِ.

اللہ تعالیٰ حدود وغایت، اعضاء وارکان اور آلات سے بلند وبرتر ہے۔ جہاتِ ستہ (فوق، تحت، قدام، خلف، یمین، یسار) اس کا احاطہ نہیں کرتیں، جیسا کہ تمام مخلوقات کا احاطہ کرتی ہیں۔

35 وَالْمِعْرَاجُ حَقٌّ وَقَدْ أُسْرِيَ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. وَعُرِجَ بِشَخْصِهِ فِي الْيَقَظَةِ إِلَى السَّمَاءِ. ثُمَّ إِلٰى حَيْثُ شَاءَ اللهُ مِنَ الْعُلٰى. وَأَكْرَمَهُ اللهُ بِمَا شَاءَ، وَأَوْحٰى إِلَيْهِ مَا أَوْحٰى: "ما كذب الفؤاد ما رأى". (النجم:١١). فَصَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الآخرة والأولى.

ترجمہ اور معراج برحق ہے۔ جناب رسول اللہ ﷺ کو رات کے وقت سیر کرائی، بیداری کی حالت میں آپ کے شخص یعنی جسد مبارک کو آسمان دنیا تک اوپر لے جایا گیا۔ پھر وہاں سے آگے جہاں تک اللہ تعالیٰ نے چاہا بلندیوں پر آپ ﷺ کو لے جایا گیا اور جس چیز کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے چاہا آپ ﷺ کو بزرگی بخشی اور اللہ تعالیٰ نے (وہاں) اپنے بندہ پر جو چاہا وحی نازل فرمائی۔

فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ. مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَىٰ. (النجم:۱۱)

ترجمہ اس طرح اللہ تعالیٰ کو اپنے بندے پر جو وحی فرمانی تھی، وہ نازل فرمائی۔ جو کچھ انھوں نے دیکھا، دِل نے اُس میں کوئی غلطی نہیں کی۔

پس اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ پر دنیا اور آخرت میں درود و سلام بھیجے۔

36 والعرش والكرسي حقٌّ، كما بيَّنَ الله تعالى في كتابه.

عرش اور کرسی برحق ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن مجید میں اس کا بیان فرمایا ہے۔

37 وهو عزَّ وَجَلَّ مُسْتَغْنٍ عن العرش وما دونه.

باوجود اس کے اللہ تعالیٰ عرش اور مادون عرش سے مستغنی ہے۔

38 مُحِيطٌ بِكُلِّ شَيْءٍ وَبِمَا فَوْقَهُ وَقَدْ أَعْجَزَ عَنِ الإحاطة خلقَهُ.

اللہ تعالیٰ ہر چیز کا ہر جانب سے احاطہ کرنے والا ہے، اور اس کی مخلوق اس کا احاطہ کرنے سے عاجز ہے۔

39 وَلَا نَخُوضُ فِي اللهِ وَلَا نُمَارِي فِي دين الله تعالى.

اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارہ میں ہم خوض نہیں کرتے (کیونکہ عقل انسانی اللہ تعالیٰ کی ذات کو سمجھنے سے درماندہ اور عاجز ہے) اور ہم دین کے بارہ میں جھگڑا بھی نہیں کرتے۔

(بيان اعتقاد أهل السنة والجماعة على مذهب الفقهاء الملة أبي حنيفة وأبي يوسف ومحمد بن الحسن، المعروف عقیدۃ الطحاوی ص ۶ تا ۱۴ طبع مکتبۃ البشریٰ، کراچی؛ مترجم ص ۲۸ تا ۶۵ طبع ادارہ نشر و اشاعت، مدرسہ نصرت العلوم، گوجرانوالہ)

4 حضرت امام ابوالحسن اشعریؒ (المتوفی ۳۲۴ھ) کے عقائد

علم عقائد میں اہل السنت والجماعت کے دو مشہور امام گزرے ہیں:

۱ امام ابوالحسن الاشعریؒ (المتوفی ۳۲۴ھ)،

۲ امام ابوالمنصور محمد بن محمود سمرقندی الماتریدیؒ (المتوفی ۳۳۳ھ)

ان دونوں اماموں کی طرف نسبت سے اہل السنت والجماعت کے دو گروہ ہیں: اشاعرہ اور ماتریدیہ۔ اشاعرہ حضرت امام ابوالحسن الاشعریؒ کی طرف منسوب ہیں جو چار واسطوں سے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ صحابی رسول ﷺ کی اولاد میں سے ہیں۔

1 کتاب: الإبانة عن أصول الديانة میں مذکور عقائد

1 قولنا الذي نقول به، وديانتنا التي ندين بها، التمسك بكتاب الله ربنا عز وجل، وبسنة نبينا محمد صلى الله عليه وسلم، وما روى عن السادة الصحابة والتابعين وأئمة الحديث، ونحن بذلك معتصمون، وبما كان يقول به أبو عبد الله أحمد بن محمد بن حنبل، نضر الله وجهه ورفع درجته وأجزل مثوبته، قائلون، ولما خالف قوله مخالفون، لأنه الإمام الفاضل، والرئيس الكامل، الذي أبان الله به الحق، ودفع به الضلال، وأوضح به المنهاج، وقمع به بدع المبتدعين، وزيغ الزائغين، وشك الشاكين، فرحمة الله عليه من إمام مقدم، وجليل معظم، وكبير مفهم.

2 وجملة قولنا: أنا نقر بالله وملائكته وكتبه ورسله، وبما جاءوا به من عند الله، وما رواه الثقات عن رسول الله صلى الله عليه

وسلم، لا نرد من ذلك شيئا۔

3 وأن الله عز وجل إله واحد لا إله إلا هو، فرد صمد، لم يتخذ صاحبة ولا ولدا۔

4 وأن محمدا عبده ورسوله، أرسله بالهدى ودين الحق۔

5 وأن الجنة والنار حق، وأن الساعة آتية لا ريب فيها، وأن الله يبعث من في القبور۔

6 وأن الله تعالى استوى على العرش على الوجه الذي قاله، وبالمعنى الذي أراده، استواءً مُنَزَّهاً عن المماسّة والاستقرار، والتمكن والحلول والانتقال، لا يحمله العرش، بل العرش وحملته محمولون بلطف قدرته ومقهورون في قبضته، وهو فوق العرش وفوق كل شئ إلى تخوم الثرى، فوقية لا تزيده قربا إلى العرش والسماء، بل هو رفيع الدرجات عن العرش، كما أنه رفيع الدرجات عن الثرى، وهو مع ذلك قريب من كل موجود، وهو أقرب إلى العبد من حبل الوريد، وهو على كل شيءٍ شهيد۔

7 وأن له سبحانه وجها بلا كيف، كما قال: "ويبقى وجه ربك ذو الجلال والإكرام"۔ (الرحمٰن:٢٧)

8 وأن له سبحانه يَدَيْن بلا كيف، كما قال سبحانه: "خلقت بيدى" من الآية(ص:٧٥)، وكما قال: "بل يداه مبسوطتان" من الآية (المائدة:٦٤)

9 وأن له سبحانه عينين بلا كيف، كما قال سبحانه: "تجرى بأعيننا" من الآية (القمر:١٤)۔

10 وأن من زعم أن أسماء الله غيره كان ضالا۔

11 وأن لله علما كما قال: "أنزله بعلمه" من الآية(النساء:١٦٦)، وكما قال: "وما تحمل من أنثى ولا تضع إلا بعلمه" من الآية (فاطر:١١)۔

12 ونثبت لله السمع والبصر، ولا ننفى ذلك كما نفته المعتزلة والجهمية والخوارج۔

13 ونثبت أن لله قوة، كما قال: "أولم يروا أن الله الذى خلقهم هو أشد منهم قوة" من الآية(فصلت:١٥)

14 ونقول: إن كلام الله غير مخلوق، وأنه سبحانه لم يخلق شيئا إلا وقد قال له كن، كما قال: "إنما قولنا لشئٍ إذا أردناه أن نقول له كن فيكون"۔ (النحل:٤٠)

15 وأنه لا يكون في الأرض شيء من خير أو شر إلا ما شاء الله، وأن الأشياء تكون بمشيئة الله عز وجل، وأن أحدا لا يستطيع أن يفعل شيئا قبل أن يفعله، ولا يستغنى عن الله، ولا يقدر على الخروج من علم الله عز وجل.

16 وأنه لا خالق إلا الله، وأن أعمال العباد مخلوقة لله مقدرة، كما قال سبحانه: "والله خلقكم وما تعملون" (الصّٰفّٰت:٩٦)، وأن العباد لا يقدرون أن يخلقوا شيئا، وهم يخلقون، كما قال: "هل من خالق غير الله" من الآية (فاطر:٣) ، وكما قال: "لا يخلقون شيئا وهم يخلقون" من الآية (النحل:٢٠)، وكما قال سبحانه: "أفمن يخلق كمن لا يخلق" (النحل:١٧)، وكما قال: "أم خلقوا من غير شيء أم هم الخالقون" (الطور:٣٥)۔ وهذا في كتاب الله كثير۔

17 وأن الله وفق المؤمنين لطاعته، ولطف بهم، ونظر لهم، و أصلحهم وهداهم، وأضل الكافرين ولم يهدهم، ولم يلطف بهم بالإيمان، كما زعم أهل الزيغ والطغيان، ولو لطف بهم و أصلحهم لكانوا صالحين، ولو هداهم لكانوا مهتدين۔

18 وإن الله يقدر أن يصلح الكافرين، ويلطف بهم حتى يكونوا مؤمنين۔ ولكنه أراد أن يكونوا كافرين، كما علم وخذلهم وطبع

علی قلوبهم۔

19 وأن الخير والشر بقضاء الله وقدره، وإنا نؤمن بقضاء الله وقدره، خيره وشره، حلوه ومره، ونعلم أن ما أخطأنا لم يكن ليصيبنا، وأن ما أصابنا لم يكن ليخطئنا۔

20 وأن العباد لا يملكون لأنفسهم ضرا ولا نفعا إلا بإذن الله، كما قال عز وجل: "قل لا أملك لنفسي نفعا ولا ضرا إلا ما شاء الله"۔ (الاعراف:۱۸۸)

21 ونلجئُ أمورنا إلى الله، ونثبت الحاجة والفقر في كل وقت إليه سبحانه وتعالى۔

22 ونقول: إن كلام الله غير مخلوق، وأن من قال بخلق القرآن فهو كافر۔

23 وندين بأن الله يُرى في الآخرة بالأبصار، كما يُرى القمر ليلة البدر، يراه المؤمنون كما جاءت الروايات عن رسول الله صلى الله عليه وسلم۔

24 ونقول: إن الكافرين محجوبون عنه إذا رآه المؤمنون في الجنة، كما قال سبحانه: "كلا إنهم عن ربهم يومئذ لمحجوبون" (المُطَفِّفِيْن:۱۵)، وإن موسى سأل الله عز وجل الرؤية في الدنيا، وأن الله تعالى تجلى للجبل فجعله دكا، فأعلم بذلك موسى أنه لا يراه في الدنيا۔

(الإبانة عن أصول الديانة، ص۲۰ تا۲۶۔المؤلف:أبو الحسن علي بن إسماعيل بن إسحاق بن سالم بن إسماعيل بن عبد الله بن موسى بن أبي بردة بن أبي موسى الأشعري (المتوفى ۳۲۴ھ)۔ المحق: د . فوقية حسين محمود۔الناشر: دار الأنصار، القاهرة)

ترجمہ

1 جس عقیدہ کے ہم قائل اور جس مسلک پر گامزن ہیں۔وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کو مضبوط پکڑا جائے۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین عظامؒ اور ائمۂ حدیث سے جو کچھ مروی ہے، اس پر ہی اعتماد کیا جائے۔ہم اسی مسلک کو خوب تھامے ہوئے ہیں، یعنی حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے عقائد کو اختیار کیے ہوئے ہیں۔اللہ تعالیٰ ان کو عزت دے، ان کے درجے بلند کرے اور بہت زیادہ اجر عنایت فرمائے۔جو لوگ حضرت امام احمدؒ کے مذہب سے الگ ہیں، ہم ان سے دور ہیں۔اس لیے کہ وہ بڑی فضیلت والے امام اور کامل پیشوا تھے۔حق تعالیٰ نے ان کے ذریعے اس وقت حق روشن کیا جب گمراہی غلبہ حاصل کر رہی تھی۔ان کے واسطہ سے صراطِ مستقیم کی وضاحت فرمائی۔ان کی بدولت بدعتیوں کی بدعتیں، کج رولوگوں کی کج رویاں اور کچے لوگوں کے شک زائل ہوئے۔ایسے بلند مرتبہ امام اور دوسرے بزرگ اماموں پر اللہ تعالیٰ اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔

2 ہم اللہ تعالیٰ پر، اس کے ملائکہ پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں۔اور جو کچھ ثقہ اور قابلِ اعتماد راوی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، اس پر بھی ایمان رکھتے ہیں، اس میں سے کسی چیز کو بھی رد نہیں کرتے۔

3 ہمارا اعتقاد ہے کہ اللہ ایک ہے، تنہا ہے، بے نیاز ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔نہ اس کی بیوی ہے، نہ اولاد۔

4 ہمارا یہ بھی اعتقاد ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔اللہ تعالیٰ نے ان کو ہدایت اور دینِ حق دے کر بھیجا۔

5 بے شک جنت اور دوزخ حق ہیں۔بلا شک وشبہ قیامت آکر رہے گی۔اور اللہ تعالیٰ قبر سے لوگوں کو پھر سے زندہ کر کے اُٹھائیں گے۔

6 اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہیں، اس طریقے سے جس طرح اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے اور اس معنی کے ساتھ جس کا اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا ہے۔استواء مماست، استقرار، تمکن، حلول اور انتقال (حرکت) سے منزہ اور مبرا ہے۔عرش اللہ تعالیٰ کو اُٹھائے ہوئے نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت اور لطف وکرم سے عرش اور حاملین عرش کو

تھامے ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے قبضہ وقدرت کے سامنے سب مقہور ومجبور ہیں۔

اللہ تعالیٰ عرش سے اور ہر چیز یہاں تک کہ تحت الثریٰ سے بہت بلند وبرتر ہیں۔ایسی بلندی پر ہیں جو عرش اور آسمان اس کے قرب کو زیادہ نہیں کرسکتی، بلکہ اللہ تعالیٰ عرش سے بہت بلند درجات والے ہے جیسا کہ وہ تحت الثریٰ کے لحاظ سے بھی بہت بلند درجات والے ہے، باوجود اس کے وہ ہر موجودات سے قریب بھی ہیں۔وہ بندے سے اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔وہ ہر چیز پر حاضر وناظر بھی ہیں۔

7 اللہ تعالیٰ کی صفتِ وجہ بھی بلا کیف ہے جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ۔ (الرحمن:۲۷)

ترجمہ بس باقی رہے گی ذات تیرے پروردگار کی جو بزرگی اور عظمت والا ہے۔

8 اللہ تعالیٰ کی صفتِ یدین بھی بلا کیف ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

★ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ ۔ (ص:۷۵)

ترجمہ اے ابلیس! تجھے کس بات نے روکا سجدہ کرنے سے اس کو جس کو میں نے اپنے دونوں ہاتھوں (اورقدرتِ خاصہ) سے بنایا۔

☆ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ۔ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا ۔ بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ ۔ (المائدۃ:۶۴)

ترجمہ اور یہودی کہتے ہیں کہ ’’اللہ تعالیٰ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں‘‘۔ ہاتھ تو خود ان کے بندھے ہوئے ہیں۔اور جو بات انہوں نے کہی ہے اس کی وجہ سے ان پر لعنت الگ پڑی ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ پوری طرح کشادہ ہیں۔وہ جس طرح چاہتا ہے،خرچ کرتا ہے۔

9 اللہ تعالیٰ کی صفتِ عینین بھی بلا کیف ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

تَجْرِيْ بِاَعْيُنِنَا ۔ (القمر:۱۴)

ترجمہ وہ ہماری آنکھوں کے سامنے چلتی ہے۔

10 جس شخص نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء اس کے غیر کے بھی ہیں تو وہ گمراہ ہے۔

11 اللہ تعالیٰ صفتِ علم سے موصوف ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ ۔ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۔ (النساء:۱۶۶)

ترجمہ لیکن اللہ تعالیٰ نے جو کچھ تم پر نازل کیا ہے،اس کے بارے میں وہ خود بھی گواہی دیتا ہے کہ اس نے اسے اپنے علم سے نازل کیا ہے، اور فرشتے بھی گواہی دیتے ہیں، اور (یوں تو) اللہ تعالیٰ کی گواہی ہی بالکل کافی ہے۔

وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ۔ (فاطر:۱۱)

ترجمہ اور کسی مادہ کو جو کوئی حمل ہوتا ہے، اور جو کچھ وہ جنتی (پیدا کرتی) ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے علم سے ہوتا ہے۔

12 ہم اللہ تعالیٰ کے لیے سمع (کان) اور بصر (آنکھ) بھی ثابت مانتے ہیں۔معتزلہ، جہمیہ اور خوارج کی طرح ان کی نفی نہیں کرتے۔

13 ہم اللہ تعالیٰ کے لیے قوت بھی مانتے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً ۔ (حم سجدہ:۱۵)

ترجمہ بھلا کیا اُن کو یہ نہیں سوجھا کہ جس اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا کیا ہے، وہ طاقت میں اُن سے کہیں زیادہ ہے؟

14 اللہ تعالیٰ ہر چیز کو کلمۂ ’’کن‘‘ سے پیدا کرتے ہیں۔جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۔ (النحل:۴۰)

ترجمہ اور جب ہم کسی چیز کو پیدا کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو ہماری طرف سے صرف اتنی بات ہوتی ہے کہ ہم اُسے کہتے ہیں: ’’ہوجا‘‘۔بس وہ ہوجاتی ہے۔

15 دنیا میں ہر چیز خیر ہو یا شر، مشیئتِ ایزدی کے تحت ہے۔اور تمام اشیاء اللہ تعالیٰ کی مشیئت سے ہی ہوتی ہیں۔اللہ تعالیٰ کے فعل سے پہلے کوئی شخص کام نہیں کرسکتا۔ہم اللہ تعالیٰ سے کبھی بے نیاز نہیں ہوسکتے۔نہ اس کے علم سے نکلنے کی ہم میں طاقت ہے۔

16 خالق وہی ہے۔بندوں کے اعمال ان کی اپنی قدرت اور اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے

سے وقوع میں آتے ہیں۔ جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

١ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ۔ (الصفت:٩٦)

ترجمہ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں بھی پیدا کیا ہے، اور جو کچھ تم بناتے ہو، اس کو بھی۔ (یعنی تمہارے اعمال کو بھی)

☆ انسان کی کیا مجال ہے کہ کچھ پیدا کر سکے۔ وہ تو خود مخلوق ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

٢ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْأَرْضِ۔ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ۔ فَأَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ۔ (فاطر:٣)

ترجمہ کیا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور خالق ہے جو تمہیں آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہو؟ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ پھر آخر تم کہاں اوندھے چلے جا رہے ہو؟

٣ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ۔ (النحل:٢٠)

ترجمہ اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر یہ لوگ جن کو پکارتے ہیں، وہ کچھ بھی پیدا نہیں کرتے، وہ تو خود ہی مخلوق ہیں۔

٤ أَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ۔ أَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ۔ (النحل:١٧)

ترجمہ اب بتاؤ کہ جو ذات (یہ ساری چیزیں) پیدا کرتی ہے، کیا وہ ان کے برابر ہو سکتی ہے جو کچھ پیدا نہیں کرتے؟ کیا پھر بھی تم کوئی سبق نہیں لیتے؟

أَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخَالِقُوْنَ۔ (الطور:٣٥)

ترجمہ کیا یہ لوگ بغیر کسی کے آپ سے پیدا ہو گئے ہیں، یا یہ خود (اپنے) خالق ہیں؟

یہ مسئلہ قرآن مجید میں بکثرت آیا ہے۔

17 اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کو اپنی طاعت کی توفیق دے کر ان پر مہربانی فرمائی۔ ان پر نظر کرم فرمائی۔ اس کی ہدایت سے وہ ہدایت یاب ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ ہی نے کافروں کو گمراہی کے راستے پر ڈال دیا اور ان کو ہدایت نہیں دی۔ اور ان کو ایمان کے ساتھ لطف وکرم سے نہیں نوازا۔ جیسا کہ گمراہ اور سرکش لوگ گمان کرتے

ہیں (ایسا نہیں ہے)۔ اگر اللہ تعالیٰ ان پر مہربان ہوتے اور ان کی اصلاح فرماتے، تو وہ بھی صالحین میں سے ہو جاتے۔ اگر اللہ تعالیٰ ان کو ہدیت سے نوازتے تو وہ بھی ہدایت یافتہ ہوتے۔

18 اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہیں کہ کافروں کی اصلاح فرما دیں۔ ان کو اپنی مہربانی سے نواز دیں یہاں تک کہ وہ مؤمن بن جائیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے یہی ارادہ کیا کہ وہ کافر ہی رہیں، جیسا کہ اس کے علم میں ہے۔ اس نے کافروں کو رُسوا ہی کیا اور ان کے دلوں پر مہر لگا دی۔ جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ۔ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْخَاسِرُوْنَ۔
(الاعراف:١٧٨)

ترجمہ جسے اللہ تعالیٰ ہدایت دے، بس وہی ہدایت یافتہ ہوتا ہے، اور جسے وہ گمراہ کر دے، تو ایسے ہی لوگ ہیں جو نقصان اُٹھاتے ہیں۔

19 ہم اللہ تعالیٰ کی قضا وقدر پر ایمان رکھتے ہیں۔ اس کے خیر پر، اس کے شر پر، اس کی خوشگواری پر، اس کی تلخی پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔ عین یقین ہے جو ہمیں مل گیا ہے، وہ چوکنے والا نہ تھا۔ اور جس سے ہم محروم ہو گئے ہیں وہ ہمیں کسی صورت مل نہیں سکتا تھا۔

20 بندے اپنے نفع اور نقصان کے ہرگز مالک نہیں ہیں، مگر اللہ تعالیٰ کے حکم سے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

قُلْ لَّآ أَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ۔ وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ۔ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ۔ إِنْ أَنَا إِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ۔ (الاعراف:١٨٨)

ترجمہ کہو کہ: ’’جب تک اللہ تعالیٰ نہ چاہے، میں خود اپنے آپ کو بھی کوئی نفع یا نقصان پہنچانے کا اختیار نہیں رکھتا۔ اور اگر مجھے غیب کا علم ہوتا تو میں اچھی اچھی چیزیں خوب جمع کرتا، اور مجھے کبھی کوئی تکلیف ہی نہ پہنچتی۔ میں تو بس ایک ہوشیار کرنے والا اور خوش خبری سنانے والا ہوں، اُن لوگوں کے لیے جو میری بات مانیں‘‘۔

21 ہم اپنے امور کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں۔ ہر وقت اپنی حاجات اور احتیاج کو اللہ

تعالیٰ سے مانگتے ہیں۔

22 ہم کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ کا کلام مخلوق نہیں ہے۔ جس شخص نے بھی قرآن مجید کو مخلوق کہا، تو وہ کافر ہو گیا۔

23 ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو آنکھوں کے ساتھ آخرت میں دیکھا جائے گا، جیسا کہ چودھویں رات کے چاند کو دیکھا جاتا ہے۔ مؤمنین اللہ تعالیٰ کی زیارت کریں گے جیسا کہ جناب رسول اللہ ﷺ کی احادیثِ مبارکہ میں آیا ہے۔

24 ہمارا عقیدہ ہے کہ کافروں کو اللہ تعالیٰ کی زیارت سے محروم کیا جائے گا جب کہ مؤمن اللہ تعالیٰ کی جنت میں زیارت کریں گے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

كَلَّآ إِنَّهُمْ عَن رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوبُونَ ۔ (الْمُطَفِّفِينَ: ۱۵)

ترجمہ ہرگز نہیں! حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ اُس دن اپنے پروردگار کے دیدار سے محروم ہوں گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس دنیا میں زیارت کی درخواست کی۔ اور اللہ تعالیٰ نے طور پہاڑ پر اپنی تجلی ظاہر فرمائی، تو اس کو ریزہ ریزہ کر دیا، تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ بات بتلا دی کہ اس کی اس دنیا میں زیارت نہیں ہو سکتی۔

نوٹ قرآن مجید نے اس کو کس دل نشین انداز میں بیان کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

وَلَمَّا جَآءَ مُوسَىٰ لِمِيقَاتِنَا وَكَلَّمَهُۥ رَبُّهُۥ قَالَ رَبِّ أَرِنِىٓ أَنظُرْ إِلَيْكَ ۔ قَالَ لَن تَرَىٰنِى وَلَٰكِنِ ٱنظُرْ إِلَى ٱلْجَبَلِ فَإِنِ ٱسْتَقَرَّ مَكَانَهُۥ فَسَوْفَ تَرَىٰنِى ۔ فَلَمَّا تَجَلَّىٰ رَبُّهُۥ لِلْجَبَلِ جَعَلَهُۥ دَكًّا وَخَرَّ مُوسَىٰ صَعِقًا ۔ فَلَمَّآ أَفَاقَ قَالَ سُبْحَٰنَكَ تُبْتُ إِلَيْكَ وَأَنَا۠ أَوَّلُ ٱلْمُؤْمِنِينَ ۔ (الاعراف: ۱۴۳)

ترجمہ اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام ہمارے مقررہ وقت پر پہنچے، اور اُن کا رب اُن سے ہم کلام ہوا، تو وہ کہنے لگے: میرے پروردگار! مجھے دیدار کرا دیجیے کہ میں آپ کو دیکھ لوں''۔ فرمایا: ''تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکو گے۔ البتہ پہاڑ کی طرف نظر اُٹھاؤ۔ اس کے بعد اگر وہ اپنی جگہ پر برقرار رہا تو تم مجھے دیکھ لو گے''۔ پھر جب اُن کے رب نے پہاڑ پر تجلی فرمائی تو اس کو ریزہ ریزہ کر دیا، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر

پڑے۔ بعد میں جب اُنہیں ہوش آیا تو انھوں نے کہا: ''پاک ہے آپ کی ذات! میں آپ کے حضور توبہ کرتا ہوں، اور (آپ کی اس بات پر کہ دُنیا میں کوئی آپ کو نہیں دیکھ سکتا) میں سب سے پہلے ایمان لاتا ہوں''۔

2 مقالات الإسلاميين میں مذکور عقائد

وقال أهل السنة وأصحاب الحديث:

1 ليس بجسم ولا يشبه الأشياء.

2 وأنه على العرش كما قال عز وجل: "الرَّحْمَٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَىٰ" (طه:۵). ولا نقدم بين يدي الله في القول بل نقول استوى بلا كيف.

3 وأنه نور كما قال تعالى: "اللَّهُ نُورُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ" (النور:۳۵)

4 وأن له وجهاً كما قال الله: "وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ" (الرحمن:۲۷).

5 وأن له يدين كما قال: "خَلَقْتُ بِيَدَيَّ" (ص:۷۵).

6 وأن له عينين كما قال: "تَجْرِي بِأَعْيُنِنَا" (القمر:۱۴).

7 وأنه يجيء يوم القيامة هو وملائكته كما قال: "وَجَاءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا" (الفجر:۲۲).

8 وأنه ينزل إلى السماء الدنيا كما جاء في الحديث.

9 ولم يقولوا شيئاً إلا ما وجدوه في الكتاب أو جاءت به الرواية عن رسول الله صلى الله عليه وسلم.

(مقالات الإسلاميين واختلاف المصلين، ج۱ ص۱۶۸۔ المؤلف: أبو الحسن علي بن إسماعيل بن إسحاق بن سالم بن إسماعيل بن عبد الله بن موسى بن أبي بردة بن أبي موسى الأشعري (المتوفى ۳۲۴ھ)۔ المحقق: نعيم زرزور۔ الناشر: المكتبة العصرية۔ الطبعة: الأولى، ۱۴۲۶ھ)

ترجمہ اہل السنت والجماعت اور محدثین کرامؒ فرماتے ہیں:

1 اللہ تعالیٰ جسم نہیں ہیں اور نہ وہ کسی چیز کے مشابہ ہیں۔

2 وہ عرش پر ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

أَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى۔ (سورت طٰہٰ:۵)

ترجمہ وہ بڑی رحمت والا عرش پر استواء فرمائے ہوئے ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ کے اس قول پر اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کہتے بلکہ ہم کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ کا عرش پر استواء کسی قسم کی کیفیت کے بغیر ہے۔

3 اللہ تعالیٰ نور ہے جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

أَللّٰهُ نُوْرُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ (النور:۳۵)

ترجمہ اللہ تعالیٰ تمام آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔

4 اللہ تعالیٰ کی صفتِ وجہ (بھی بلا کیف) ہے جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ۔ (الرحمن:۲۷)

ترجمہ بس باقی رہے گی ذات تیرے پروردگار کی جو بزرگی اور عظمت والا ہے۔

5 اللہ تعالیٰ کی صفتِ یدین (بھی بلا کیف) ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

يَآإِبْلِيْسُ مَا مَنَعَكَ أَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ۔ (ص:۷۵)

ترجمہ اے ابلیس! تجھے کس بات نے روکا سجدہ کرنے سے اس کو جس کو میں نے اپنے دونوں ہاتھوں (اور قدرتِ خاصہ) سے بنایا۔

6 اللہ تعالیٰ کی صفتِ عینین (بھی بلا کیف) ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

تَجْرِيْ بِأَعْيُنِنَا۔ (القمر:۱۴)

ترجمہ وہ ہماری آنکھوں کے سامنے چلتی ہے۔

7 قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے آئیں گے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا (الفجر:۲۲)

ترجمہ اور تمہارا پروردگار اور قطاریں باندھے ہوئے فرشتے (میدانِ حشر میں) آئیں گے۔

8 اللہ تعالیٰ آسمانِ دنیا پر نزول فرماتے ہیں جیسا کہ حدیثِ مبارکہ میں اس کا بیان ہے۔

9 سلفِ صالحینؒ اس بارے میں وہی بیان فرماتے تھے جو وہ قرآن مجید میں پاتے تھے، یا وہ حدیثِ مبارکہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہو۔

3 عقیدۂ نزولِ باری تعالیٰ

الإجماع الثامن

وأجمعوا على أنه عز وجل يجيء يوم القيامة والملك صفاً صفاً لعرض الأمم وحسابها، وعقابها وثوابها، فيغفر لمن يشاء من المذنبين، ويعذب منهم من يشاء، كما قال۔ وليس مجيئه حركة ولا زوالاً، وإنما يكون المجيء حركة وزوالاً إذا كان الجائی جسماً أو جوهراً۔ فإذا ثبت أنه عز وجل ليس بجسم ولا جوهر، لم يجب أن يكون مجيئه نقلة أو حركة۔ ألا ترى أنهم لا يريدون بقولهم: جاءت زيداً الحمى أنها تنقلت إليه، أو تحركت من مكان كانت فيه۔ إذ لم تكن جسماً ولا جوهراً، وإنما مجيئها إليه وجودها به۔ وأنه عز وجل ينزل إلى السماء الدنيا، كما روى عن النبی صلى الله عليه وسلم، وليس نزوله نقلة، لأنه ليس بجسم ولا جوهر۔

(رسالة إلى أهل الثغر بباب الأبواب ص۱۲۸، ۱۲۹۔ المؤلف: أبو الحسن على بن إسماعيل بن إسحاق بن سالم بن إسماعيل بن عبد الله بن موسى بن أبی بردة بن أبی موسى الأشعری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۳۲۴ھ)۔ المحقق: عبد الله شاكر محمد الجنيدی۔ الناشر: عمادة البحث العلمی بالجامعة الإسلامية، المدينة المنورة المملكة العربية السعودية۔ الطبعة ۱۴۱۳ھ)

ترجمہ **اجماع نمبر 8**

اس بات پر اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ اور فرشتے صف باندھ کر قیامت کے دن آئیں گے تاکہ قیامت کے دن امتوں کی پیشی، حساب وکتاب، ان کے لیے عذاب یا

ثواب ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ گنہگاروں میں سے جس کو چاہیں گے بخش دیں گے، اور جس کو چاہیں گے، عذاب دیں گے۔ جیسا کہ (قرآن وحدیث کا) فرمان ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ آنا حرکت اور زوال (جگہ سے ہٹ جانا) والا نہیں ہے۔ یہ حرکت اور زوال والی آمدورفت اس وقت ہوتی ہے جب وہ آنے والا جسم اور جوہر ہو۔ پھر جب یہ بات ثابت اور طے شدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نہ تو جسم ہیں، نہ جوہر۔ تو لازمی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کا آنا ایسا نہیں ہے جیسا ایک مکان سے منتقل ہو کر دوسرے مکان میں جانا اور حرکت والا ہو۔ کیا تو نے اس کو نہیں دیکھا ہے کہ لوگ اس بات سے: ''زید کو بخار آ گیا ہے'' سے یہ مراد ہرگز نہیں لیتے کہ بخار اس کی طرف ایک مقام سے منتقل ہو کر دوسری مقام پر آ گیا ہے، یا وہ ایک جگہ سے حرکت کر کے دوسری جگہ آ گیا ہے۔ اس کا آنا تو اس کے وجود کا آنا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا آسمانِ دنیا کی طرف نزول ہے، جیسا کہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کیا گیا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کا نزول حرکت والا نہیں ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نہ تو جسم ہیں، نہ جوہر۔

4 حضرت امام ابوالحسن اشعریؒ کے عقائد معتدل ہیں

كتب إليّ الشَّيْخ أَبُو الْقسم نصر بن نصر الْوَاعِظ يُخْبِرنِي عَن الْقَاضِي أَبِي الْمَعَالِي بن عَبْدِ الْمَلِكِ وَذكر أَبَا الْحسن الْأَشْعَرِيّ فَقَالَ: نضر الله وَجهه وَقدس روحه.

1 فَإِنَّهُ نظر فِي كتب الْمُعْتَزلَةِ والجهمية والرافضة وَإِنَّهُم عطلوا وأبطلوا، فقَالُوا: لَا علم لِله وَلَا قدرَة وَلَا سمع وَلَا بصر وَلَا حَيَاة وَلَا بَقَاء وَلَا إِرَادَة. وَقَالَت الحشوية والمجسمة والمكيفة المحددة: إِن لِله علما كالعلوم وقدرة كالقدر وسمعا كالأسماع وبصرا كالأبصار. فسلك رَضِيَ اللهُ عَنْهُ طَرِيقَة بَينهمَا، فَقَالَ: "إِن لِله سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى علما لَا كالعلوم وقدرة لَا كالقدر وسمعا لَا كالأسماع وبصرا لَا كالأبصار".

2 وَكَذَٰلِكَ قَالَ جهم بن صَفْوَان: العَبْد لَا يقدر على إِحْدَاث شَيْء وَلَا على كسب شَيْء. وَقَالَت الْمُعْتَزلَة: هُوَ قَادر على الإحداث وَالْكَسْب مَعًا. فسلك رَضِيَ اللهُ عَنْهُ طَرِيقَة بَينهمَا، فَقَالَ: "العَبْد لَا يقدر على الإحداث وَيقدر على الْكسْب". وَنفى قدرَة الإحداث وَأثبت قدرَة الْكسْب.

3 وَكَذَٰلِكَ قَالَت الحشوية المشبهة: إِن الله سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى يرى مكيفا محدودا كَسَائِر المرئيات. وَقَالَت الْمُعْتَزلَة والجهمية والنجارية: إِنَّهُ سُبْحَانَهُ لَا يرى بِحَال من الْأَحْوَال. فسلك رَضِيَ اللهُ عَنْهُ طَرِيقَة بَينهمَا، فَقَالَ: "يرى من غير حُلُول وَلَا حُدُود وَلَا تكييف كَمَا يرانا هُوَ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى وَهُوَ غير مَحْدُود وَلَا مكيف، فَكَذَٰلِك نرَاهُ وَهُوَ غير مَحْدُود وَلَا مكيف".

4 وَكَذَٰلِكَ قَالَت النجارية: إِن الْبَارِي سُبْحَانَهُ بِكُل مَكَان من غير حُلُول وَلَا جِهَة. وَقَالَت الحشوية والمجسمة: إِنَّه سُبْحَانَهُ حَال فِي الْعَرْش، وَإِن الْعَرْش مَكَان لَهُ وَهُوَ جَالس عَلَيْهِ. فسلك طَرِيقَة بَينهمَا، فَقَالَ: "كَانَ وَلَا مَكَان، فخلق الْعَرْش والكرسي، وَلم يحْتَج إِلَى مَكَان، وَهُوَ بعد خلق الْمَكَان كَمَا كَانَ قبل خلقه".

5 وَقَالَت الْمُعْتَزلَة: لَهُ يَد: يَد قدرَة ونعمة، وَوَجهه: وَجه وجود. وَقَالَت الحشوية: يَده: يَد جارحة، وَوَجهه: وَجه صُورَة. فسلك رَضِيَ اللهُ عَنْهُ طَرِيقَة بَينهمَا، فَقَالَ: "يَده: يَد صفة، وَوَجهه: وَجه صفة كالسمع وَالْبَصَر".

6 وَكَذَٰلِكَ قَالَت الْمُعْتَزلَة: النُّزُول: نزُول بعض آيَاته وَمَلَائِكَته، والاستواء: بِمَعْنى الِاسْتِيلَاء. وَقَالَت المشبهة والحشوية: النُّزُول: نزُول ذَاته بحركة، وانتقال من مَكَان إِلَى مَكَان. والاستواء: جُلُوس على الْعَرْش وحلول فِيهِ. فسلك رَضِيَ اللهُ عَنْهُ

طَرِيقَة بَينهمَا. فَقَالَ: "النُّزُول: صفة من صِفَاته والإستواء".

7 وَكَذٰلِكَ قَالَت الْمُعْتَزِلَة: كَلَام الله مَخْلُوق مخترع مُبْتَدع. وَقَالَت الحشوية والمجسمة: الْحُرُوف الْمُقطعَة، والأجسام الَّتِي يكْتب عَلَيْهَا والألوان الَّتِي يكْتب بهَا وَمَا بَين الدفتين كلهَا قديمَة أزلية. فسلك رَضِيَ اللهُ عَنْهُ طَرِيقَة بَينهمَا. فَقَالَ: "الْقُرْآن كَلَام الله، قديم، غير مغير، وَلَا مَخْلُوق، وَلَا حَادث، وَلَا مُبْتَدع. فَأَما الْحُرُوف الْمُقطعَة والأجسام والألوان والأصوات والمحدودات وكل مَا فِي الْعَالم من المكيفات مَخْلُوق مُبْتَدع مخترع".

(تبيين كذب المفترى فيما نسب إلى الإمام أبي الحسن الأشعري، ص ۱۴۹، ۱۵۰۔ المؤلف: ثقة الدين، أبو القاسم علي بن الحسن بن هبة الله المعروف بابن عساكر رحمه الله (المتوفی ۵۷۱ھ)۔ الناشر: دار الكتاب العربي، بيروت۔ الطبعة: الثالثة، ۱۴۰۴ھ)

ترجمہ حضرت امام ابن عساکرؒ (أبو القاسم علي بن الحسن بن هبة الله المعروف بابن عساكر، المتوفی ۵۷۱ھ) فرماتے ہیں کہ مجھے شیخ ابوالقسم نصر بن نصر واعظؒ نے یہ لکھا کہ وہ فرماتے ہیں کہ ان کو قاضی ابوالمعالی بن عبدالملکؒ کی طرف سے یہ خبر پہنچی ہے کہ انھوں نے حضرت امام ابوالحسن اشعریؒ کا ذکر خیر کیا تو فرمایا: اللہ تعالیٰ ان کے چہرے کو تروتازہ رکھے اور ان کی روح کو پاکیزہ بنائے۔

1 حضرت امام ابوالحسن اشعریؒ نے معتزلہ، جہمیہ اور رافضیوں کی کتب کا مطالعہ کیا کہ ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی ذات سے صفات کو معطل اور باطل قرار دیا اور یوں کہا: اللہ تعالیٰ کے لیے علم، قدرت، سننا، دیکھنا، حیات (زندگی)، بقا اور ارادہ نہیں ہے۔

☆ حشویہ، مجسمہ اور مکیفہ محددہ کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ کا علم ویسا ہی ہے جیسا دوسروں کا، اس کی قدرت بھی ویسی ہی ہے جیسی قدرت دوسروں کی ہوتی ہے۔ اس کے کان (مخلوق کے) کانوں جیسے ہیں. اس کی آنکھیں (مخلوق کی) آنکھوں جیسی ہیں۔

☆ حضرت امام ابوالحسن اشعریؒ نے ان دو انتہاؤں کے درمیان والا راستہ اختیار کیا، تو فرمایا: "بیشک اللہ تعالیٰ کے لیے علم ہے لیکن (مخلوق کے) علوم جیسا نہیں، اس کی قدرت ہے لیکن (مخلوق جیسی) قدرت نہیں، اس کا سننا ہے لیکن (مخلوق جیسا) سننا نہیں۔ اس کا دیکھنا ہے لیکن (مخلوق جیسا) دیکھنا نہیں"۔

2 اسی طرح جہم بن صفوان نے کہا: انسان کسی چیز کے پیدا کرنے اور اس کے کسب پر قادر نہیں ہے۔

☆ معتزلہ کہتے ہیں: انسان پیدا کرنے اور کسب دونوں پر قادر ہے۔

☆ حضرت امام ابوالحسن اشعریؒ نے ان دو انتہاؤں کے درمیان والا راستہ اختیار کیا، اور فرمایا: "انسان پیدا کرنے پر تو قادر نہیں ہے، لیکن کسب پر قادر ہے"۔

حضرت امام ابوالحسن اشعریؒ نے انسان سے احداث (پیدا کرنے) کی نفی فرما دی اور انسان سے کسب کی قدرت کا اثبات کیا۔

3 اسی طرح حشویہ اور مشبہہ کہتے ہیں: (قیامت کے دن) اللہ تعالیٰ کو کیف اور حد کے اندر دیکھا جاسکے گا جیسا کہ ساری مرئیات (دیکھنے والی چیزوں) کو دیکھا جاتا ہے۔

☆ معتزلہ، جہمیہ اور نجاریہ کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ کو کسی بھی حال میں دیکھا نہیں جاسکتا۔

☆ حضرت امام ابوالحسن اشعریؒ نے ان دو انتہاؤں کے درمیان والا راستہ اختیار کیا، تو فرمایا: "اللہ تعالیٰ کو بغیر حلول، حد اور کیف کے دیکھا جائے گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ ہمیں دیکھ رہے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ کی ذات بغیر کسی حد اور کیف کے موجود ہے۔ اسی طرح ہم بھی اللہ تعالیٰ کو بغیر کسی حد اور کیف کے دیکھیں گے"۔

4 اسی طرح نجاریہ فرقہ کے لوگ کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ ہر مکان میں بغیر حلول اور جہت کے موجود ہیں۔

☆ حشویہ اور مجسمہ فرقہ کے لوگ کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ عرش میں حلول کیے ہوئے ہیں۔ عرش اللہ تعالیٰ کا مکان ہے اور وہ اس پر بیٹھا ہوا ہے۔

☆ حضرت امام ابوالحسن اشعریؒ نے ان دو انتہاؤں کے درمیان والا راستہ اختیار کیا، اور فرمایا: "اللہ تعالیٰ موجود تھے، حالانکہ اس وقت کوئی مکان نہیں تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے

عرش اور کرسی کو پیدا کیا، حالانکہ اس کو مکان کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ اور وہ مکان کے پیدا کرنے کے بعد بھی ویسا ہی ہے جیسا کہ مکان کے پیدا کرنے سے پہلے تھا''۔

5 معتزلہ کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے۔ یہ ہاتھ قدرت اور نعمت کے معنی میں ہے۔ اس کا چہرہ ہے جو وجود کے معنی میں ہے۔

☆ حشویہ فرقہ کے لوگ کہتے ہیں: (قرآن وحدیث میں) اللہ تعالیٰ کے لیے جو ''ید'' (ہاتھ) کا لفظ آیا ہے۔ اس سے مراد یہی عام ہاتھ یعنی آلہ جارحہ ہے (جسے ہم دیکھتے اور جانتے ہیں)۔ اس کا چہرہ بھی ویسا ہی ہے جو چہرے کا مفہوم ہے، یعنی اس کی صورت بھی ہے۔

☆ حضرت امام ابوالحسن اشعریؒ نے ان دوانتہاؤں کے درمیان والا راستہ اختیار کیا اور فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کے ہاتھ سے مراد صفت ''ید'' ہے اور اس کے چہرے سے مراد اس کی صفتِ ''وجہ'' ہے، جیسا کہ اس کی صفات ''سمع'' اور ''بصر'' ہیں''۔

6 اسی طرح معتزلہ کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ کے ''نزول'' سے مراد اس کی بعض آیات (نشانیاں) اور فرشتوں کا اترنا ہے۔ اور استواء کا معنیٰ ''استیلاء'' (غلبہ) ہے۔

☆ مشبہہ اور حشویہ فرقہ کے لوگ کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ کے ''نزول'' سے مراد یہ ہے کہ وہ حرکت کرتا ہے اور ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتا ہے۔ اور ''استواء علی العرش'' کا مطلب یہ ہے کہ وہ عرش پر بیٹھا ہوا ہے، اور اس میں حلول کیے ہوئے ہے۔

☆ حضرت امام ابوالحسن اشعریؒ نے ان دوانتہاؤں کے درمیان والا راستہ اختیار کیا اور فرمایا: ''نزول'' اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت ہے۔ اسی طرح ''استواء'' بھی اس کی صفت ہے''۔

7 اسی طرح معتزلہ کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ کا کلام مخلوق، گھڑا ہوا اور پیدا کیا ہوا ہے۔

☆ حشویہ اور مجسمہ کہتے ہیں: قرآن مجید کے الگ الگ حروف اور وہ ''اجسام'' جن پر وہ لکھے جاتے ہیں، اور وہ رنگ جو ان الفاظ کے لکھنے میں استعمال کیا جاتا ہے، اور جو کچھ دو دفتیوں کے درمیان، یعنی اس مجلد کے مابین ہے، یہ سب قدیم اور ازلی ہے۔

☆ حضرت امام ابوالحسن اشعریؒ نے ان دوانتہاؤں کے درمیان والا راستہ اختیار کیا اور

فرمایا: ''قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، یہ قدیم ہے، جو نہ تبدیل شدہ، نہ مخلوق، نہ حادث اور نہ پیدا کیا ہوا ہے۔ قرآن پاک کے الگ الگ حروف، اجسام (جن پر قرآن مجید لکھا جاتا ہے)، رنگ (جن سے قرآن مجید لکھا جاتا ہے)، آواز (جن سے قرآن مجید پڑھا جاتا ہے)، اس کی حدود اور جو کچھ اس عالم میں کیفیات ہیں، وہ سب مخلوق، پیدا کی ہوئی اور بنائی ہوئی ہیں''۔

5 حضرت امام ابوالحسن اشعریؒ کے عقائد کے بارے میں فیصلہ کن بات

حضرت امام ابوالحسن اشعریؒ نے اپنی کتابوں: ''الإبانة عن أصول الديانة، رسالة إلى أهل الثغر بباب الأبواب، مقالات الإسلاميين واختلاف المصلين'' میں سلفِ صالحینؒ کا طریقہ (تفویض) اختیار کیا ہے۔ اور انہی سے خلف کا طریقہ یعنی تاویل بھی مروی ہے۔ انھوں نے اس طریقۂ خلف کو اپنی کتاب: ''اللمع'' میں اختیار کیا ہے۔ اور ان کے یہ دونوں طریقے معتزلہ کے مذہب سے رجوع کرنے کے بعد کے ہیں۔ لیکن کیا یہ دونوں طریقے متوازی ہیں یا ایک دوسرے سے بعد والے زمانے کے ہیں؟ دونوں طرف ہی لوگوں نے دعوے کیے ہیں۔

فیصلہ کن بات یہی ہے جس کے بارے میں حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:

قلت: ذكروا للشيخ أبي الحسن الأشعري، رحمه الله، ثلاثة أحوال:

أولها: حال الاعتزال، التي رجع عنها لا محالة.

الحال الثاني: إثبات الصفات العقلية السبعة، وهي: الحياة، والعلم، والقدرة، و الإرادة، والسمع، والبصر، والكلام، وتأويل الخبرية كالوجه، واليدين، والقدم، والساق، ونحو ذلك.

والحال الثالثة: إثبات ذلك كله من غير تكييف، ولا تشبيه، جريا على

منوال السلف، وهی طریقته فی الإبانة التی صنفها آخرا۔ وشرحه القاضی الباقلانی، ونقلها أبو القاسم ابن عساکر، وهی التی مال إلیها الباقلانی، وإمام الحرمین، وغیرهما من أئمة الأصحاب المتقدمین، فی أواخر أقوالهم۔ والله أعلم۔

(طبقات الشافعیین ص۲۸۰۔المؤلف:أبو الفداء إسماعیل بن عمر بن کثیر القرشی البصری ثم الدمشقی (المتوفی ۷۷۴ھ)۔تحقیق:د۔ أحمد عمر هاشم، د۔ محمد زینهم محمد عزب۔الناشر:مکتبة الثقافة الدینیة۔ ۱۴۱۳ھ؛ طبع:دار الوفاء، المنصورة، تحقیق:أنور الباز، ۲۰۰۴ھ)

ترجمہ حضرت شیخ ابوالحسن اشعریؒ کی زندگی کے تین احوال ہیں:

1 مذہب معتزلہ کے پیروکار کی حیثیت سے، جس سے انھوں نے لازماً رجوع کر لیا تھا۔

2 سات عقلی صفات کا اثبات، یعنی: حیات، علم، قدرت، ارادہ، سمع، بصر، کلام۔
اور صفات خبریہ کی تاویل جیسے: وجه، یدین، قدم، ساق وغیرہ۔

3 ان سب صفات کا اثبات بطریق سلف یعنی بغیر کیفیت اور تشبیہ کے۔

حضرت امام ابوالحسن اشعریؒ نے اسی طریقہ کو اپنی کتاب: "الإبانة عن أصول الدیانة" میں اختیار کیا ہے۔ جس کو حضرت امام ابوالحسن اشعریؒ نے سب سے آخر میں تصنیف کیا ہے۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: شرح الزبیدی علی الاحیاء العلوم؛ أبو الحسن الأشعری، مقالة للشیخ حماد الأنصاری۔نشرت بمجلة الجامعة الإسلامیة بالمدینة المنورة۔العدد:۲۳)

5 امام ابوالمنصور محمد بن محمود سمرقندی الماتریدیؒ (المتوفی ۳۳۳ھ) کے عقائد

جولوگ امور اعتقادیہ میں امام ابوالمنصور محمد بن محمود سمرقندی الماتریدیؒ (المولود ۲۳۸ھ، المتوفی ۳۳۳ھ) کے طریقہ پر چلتے ہیں وہ ماتریدی کہلاتے ہیں۔

امام ماتریدیؒ صرف دوواسطوں سے حضرت امام محمدؒ کے شاگرد ہیں۔ آپؒ نے امام ابوحنیفہؒ کی تصانیف اپنے اساتذہ میں سے ابونصر احمد بن عباس العیاضیؒ، امام احمد بن اسحق جوزجانیؒ اور نصیر بن یحییٰ البلخیؒ سے روایت کیں۔ یہ تینوں حضرات امام ابوسلیمان موسیٰ بن سلیمان جوزجانیؒ کے تلمیذ تھے۔ وہ امام ابویوسفؒ، امام محمدؒ اور امام ابن مبارکؒ کے شاگرد تھے۔ اس طرح امام ماتریدیؒ کو تین واسطوں سے امام اعظم ابوحنیفہؒ کا شرفِ تلمذ حاصل تھا۔ (المذاہب الاسلامیہ لابی زہرہ)

آپ کی تصانیف میں سے چند نام یہ ہیں:

1۔ بیان وهم المعتزله
2۔ تاویلات أهل السنة
3۔ تاویلات الماتریدیة
4۔ التوحید
5۔ الجدل
6۔ الدرر فی اصول الدین
7۔ رد تهذیب الجدل
8۔ رد وعید الفساق
9۔ رد الأمامة
10۔ الرد علی القرامطة
11۔ الرد علی فروع القرامطة
12۔ وصایا ومناجات
13۔ المقالات
14۔ ماخذ الشرائع
15۔ رسالة فی ما لایجوز الوقوف علیه فی القرآن

علامہ ابوالحسن اشعریؒ اور علامہ ماتریدیؒ نے اصولِ دین اور مسائلِ اعتقادیہ میں بڑی تحقیق اور تدقیق کی ہے اور دلائل عقلیہ اور نقلیہ سے عقائدِ اسلامیہ کو ثابت کیا ہے اور ملاحدہ اور زنادقہ کے اعتراضات اور شکوک وشبہات کا عقل اور نقل سے ابطال فرمایا

جس سے صحابہؓ اور تابعینؒ کا مسلک خوب روشن ہوگیا۔ اسی واسطے مذہب اہل السنت والجماعت انہی دو بزرگوں میں محصور ہوگیا۔

"التوحید" میں مذکور عقائد

1 مَسْأَلَة بَيَانِ الْعَرْشِ (عرش کے بیان کا مسئلہ)

1 قَالَ أَبُو مَنْصُور رَضِيَ الله عَنهُ: ثمّ اخْتلف أهل الْإِسْلَام فِي الْقَوْل بِالْمَكَانِ. فَمنهمْ من زعم أنه يُوصف بِأَنَّهُ على الْعَرْش مستوٍ. وَالْعرش عِنْدهم السرير، الْمَحْمُول بِالْمَلَائِكَةِ المحفوف بهم "وَيحمل عرش رَبك فَوْقهم يَوْمئِذٍ ثَمَانِيَة"، وَقَوله: "وترى الْمَلَائِكَة حافين من حول الْعَرْش"، وَقَوله: "الَّذين يحملون الْعَرْش وَمن حوله". وَاحْتَجُّوا لِلْقَوْلِ بِهِ بقوله: "الرَّحْمَن على الْعَرْش اسْتَوَى".

وَيرْفَع النَّاس إِلَى السَّمَآء بالدعوات أَيْديهم وَمَا يأملون من الْخيرَات وَيَقُولُونَ هُوَ صَار إِلَيْهِ بعد أَن لم يكن لقَوْله: "ثمَّ اسْتَوَى على الْعَرْش".

2 وَمِنْهُم من يَقُول: هُوَ بِكُل مَكَان، بقوله: "مَا يكون من نجوى ثَلَاثَة إِلَّا هُوَ رابعهم"، وَقَوله: "وَنحن أقرب إِلَيْهِ من حَبل الوريد"، وَقَوله: "وَنحن أقرب إِلَيْهِ مِنْكُم وَلَكِن لَا تبصرون"، وَقَوله: "وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَآء إِلَه وَفِي الأَرْض". وظنوا أَن القَوْل بِأَنَّهُ فِي مَكَان دون مَكَان يُوجب الْحَد، وكل ذِي حد مقصر عَمَّا هُوَ أعظم مِنْهُ، وَذَلِكَ عيب وَآفَة وَفِي ذَلِك إِيجَاب الْحَاجة إِلَى الْمَكَان مَعَ مَا فِيهِ إِيجَاب الْحَد إِذْ لَا يحْتَمل أَن يكون أعظم من الْمَكَان لما هُوَ سخف فِي الْمُتَعَارف أَن يخْتَار احدٌ مَكَانا لَا يَسعهُ فيصير حد

الْمَكَان حَده. جلّ رَبنَا عَن ذَلِك وَتَعَالَى.

3 وَمِنْهُم من قَالَ بنفي الْوَصْف بِالْمَكَانِ وَكَذَلِكَ بالأمكنة كلهَا إِلَّا على مجَاز اللُّغَة بِمَعْنى الْحَافِظ لَهَا والقائم بهَا.

4 قَالَ الشَّيْخ أَبُو مَنْصُور رَحمَه الله: وَجُمْلَة ذَلِك أَن إِضَافَة كُلية الْأَشْيَاء إِلَيْهِ وإضافته عز وَجل إِلَيْهَا يخرج مخرج الْوَصْف لَهُ بالعلو والرفعة ومخرج التَّعْظِيم لَهُ والجلال، كَقَوْلِه: "لَهُ ملك السَّمَوَات وَالْأَرْض"، "رب السَّمَوَات وَالْأَرْض" إِلَه الْخلق، "رب الْعَالمين"، "وَفَوق كل شَيْء" وَنَحْوه.

وَإِضَافَة الْخَاص إِلَيْهِ يخرج مخرج الِاخْتِصَاص لَهُ بالكرامة والمنزلة والتفضيل لَهُ على من هُوَ بجوهره نَحْو قَوْله: "إِن الله مَعَ الَّذين اتَّقوا"، وَقَوله: "وَأَن الْمَسَاجِد لله"، "نَاقَةُ اللهِ"، بَيْتُ اللهِ، وَغير ذَلِك. وَلَا يخرج شَيْء من ذَلِك على مثل الْمَفْهُوم من إِضَافَة الْخلق بَعضهم إِلَى بعض، لَا قطع إحتمال مثله فِي الْخلق إِذْ قد تخرج أَيْضا إِضَافَة التَّخْصِيص مخرج التَّفْضِيل والعموم مخرج فضل السُّلْطَان وَالْوَلَايَة.

5 قَالَ أَبُو مَنْصُور رَحمَه الله: الأَصْل فِيهِ أَن الله سُبْحَانَهُ كَانَ وَلَا مَكَان. وَجَائِز ارْتِفَاع الْأَمْكِنَة وبقاؤه على مَا كَانَ فَهُوَ على مَا كَانَ وَكَانَ على مَا عَلَيْهِ الْآن. جلّ عَن التَّغَيُّر والزوال والإستحالة والبطلان، إِذْ ذَلِك أَمَارَات الْحَدث الَّتِي بهَا عرف حدث الْعَالم وَدلَالَة إحتمال الفناء، إِذْ لَا فرق بَين الزَّوَال من حَال إِلَى حَال، ليعلم أَن حَالَه الأولى لم تكن لذاته، إِذْ لَا يحْتَمل زَوَال مَا لزم ذَاته وَبَين أَنَّهَا لَيست لذاته لما احْتمل هُوَ قبُول الْأَعْرَاض وانتقال الْأَحْوَال. وَلَا قُوَّة إِلَّا بِاللَّه.

6 وَبعد! فَإِن فِي تَحْقِيق الْمَكَان لَهُ وَالْوَصْف لَهُ بِذَاتِهِ فِي كل مَكَان

تَمْكِين الْحَاجة لَهٗ إِلىٰ مَا بِهٖ قراره على مثل جَمِيع الْأَجْسَام والأعراض الَّتِى قَامَت بالأمكنة۔ وفيهَا تقلبت وقرت على خُرُوج جُمْلَتهَا عَن الْوَصْف بِالْمَكَانِ۔ فَمن أَنْشَأَهَا وَأمْسك كليتها لَا بمَكَان، يتعالى عَن الْحَاجة إِلىٰ مَكَان أَو الْوَصْف بِمَا عَلَيْهِ الْعَالم أَن كليته لَا فِي مَكَان، وَأَنه بجزئياته فِي الْمَكَان۔

7 ثُمَّ إِن الله تَعَالىٰ لَو جعل فِي مَكَان لجعل بِحَق الْجُزْئِيَّة من الْعَالم۔ وَذٰلِكَ أثر النُّقْصَان، بل لما استقام قيام جَمِيع الْعَالم لَا بالأمكنة للجملة فقيمه على ذٰلِك أَحَق وَأولى۔ وَلَا قُوَّة إِلَّا بِالله۔

8 قَالَ أَبُو مَنْصُور رَحمَه الله: ثمَّ الْقَوْل بالكون على الْعَرْش وَهُوَ مَوضِع بِمَعْنى كَونه بِذَاتِهٖ أَو فِي كل الْأَمْكِنَة لَا يعدو من إحاطة ذٰلِك بِهٖ أَو الإستواء بِهٖ أَو مجاوزته عَنهُ وإحاطته بِهٖ۔ فَإِن كَانَ الأول فَهُوَ إِذا مَحْدُود بِهٖ، محاط، مَنْقُوص عَن الْخلق، إِذْ هُوَ دونه۔ وَلَو جَازَ الْوَصْف لَهٗ بِذَاتِهٖ بِمَا يُحِيط بِهٖ من الْأَمْكِنَة لجَاز بِمَا يُحِيط بِهٖ من الْأَوْقَات فَيصير متناهيا بِذَاتِهٖ مقصرا عَن خلقه وَإِن كَانَ على الْوَجْه الثَّانِي۔ فَلَو زيد على الْخلق لَا ينقص أَيْضا وَفِيه مَا فِي الأول۔ وَإِن كَانَ على الْوَجْه الثَّالِث فَهُوَ الْأَمر الْمَكْرُوه الدَّال على الْحَاجة وعَلى التَّقْصِير من أَن ينشىء مَا لَا يفضل عَنهُ مَعَ مَا يذم ذَا من فعل الْمُلُوك أَن لَا يفضل عَنْهُم من المعامد شَيْئا۔

9 وَبعد! فَإِن فِي ذٰلِك تجزئة بِمَا كَانَ بعضه فِي ذِى أبعاض، وَبَعضه يفضل عَن ذٰلِك۔ وَذٰلِكَ كُله وصف الْخَلَائق۔ وَالله يتعالى عَن ذٰلِك۔

10 وَبعد! فَإِنَّهٗ لَيْسَ فِي الإرتفاع إِلىٰ مَا يَعْلُو من الْمَكَان للجلوس أَو الْقيام شرف وَلَا علو وَلَا وصف بالعظمة والكبرياء كمن يَعْلُو السطوح أَو الْجبَال إِنَّه لَا يسْتَحق الرِّفْعَة على من دونه عِنْد

إستواء الْجَوْهَر فَلَا يجوز صرف تَأْوِيل الْآيَة إِلَيْهِ مَعَ مَا فِيهَا ذكر العظمة والجلال إِذْ ذكر فِي قَوْله تَعَالىٰ: "إِن ربكُم الله الَّذِى خلق السَّمَاوَات وَالْأَرْض"۔ فدلك على تَعْظِيم الْعَرْش أَى شَىْء كَانَ من نور أَو جَوْهَر لَا يبلغهٗ علم الْخلق۔ وَقد روى عَن نَبِى الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم أَنه وصف الشَّمْس أَن جِبْرِيل يَأْتِيهَا بكف من ضوء الْعَرْش فيلبسها كَمَا يلبس أحدكُم قَمِيصه كل يَوْم تطلع وَذكر فِي الْقَمَر كفا من نور الْعَرْش۔

11 فإضافة الإستواء إِلَيْهِ لوَجْهَيْنِ:

أَحدهمَا على تَعْظِيمه بِمَا ذكره على أثر ذكر سُلْطَانه فِي ربوبيته وخلقه مَا ذكر۔

وَالثَّانِي على تَخْصِيصه بِالذكر بِمَا هُوَ أعظم الْخلق وأجله على الْمَعْرُوف من إِضَافَة الْأُمُور الْعَظِيمَة إِلىٰ أعظم الْأَشْيَاء كَمَا يُقَال تمّ لفُلَان ملك بلد كَذَا واستوى على مَوضِع كَذَا، لَا على خُصُوص ذٰلِك فِي الْحق وَلٰكِن مَعْلُوم أَن من لَهٗ ملك ذٰلِك فَمَا دونه أَحَق وعَلى ذٰلِك قَوْله تَعَالىٰ: "الْيَوْم أكملت لكم دينكُمْ" بِمَا صَارَت لَهٗ أم الْقرى۔ وأيس الَّذين كفرُوا من دينهم۔ وَكَذَا مَا ذكر من إرْسَال الرُّسُل إِلَى الفراعنه وَإِلىٰ أم الْقرى لَا يتخصص ذٰلِك وَلٰكِن بِذكر عظم الْأَمر۔ فَمثله أَمر الْعَرْش وَهُوَ كَقَوْلِه: "أَكَابِر مجرميها"، وَقَوله: "أمرنَا مُتْرَفِيهَا" على لُحُوق غير بهم۔ وَيحْتَمل أَن يكون على الْمَنْفِي بِوَصْف الْمَكَان إِذْ هُوَ أَعلَى الْأَمْكِنَة عِنْد الْخلق وَلَا تقدر الْعُقُول فَوْقه شَيْئا فَأَشَارَ إِلَيْهِ ليعلم علوه عَن الْأَمْكِنَة وتعاليه عَن الْحَاجة وعَلى ذٰلِك قَوْله: "مَا يكون من نجوى ثَلَاثَة إِلَّا هُوَ رابعهم" والنجوى لَيْسَ من نوع مَا يُضَاف إِلَى الْمَكَان وَلٰكِن يُضَاف إِلَى الْأَفْرَاد فَأخْبر بعلوه عَن الْأَمْكِنَة وتعاليه عَن أَن يخفى

عَلَيْهِ شَئ ء. ثمَّ بقدرته بقوله: "وَنحن أقرب إِلَيْهِ من حَبل الوريد" أَى بالسلطان وَالْقُوَّة وبألوهيته فِي الْبِقَاع كلهَا لِأَنَّهَا أمكنة الْعِبَادَة وَبِقَوْلِه: "وَهُوَ الَّذِى فِي السَّمَاء إِله"، وَيملك كل شَئ ء بقوله: "لَهُ ملك السَّمَاوَات وَالْأَرْض"، ثمَّ بعلوه وجلاله بقوله: "وَهُوَ القاهر فَوق عباده"، وَقَوله: "وَهُوَ بِكُل شَئ ء عليم"، وَقَوله: "وَهُوَ على كل شَئ ء قدير". فَجمع فِي هٰذِه الأحرف مَا فرق فِي تِلْكَ ليعلم أَنه بِكُل مَا سمى بِهِ وَوصف كَانَ ذٰلِك لَهُ بِذَاتِهِ لَا بِشَئ ء من خلقه. وَكَذٰلِكَ عزه، وشرفه، ومجده، جلّ ثَنَاؤُهُ عَن الْأَشْبَاه. وَلَا إِله غَيره.

12 وَقَالَ بَعضهم يُرِيد بالعرش الْملك إِذْ هُوَ اسْم مَا ارْتَفع من الْأَشْيَاء وَعلا حَتّٰى سمى بِهِ السطوح ورؤوس الْأَشْجَار.

13 والإستواء قيل فِيهِ بأوجه ثَلَاثَة:

أَحدهَا: الإستيلاء كَمَا يُقَال اسْتَوٰى فلَان على كورة كَذَا بِمَعْنى استولى عَلَيْهَا.

وَالثَّانِي: الْعُلُوّ والإرتفاع كَقَوْلِه: "فَإِذا استويت أَنْت وَمن مَعَك على الْفلك"

وَالثَّالِث: التَّمام كَقَوْلِه تَعَالَى: "وَلما بلغ أشده واستوى".

وَقد قيل بِالْقَصْدِ إِلٰى ذٰلِك وَجه بعض أهل الْأَدَب قَوْله: "ثمَّ اسْتَوٰى إِلَى السَّمَآء"، بِمَعْنى خلق على التَّمْثِيل بِفعل الْخلق فِيمَا يَتْلُو فعلهم أَن يكون بِالْقَصْدِ وَإِن كَانَ لَا يُقَال لَهُ قصد. وَلَا قُوَّة إِلَّا بِاللّٰه.

قَالَ الشَّاعِر

ظَنَنْت أَن عرشك لَا يَزُول وَلَا يُغير

وَقَالَ آخر

إِذا مَا بنوا مَرْوَان ثلث عروشهم   وأودوا كَمَا أودت إياد وحمير

وَقَالَ النَّابِغَة

عروش تفانوا بعد عز وَأَمَّتْهُمْ   هووا بعد مَا نالوا السَّلَامَة والغنى

وَقَالَ آخر

بعد ابْن جَفْنَة وَابْن ماثل عَرْشه   والحاربين تؤملون فلاحا

14 قَالَ أَبُو مَنْصُور رَحمَه الله: ثمَّ الْوَجْه فِي ذٰلِك لَو كَانَ على الإستيلاء وَالْعرش الْملك، إِنَّه مستول على جَمِيع خلقه. وعَلى هٰذَا التَّأْوِيل الْمَحْمُول غير هٰذَا يدل على الْأَمريْنِ، قَوْله تَعَالٰى: "وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ" بِمَعْنى الْملك الْعَظِيم وَفِيه إِثْبَات عروش غَيره فَذٰلِك يحْتَمل مَا يحمل ويحف بِهِ الْمَلَائِكَة. وَالله الْمُوفق.

15 وَأما على التَّمام والعلو، فَهُوَ أَن الله تَعَالٰى قَالَ: "قل أئنكم لتكفرون بِالَّذِى خلق الأَرْض فِي يَوْمَيْنِ" إِلٰى قَوْله: "فقضاهن سبع سماوات" فَأخْبر بِخلق مَا ذكر فِي سِتَّة أَيَّام على التفاريق ثمَّ أجملها فِي مَوضِع فَقَالَ: "إِن ربكُم الله الَّذِى خلق السَّمَاوَات وَالْأَرْض فِي سِتَّة أَيَّام ثمَّ اسْتَوٰى على الْعَرْش" بِمَعْنى خلق الممتحن من خلق الْأَرْض وَالسَّمَاوَات فبهم ظهر تَمام الْملك وَعلا وارتفع إِذْ هم المقصودون من خلق مَا بَينا.

فبذلك تمّ معنى الْملك وَعلا، إِذا وصل إِلَى الَّذين لَهُم. وَقد قيل ذَا فِي خلق الْبشر خَاصَّة، بقوله: "هُوَ الَّذِى خلق لكم مَّا فِي الْأَرْض"، وَقَوله: "وسخر لكم اللَّيْل وَالنَّهَار"، وَقَوله: "وسخر لكم مَّا فِي السَّمَاوَات وَمَا فِي الْأَرْض".

وَذكر ابْن عَبَّاس رَضِيَ الله عَنهُ أَن الْبشر خلق الْيَوْم السَّابِع فِيهِ التَّمام والعلو إِذْ خلق لَهُم كل شَئ ء وهم لعبادة الله وَلحق بهم الْجِنّ بقوله: "وَمَا خلقت الْجِنّ وَالْإِنْس إِلَّا ليعبدون"، لٰكِن الْمَقْصُود

الْبشر، إِذْ تسخير مَا ذكرت كُله لَهُم. ثمَّ بِمَا يرجع إِلَى منافعهم. وَالله الْمُوفق.

16 قَالَ أَبُو مَنْصُور رَحمَه الله: وَأما الأَصْل عندنَا فِي ذَلِك أَن الله تَعَالَى قَالَ: "لَيْسَ كمثله شَيْء". فنفى عَن نَفسه شبه خلقه. وَقد بَينا أَنه فِي فعله وَصفته متعال عَن الْأَشْبَاه فَيجب القَوْل بـ "الرحمن على الْعَرْش اسْتَوَى" على مَا جَاءَ بِهِ التَّنْزِيل، وَثَبت ذَلِك فِي الْعقل. ثمَّ لَا نقطع تَأْوِيله على شَيْء لاحتماله غَيره مِمَّا ذكرنَا واحتماله أَيْضا مَا لم يبلغنَا مِمَّا يعلم أَنه غير مُحْتَمل شبه الْخلق ونؤمن بِمَا أَرَادَ الله بِهِ. وَكَذَلِكَ فِي كل أَمر ثَبت التَّنْزِيل فِيهِ نَحْو الرُّؤْيَة وَغير ذَلِك يجب نفي الشّبَه عَنهُ وَالْإِيمَان بِمَا أَرَادَهُ من غير تَحْقِيق على شَيْء دون شَيْء. وَالله الْمُوفق.

17 الأَصْل فِي هَذَا أَن الْأَمر يضيق على السَّامع بِمَا يقدره من الْمَفْهُوم عَن الْخلق فِي الْوُجُود. وَإِذ لزم القَوْل فِي الله بالتعالي عَن الْأَشْبَاه ذاتا وفعلا، لم يجز أَن يفهم من الْإِضَافَة إِلَيْهِ الْمَفْهُوم من غَيره فِي الْوُجُود مَعَ مَا كَانَ الْوُقُوف على الْمَعْنى يصرف إِلَيْهِ الْكَلَام فِي الْخلق بِمَا هُوَ علمه بِهِ قبل سمع ذَلِك الْكَلَام. وَالله سُبْحَانَهُ عرف قبل سمع ذَلِك الْكَلَام على غير الَّذِي عرف عَلَيْهِ الْخلق. لم يجز صرف التَّأْوِيل إِلَى مَا فهمه من الْخلق. إِذْ سَببه الْعلم الْمُتَقَدّم مِنْهُ على إحتمال ذَلِك الْمَعْنى، معنى قد يفهم من الشَّاهِد. من "عَلَى"، وَمن "الْعَرْش"، وَمن "الإستواء" مَعَان مُخْتَلفَة لم يجز صرف ذَلِك إِلَى أوحش وَجه. وثمة لأحسن ذَلِك مساغ مَعَ مَا كَانَ الله يمْتَحن بِالْوُقُوفِ فِي أَشْيَاء كَمَا جَاءَ من نعوت الْوَعْد والوعيد وَمَا جَاءَ من الْحُرُوف الْمُقطعَة وَغير ذَلِك مِمَّا يُؤمن الْمَرْء أَن يكون ذَا مِمَّا المحنة فِيهِ الْوَقْف لَا الْقطع. وَالله أعلم.

18 وَقَالَ الكعبي مرّة لَا يجوز أَن يكون الله عز وَجل يحويه مَكَان لما كَانَ وَلَا مَكَان لم يجز أَن يحدث لَهُ حَاجَة إِلَى الْمَكَان إِذْ خلقه لما لَا يجوز عَلَيْهِ التَّغَيُّر. ثمَّ قَالَ هُوَ فِي كل مَكَان على معنى أَنه عَالم بِهِ حَافظ لَهُ. كَمَا يُقَال: فلَان فِي بِنَاء الدَّار أَي فِي فعله.

19 قَالَ أَبُو مَنْصُور رَحمَه الله: فَمَا قَالَ بِأَنَّهُ لَا يحويه مَكَان بِمَا كَانَ وَلَا مَكَان حق إِذْ ذَلِك تغير وَالْقَوْل بِالْحَاجةِ لَا يَقُوله خَصمه فتعليق الدّفع بِهِ خطأ ثمَّ هُوَ يزْعم أَنه كَانَ غير خَالق وَلَا رَحْمَن وَلَا مُتَكَلم ثمَّ صَار كَذَلِك بعد أَن لم يكن. ثَبت بِهِ التَّغَيُّر بل التَّغَيُّر فِي الْمَكَان من حَيْثُ أَن يصير الْمَرْء فِي مَكَان لم يكن فِيهِ بِلَا تغير نَحْو أَن يتَّخذ لَهُ مَكَان يُحِيط بِهِ وَلَا يجوز أَن يُوجد تغير من حَيْثُ لَا تغير فِي ذَات الْفَاعِل فِي الشَّاهِد. وَإِذ منع القَوْل بِهَذَا فِي الْمَكَان فَهُوَ فِي الْفِعْل أولى إِذْ يكون التَّغَيُّر فِيهِ أَشد وَأولى مَعَ مَا لَا يكون أحد فِي الشَّاهِد فَاعِلا بِلَا تغير يَعْتَرِضهُ. وَجَائِز كَونه فِي مَكَان وَهُوَ الَّذِي فِيهِ خلق لَا تغير. لذَلِك كَانَ معنى التَّغَيُّر فِي الْفِعْل أَشد. وَالله الْمُوفق.

ثمَّ الْعجب فِي قَوْله هُوَ فِي كل مَكَان بِمَعْنى الْعَالم والعالم اسْم ذَاته وَهُوَ بِذَاتِهِ عِنْده لَيْسَ فِي مَكَان وَلَا تحقق لله علما ليبلغ الْمَكَان الَّذِي قَالَ هُوَ فِيهِ.

تأملوا لتفهموا تناقضه فِي القَوْل.

ثمَّ زعم أَنه يحفظه مرّة وَمرَّة أَنه يَفْعَله وَحفظه وَفعله فِي الْأَمْكِنَة لَيْسَ غير الْأَمْكِنَة فَصَارَ حَاصِل قَوْله: الله فِي كل مَكَان فِي الْأَمْكِنَة. وَذَلِكَ خلف من القَوْل بل هُوَ عَالم بالأمكنة كلهَا قبل كَونهَا وَبعد كَونهَا. وَالله الْمُوفق.

20 قَالَ الْفَقِيه أَبُو مَنْصُور رَحمَه الله: وَأما رفع الْأَيْدِي إِلَى السَّمَاء

فعلى الْعِبَادَة. وَلله أَن يتعبد عباده بِمَا شَاءَ ويوجههم إِلَى حَيْثُ
شَاءَ وَإِن ظن من يظنّ أَن رفع الْأَبْصَار إِلَى السَّمَاء لِأَن الله من ذَلِك
الْوَجْه إِنَّمَا هُوَ كظن من يزْعم أَنه إِلَى جِهَة أَسْفَل الأَرْض بِمَا يضع
عَلَيْهَا وَجهه مُتَوَجها فِي الصَّلَاة وَنَحْوهَا و كظن من يزْعم أَنه فِي
شرق الأَرْض وغربها بِمَا يتَوَجَّه إِلَى ذَلِك فِي الصَّلَاة أَو نَحْو مَكَّة
لِخُرُوجِهِ إِلَى الْحَج وَفِي الْمشَاعِر بالسعي فِيهَا ضَالَّة أَو نَاحيَة الْعَدو
ويقصدون قصد من يغلب على شَيْء يستنفد مِنْهُ. جلّ الله عَن
ذَلِك.

21 ثمَّ الله سُبْحَانَهُ، إِذْ لَيْسَ وَجه أقرب إِلَيْهِ من وَجه، وَلَا أَحَق أَن
يُعلمهُ من وَجه، وَلَا فِي وسع الْخلق وَجه الْوُصُول إِلَيْهِ من وَجه دون
وَجه، وَلَا طمع الْعُقُول بِمَا هُوَ عَالم بِذَاتِهِ. غنى عَن عبَادَة خلقه،
فعبدهم لأَنْفُسِهِمْ أَن يقومُوا بشكر نعمه. لَهُ المحنة كَيفَ شَاءَ
لَا يسْبق إِلَى وهم أحد الْوُصُول إِلَيْهِ فِي جِهَة دون جِهَة إِلَّا من
يعرف الله حق الْمعرفَة.

22 وَقد بَينا فِيمَا تقدم وصف قربه وَذَلِكَ بالإجابة كَقَوْلِه تَعَالَى:
"وَإِذا سَأَلَك عبَادي عني فَإِنِّي قريب". وبالنصر والمعونه كَقَوْلِه
تَعَالَى: "إِن الله مَعَ الَّذين اتَّقوا وَالَّذين هم محسنون"، والتقرب
إِلَى الْمنزلَة وَالْمحل كَقَوْلِه تَعَالَى: "واسجد واقترب". وَمَا روى أَن:
"من تقرب إِلَيّ شبْرًا تقربت إِلَيْهِ ذِرَاعا" إِلَى آخر ذَلِك. وَقَوله:
"وابتغوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَة"، وَفِي الكلأ وَالْحِفْظ كَقَوْلِه: "وَرَبك على كل
شَيْء حفيظ"، "وَهُوَ على كل شَيْء وَكيل"، وَقَوله: "أَفَمَن هُوَ قَائِم
على كل نفس بِمَا كسبت". وبالعلم بقوله: "يعلم سركم و
جهركم"، وَغير ذَلِك.

23 فعلى مثل بعض هَذِه الْوُجُوه المجيء والذهاب وَالْقعُود مَعَ مَا كَانَ

مجيء الْأَجْسَام يفهم مِنْهُ الإنتقال ثمَّ مَجِيء الْحق يفهم مِنْهُ
الظُّهُور كَقَوْلِه: "قل جَاءَ الْحق" وعَلى ذَلِك ذهَاب الْبَاطِل بُطْلَانه
وَذَهَاب الْجِسْم إنتقاله فَهَذَا مَحل الْمَجِيء والذهاب فِي الْمَعْرُوف
من الْأَعْرَاض والأجسام. وَالله يتعالى عَن الْمَعْنيين جَمِيعًا لم
يجز أَن يفهم من الْمُضَاف إِلَيْهِ ذَلِك. وَلَا قُوَّة إِلَّا بِاللَّه.

24 للمسألة عبارَة أُخْرَى: إِنَّه مَا من جِهَة وَلَا حَالَة إِلَّا لله على عباده
فِيهَا نعَم، لَا تحصى. فَجعل عَلَيْهِم بهَا. وفيهَا عبادات كَمَا جعل فِي
الْجَوَارِح وَالْأَمْوَال بهَا، لَهُ فيهمَا من النعم. وَلَا قُوَّة إِلَّا بِاللَّه.

25 على أَن السَّمَاء هِيَ مَحل ومهبط الْوَحْي. وَمِنْهَا أصُول بَركَات الدُّنْيَا
فَرفع إِلَيْهَا الْبَصَر لذَلِك. وَلَا قُوَّة إِلَّا بِاللَّه.

(التوحيد ص٦٧ تا٧٧۔ المؤلف: محمد بن محمد بن محمود، أبو منصور
الماتريدی علیہ الرحمہ (المتوفی ۳۳۳ھ)۔ المحقق: د۔ فتح الله خليف۔ الناشر: دار
الجامعات المصرية، الإسكندرية)

ترجمہ

1 حضرت امام ابومنصور ماتریدیؒ فرماتے ہیں: اہل اسلام اللہ تعالیٰ کے بارے میں
مکان کا قول کرنے کے بارے میں مختلف ہوگئے ہیں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ
اللہ تعالیٰ کو اس طرح موصوف کیا جاسکتا ہے کہ وہ عرش پر مستوی ہے۔ عرش ان لوگوں
کے نزدیک تخت ہے۔ جس کو فرشتے اُٹھائے ہوئے ہیں اور وہ اس کو گھیرے ہوئے
ہیں۔

آیت ۱ وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمَانِيَةٌ۔ (الحاقہ:۱۷)

ترجمہ اور آپ ﷺ کے پروردگار کے عرش کو اس روز آٹھ فرشتے اُٹھائے ہوں گے۔

آیت ۲ وَتَرَى الْمَلَائِكَةَ حَافِّينَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ۔ (الزمر:۷۵)

ترجمہ اور تم فرشتوں کو دیکھو گے کہ عرش کے گرد حلقہ بنائے ہوئے ہیں۔

آیت ۳ الَّذِينَ يَحْمِلُونَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهُ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ۔ (غافر:۷)

ترجمہ وہ (فرشتے) جو عرش کو اُٹھائے ہوئے ہیں، اور جو اس کے گرد موجود ہیں، وہ سب اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ اُس کی تسبیح کرتے رہتے ہیں۔

وہ اپنے اس قول کی دلیل اس آیت سے لیتے ہیں:

آیت ۴ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى۔ (سورت طٰہٰ:۵)

ترجمہ وہ بڑی رحمت والا عرش پر استواء فرمائے ہوئے ہے۔

اور لوگ دعا مانگتے ہوئے اپنے ہاتھوں کو آسمان کی طرف اٹھاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے بھلائیوں کی امیدیں لگاتے ہیں۔ یہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہوگا جب کہ پہلے وہ مستوی نہ تھا۔ اپنی دلیل اللہ تعالیٰ کے اس قول سے لیتے ہیں۔

آیت ۵ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ۔ (الاعراف:۵۴)

ترجمہ پھر اس نے عرش پر استواء فرمایا۔

2 بعض لوگ یوں کہتے ہیں: وہ ہر مکان میں موجود ہے:

آیت ۶ مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَآ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ۔ (المجادلہ:۷)

ترجمہ کبھی تین آدمیوں میں کوئی سرگوشی ایسی نہیں ہوتی جس میں چوتھا وہ نہ ہو، اور نہ پانچ آدمیوں کی کوئی سرگوشی ایسی ہوتی ہے جس میں چھٹا وہ نہ ہو، اور چاہے سرگوشی کرنے والے اس سے کم ہوں یا زیادہ، وہ جہاں بھی ہوں، اللہ ان کے ساتھ ہوتا ہے۔

آیت ۷ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ۔ (سورت ق:۱۶)

ترجمہ اور ہم اُس کی شہ رگ سے بھی زیادہ اُس کے قریب ہیں۔

آیت ۸ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ۔ (الواقعہ:۸۵)

ترجمہ اور تم سے زیادہ ہم اس کے قریب ہوتے ہیں، مگر تمہیں نظر نہیں آتا۔

آیت ۹ وَهُوَ الَّذِيْ فِي السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّفِي الْاَرْضِ اِلٰهٌ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ۔ (الزخرف:۸۴)

ترجمہ وہی (اللہ تعالیٰ) ہے جو آسمان میں بھی معبود ہے اور زمین میں بھی معبود۔ اور وہی

ہے جو حکمت کا بھی مالک ہے، علم کا بھی مالک۔

ان لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہ قول کہ وہ مکان میں ہے اور مکان سے نیچے ہے، یہ ''حد'' (حدود اربعہ) کو ثابت کرتا ہے۔ جو بھی حد والا ہوگا وہ چھوٹا ہوگا اس کی نسبت سے جو اس سے بڑا ہوگا۔ یہ چیز عیب اور آفت ہے۔ اس قول میں اللہ تعالیٰ کے لیے مکان کی حاجت کو واجب کرنا ہے۔ اور اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے لیے حد کو بھی واجب ماننا ہے۔ کیونکہ اس کا احتمال نہیں ہے کہ وہ مکان سے بڑا ہو۔ اس لیے کہ عرف میں یہ بات کم عقلی کی ہے کہ کوئی اپنے لیے ایسا مکان پسند کرے جو اس کو سمانہ سکے۔ لہٰذا مکان کی حد اس کی حد ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے اور تمام عیبوں سے پاک اور برتر ہے۔

3 بعض لوگ نے اللہ تعالیٰ سے مکان کے وصف کی نفی کی ہے اور اسی طرح تمام جگہوں سے بھی نفی کی ہے مگر مجازی معنی کے لحاظ سے، یعنی اس کی حفاظت کرنے والا اور اس کو قائم رکھنے والا ہے۔

4 حضرت شیخ ابو منصور ماتریدیؒ فرماتے ہیں: خلاصہ یہ کہ تمام اشیاء کی اس کی طرف نسبت کرنا اور اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنا اس کو اس وصف سے نکال کر اس کو علو، رفعت کے وصف سے متصف کر دیتا ہے اور اس کے لیے تعظیم اور جلالتِ قدر پیدا کر دیتا ہے۔ جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

آیت ۱۰ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ (البقرہ:۱۰۷)

ترجمہ آسمانوں اور زمین کی سلطنت تنہا اسی (اللہ تعالیٰ) کی ہے۔

آیت ۱۱ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ (الانبیاء:۵۶)

ترجمہ آسمانوں اور زمین کا مالک ہے۔

☆ تمام مخلوق کا معبود۔

آیت ۱۲ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ (الفاتحہ:۱)

ترجمہ تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔

☆ ہر چیز کے اوپر وغیرہ۔

جب خاص قسم کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو، تو اس سے خصوصی قسم کی کرامت، منزلت اور فضیلت مراد ہوتی ہے۔ مثلاً:

آیت ۱۳ إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ۔ (النحل:۱۲۸)

ترجمہ یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کا ساتھی ہے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں، اور جو اِحسان پر عمل پیرا ہیں۔

آیت ۱۴ وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ أَحَداً۔ (الجن:۱۸)

ترجمہ اور یہ کہ: ''سجدے تو تمام تر اللہ تعالیٰ ہی کا حق ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کی عبادت مت کرو''۔

آیت ۱۵ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ آيَةً۔ (الاعراف:۷۳)

ترجمہ یہ اللہ تعالیٰ کی اونٹنی ہے جو تمہارے لیے ایک نشانی بن کر آئی ہے۔

بَيْتُ اللّٰهِ (اللہ تعالیٰ کا گھر) وغیرہ۔

ان آیات کے معانی میں سے کوئی مفہوم ایسا نہیں نکلتا جو مخلوق کی آپس میں ایک دوسرے کی نسبت کے لحاظ سے ہو۔ یقیناً اس بات کا کوئی احتمال ہی نہیں کہ مخلوق جیسے معانی مراد ہوں کیونکہ اس سے بھی تخصیص کی اضافت کا معنی مراد ہے۔ اور اس کے عموم سے بادشاہی اور سلطنت کی فضیلت ہی مراد ہوتی ہے۔

5 حضرت امام ابو منصور ماتریدیؒ فرماتے ہیں: اصل اس مسئلہ میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی تھی اور کوئی مکان نہیں تھا۔ اور یہ بات جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ مکان سے بہت بلند ہیں۔ اس کی ذات کی بقاء اسی طرح آج بھی ہے جیسے وہ پہلے تھی۔ وہ آج بھی ایسے ہی ہے جیسا کہ پہلے تھا۔ یعنی اللہ تعالیٰ مکان کے بغیر ہی موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات تغیر وتبدل، زوال، استحالہ اور بطلان (باطل ہونے) سے پاک ہے۔ کیونکہ یہ حدوث کی علامات ہیں جن سے اس عالم کا حادث ہونا معلوم ہوتا ہے۔ یہ فنا کے احتمال پر دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ ایک حالت سے زائل ہو کر دوسری حالت میں آنے میں کوئی فرق نہیں تا کہ یہ بات معلوم ہو جائے کہ اس کی پہلی حالت اس کی ذاتی حالت نہیں تھی۔ اس لیے کہ اس بات کا کوئی احتمال ہی نہیں کہ جو چیز اس کی ذات کو

لازم ہے، اس کو زوال ہو، اور اس سے یہ بات ظاہر ہوگئی کہ یہ اس کی ذات میں سے نہیں ہے جس میں یہ احتمال ہو جو اعراض کو قبول کرے اور حالات میں تبدیلی آئے۔ اور قوت تو اللہ ہی سے ہے۔

6 اس کے بعد! اللہ تعالیٰ کے لیے مکان کی موجودگی کو ماننا اور اس کے لیے ہر مکان میں اپنی ذات کے ساتھ موجودگی کے وصف کو ماننا اس کے لیے جائے قرار کی حاجت کو ماننا ہے جیسا کہ تمام اجسام اور اعراض کے لیے مکان کو ماننا ہے جس کے ساتھ ان کا وجود قائم ہے۔ اسی میں نقل وحرکت، قرار اور جملہ اوصاف کا تعلق ہے۔ پس جس نے اس کو پیدا کیا ہے اور اس کو قائم ودائم بھی رکھا ہے، مکان کے ساتھ نہیں۔ وہ ذات پاک اور بلند ہے مکان کی حاجت سے، یا اس وصف سے جس کے ساتھ یہ عالم قائم ہے۔ وہ اس سے پاک ہے کہ وہ کلی یا جزئی طور پر کسی مکان میں ہو۔

7 پھر اگر اللہ تعالیٰ کو کسی مکان میں رہنے والا قرار دیا جائے تو اس کو بھی عالم میں جزئیات کے ساتھ قرار دیا جائے گا اور یہ نقصان اور کمی کی علامت ہے۔ بلکہ جب اللہ تعالیٰ نے تمام عالم کو قائم کیا تو مکان کے ساتھ قائم نہیں کیا۔ پس اس کا تمام عالم کو قائم ودائم رکھنا زیادہ حق اور زیادہ لائق ہے۔ اور قوت تو اللہ تعالیٰ ہی سے ہے۔

8 حضرت امام ابو منصور ماتریدیؒ فرماتے ہیں: پھر عرش پر ہونے کا قول (اور وہ عرش ایک جگہ ہے) اس معنی میں: کہ وہ اپنی ذات کے ساتھ عرش پر ہے، یا وہ ہر جگہ ہے۔ وہ اس کے احاطہ سے تجاوز نہیں کرتا ہے، یا وہ عرش پر مستوی ہے، یا وہ اس سے تجاوز کرتا ہے، اور اس کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ اگر پہلا معنی مراد لیا جائے پھر تو اللہ اس کے ذریعے محدود ہوگا (حد بندی ہوگی)، احاطہ کیا ہوا ہوگا، مخلوق سے کم ہوگا کیونکہ وہ اس سے نیچے ہوگا۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کو اپنی ذات کے ساتھ مکان سے احاطہ کیا ہوا مانا جائے تو اس سے یہ بات بھی درست ہو جائے گی کہ اللہ تعالیٰ وقت کے لحاظ سے بھی احاطہ کیا ہوا ہے۔ پس وہ اپنی ذات کے لحاظ سے متناہی ہوگا اور اپنی ہی مخلوق سے محدود ہوگا، اگرچہ وہ دوسرے معنی کے لحاظ سے ہی ہو۔ اور اگر وہ مخلوق سے زائد ہے، کم بھی نہیں ہوگا، تو اس صورت میں پہلے والے وہی اعتراض ہوں گے۔ اور اگر

تیسری وجہ ہو تو وہ ایک ناپسندیدہ امر ہے جو حاجت وضرورت پر دلالت کرنے والا ہے۔اور اس میں تقصیر وکوتاہی بھی ہے کہ وہ اس چیز کو پیدا کردے جس سے اس کو فضیلت حاصل نہیں ہے، حالانکہ یہ مذموم چیز ہے بادشاہوں کے عمل کے لحاظ سے بھی کہ وہ اپنے آپ کو رعایا سے بھی فضیلت نہ دیں۔

9 اس کے بعد یہ بات بھی ہے کہ اس میں تجزی (اجزاء میں تقسیم کرنا ہے) بھی ہے، اس وجہ سے کہ اس کا بعض حصہ اجزاء والا ہے، اور بعض حصہ اس سے فضیلت والا بھی ہے۔اور یہ سب مخلوق کے اوصاف ہیں۔اللہ تعالیٰ تو اس سے پاک اور برتر ہیں۔

10 اس کے بعد! اس ارتفاع اور بلندی میں، جو کسی مکان کی بلندی کے لحاظ سے ہو، چاہے وہ جلوس یا قیام کی حالت میں ہو، کوئی شرف اور بلندی نہیں ہے، اور نہ اس میں عظمت اور کبریائی کا کوئی وصف پایا جاتا ہے، جیسے کوئی شخص مکان کی چھت یا پہاڑ پر بلند ہو۔یقیناً ’’جوہر‘‘ پر استواء کی وجہ سے دوسروں پر رفعت کا مستحق نہیں ہے۔پس آیت (استواء) کی تاویل سے صرفِ نظر کرنا جائز نہیں ہے جب کہ اس آیت میں عظمت اور جلال کا ذکر بھی ہے۔اس لیے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے:

آیت ۱۶ إِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِىْ سِتَّةِ اَيَّامٍ۔
(الاعراف: ۵۴)

ترجمہ یقیناً تمہارا پروردگار وہ اللہ ہے جس نے سارے آسمان اور زمین چھ دن میں بنائے۔

☆ پس یہ آیت عرش کی تعظیم پر دلالت کرتی ہے۔چاہے عرش نور سے بنا ہو یا جوہر سے، مخلوق کے علم کی وہاں تک رسائی ہی نہیں ہے۔

جناب رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ نے بیان فرمایا:
’’آپ ﷺ نے سورج کا وصف بیان فرمایا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام عرش کی روشنی میں سے اپنی ہتھیلی میں لے لیتے ہیں تو اس کو سورج کو پہنا دیتے ہیں جیسا کہ ایک تم میں سے قمیص پہن لیتا ہے، ہر روز جب سورج طلوع ہوتا ہے‘‘۔
اسی طرح آپ ﷺ نے چاند کے بارے میں بھی فرمایا کہ اس کو بھی مٹھی بھر نور

عرش کا عطا فرمادیتے ہیں۔

11 پس استواء کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف دو وجوہ سے ہے:

اوّل عرش کی عظمتِ شان کو بیان کرنے کے لیے، اس لیے کہ اس کا ذکر اللہ تعالیٰ کی سلطنت، بادشاہی، ربوبیت اور خالقیت کا ذکر کرنے کے بعد ہے۔

دوم اس کے ذکر کی تخصیص کے ساتھ، اس وجہ سے کہ عرش اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی اور جلیل القدر مخلوق ہے جو کہ مشہور ومعروف ہے۔اس میں امورِ عظیم کی نسبت سب سے بڑی چیز کی طرف ہے۔جیسا کہ کہا جاتا ہے: فلاں شخص کے لیے اس شہر کی بادشاہی کامل ہوگئی۔اور اس موضع (جگہ) پر اس کی عملداری ہوگئی۔نہ کہ حقیقتاً صرف اسی مخصوص جگہ کی۔لیکن یہ بات معلوم ہے کہ جو شخص اس کا مالک ہوگیا تو وہ اس سے کم کا زیادہ مالک ہوگیا ہے۔یہی معنی اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے بھی ہیں:

آیت ۱۷ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِىْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا۔ (المائدہ: ۳)

ترجمہ آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دِین مکمل کر دیا، تم پر اپنی نعمت پوری کر دی۔اور تمہارے لیے اسلام کو دِین کے طور پر (ہمیشہ کے لیے) پسند کر لیا۔

اس وجہ سے کہ اُمّ القریٰ (مکہ معظّمہ) میں یہ دین غالب ہوگیا اور کافر اپنے اپنے دین سے مایوس ہوگئے۔

یہی معنی مراد ہیں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی بعثت کا اپنے اپنے وقت کے فرعونوں کی طرف، اور اسی طرح آپ ﷺ کا اُمّ القریٰ کی طرف۔اس میں صرف اسی شہر کی تخصیص مراد نہیں ہوتی بلکہ بڑے امور کا ذکر کرنا ہوتا ہے۔پس ایسے ہی عرش کا بھی معاملہ ہے۔یہی معنی اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے بھی ہیں:

آیت ۱۸ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِىْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا۔
(الانعام: ۱۲۳)

ترجمہ اور اسی طرح ہم نے ہر بستی میں وہاں کے مجرموں کے سرغنوں کو یہ موقع دیا ہے کہ وہ اُس (بستی) میں (مسلمانوں کے خلاف) سازشیں کیا کریں۔

آیت ۱۹ وَإِذَآ أَرَدۡنَآ أَن نُّهۡلِكَ قَرۡيَةً أَمَرۡنَا مُتۡرَفِيهَا فَفَسَقُواْ فِيهَا فَحَقَّ عَلَيۡهَا ٱلۡقَوۡلُ فَدَمَّرۡنَٰهَا تَدۡمِيرٗا ۔ (بنی اسرائیل:۱۶)

ترجمہ اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو اُس کے خوش حال لوگوں کو (ایمان اور اطاعت کا) حکم دیتے ہیں، پھر وہ وہاں نافرمانیاں کرتے ہیں، تو ان پر بات پوری ہوجاتی ہے، چنانچہ ہم اُنہیں تباہ و برباد کرڈالتے ہیں۔

☆ اس سے مراد اُن کے علاوہ دوسرے لوگوں کو شامل کرنا ہے۔

اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے مکان کے وصف کی نفی مراد ہو کہ یہ مخلوق کے نزدیک تمام مکانات سے اونچا اور اعلیٰ مکان مراد ہے۔ عقل اس سے اونچے اور بلند مکان کا تصور بھی نہیں کرسکتی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس طرف اشارہ فرمایا ہے تاکہ یہ بات جان لی جائے کہ اللہ تعالیٰ تمام مکانات سے عالی اور بلند ہے اور وہ مکان کی حاجت سے پاک اور بلند ہے۔ اسی بات کا اس آیت میں بھی بیان ہے۔

آیت ۲۰ مَا يَكُونُ مِن نَّجۡوَىٰ ثَلَٰثَةٍ إِلَّا هُوَ رَابِعُهُمۡ وَلَا خَمۡسَةٍ إِلَّا هُوَ سَادِسُهُمۡ وَلَآ أَدۡنَىٰ مِن ذَٰلِكَ وَلَآ أَكۡثَرَ إِلَّا هُوَ مَعَهُمۡ أَيۡنَ مَا كَانُواْ ۔ (المجادلہ:۷)

ترجمہ کبھی تین آدمیوں میں کوئی سرگوشی ایسی نہیں ہوتی جس میں چوتھا وہ نہ ہو، اور نہ پانچ آدمیوں کی کوئی سرگوشی ایسی ہوتی ہے جس میں چھٹا وہ نہ ہو۔ اور چاہے سرگوشی کرنے والے اس سے کم ہوں یا زیادہ، وہ جہاں بھی ہوں، اللہ تعالیٰ اُن کے ساتھ ہوتا ہے۔

☆ نجویٰ (سرگوشی) اس نوع میں سے نہیں جس کی اضافت مکان کی طرف کی جاسکے، لیکن اس کی اضافت افراد کی طرف ہوتی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس بات کی خبر دی ہے کہ وہ مکان سے پاک اور بلند ہے اور وہ اس سے پاک ہے کہ کوئی چیز اس سے مخفی رہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کو بیان کیا ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

آیت ۲۱ وَنَحۡنُ أَقۡرَبُ إِلَيۡهِ مِنۡ حَبۡلِ ٱلۡوَرِيدِ ۔ (سورت ق:۱۶)

ترجمہ اور ہم اُس کی شہ رگ سے بھی زیادہ اُس کے قریب ہیں۔

یعنی اللہ تعالیٰ کی سلطنت اور قوت کے ساتھ۔

اور زمین و آسمان کے ہر حصے میں اپنی اُلوہیت کے ساتھ، اس لیے کہ تمام مکانات اس کی عبادت کے لیے ہیں:

آیت ۲۲ وَهُوَ ٱلَّذِي فِي ٱلسَّمَآءِ إِلَٰهٞ وَفِي ٱلۡأَرۡضِ إِلَٰهٞۚ وَهُوَ ٱلۡحَكِيمُ ٱلۡعَلِيمُ ۔ (الزخرف:۸۴)

ترجمہ وہی (اللہ تعالیٰ) ہے جو آسمان میں بھی معبود ہے اور زمین میں بھی معبود۔ اور وہی ہے جو حکمت کا بھی مالک ہے، علم کا بھی مالک۔

اللہ تعالیٰ ہر چیز کا مالک ہے، جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

آیت ۲۳ أَلَمۡ تَعۡلَمۡ أَنَّ ٱللَّهَ لَهُۥ مُلۡكُ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلۡأَرۡضِ ۔ (البقرہ:۱۰۷؛ المائدہ:۴۰)

ترجمہ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ وہ ذات ہے کہ آسمانوں اور زمین کی سلطنت تنہا اُسی کی ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی علوِشان اور اپنے عظمت وجلال کو بیان فرمایا ہے:

آیت ۲۴ وَهُوَ ٱلۡقَاهِرُ فَوۡقَ عِبَادِهِۦ ۔ (الانعام:۱۸، ۶۱)

ترجمہ وہی اپنے بندوں پر مکمل اقتدار رکھتا ہے۔

آیت ۲۵ وَهُوَ بِكُلِّ شَيۡءٍ عَلِيمٞ ۔ (البقرہ:۲۹)

ترجمہ اور وہ ہر چیز کا پورا علم رکھنے والا ہے۔

آیت ۲۶ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيۡءٖ قَدِيرٌ ۔ (سورت المائدہ:۱۷)

ترجمہ اور وہ ہر چیز پر پوری پوری قدرت رکھتا ہے۔

پس اللہ تعالیٰ نے ان حروف کے درمیان اس فرق کو واضح کردیا ہے جو ان میں ہے تاکہ اس بات کو جان لیا جائے کہ تمام اسمائے باری تعالیٰ اور صفاتِ باری تعالیٰ اس کی ذات کے ساتھ قائم ہیں، نہ کہ اس کی مخلوق میں سے کسی کے ساتھ۔ اسی طرح اس کی عزت وشرف، اس کی عظمت وجلال، اس کی حمد وثناء بھی مشابہت وتشبیہ سے پاک ہے۔ اس کی ذات کے سوا کوئی بھی معبود نہیں ہے۔

12 بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ عرش سے اللہ تعالیٰ کی مراد بادشاہی اور سلطنت ہے۔ اس لیے کہ وہ نام ہے جو اشیاء میں سے مرتفع اور بلند ہو جائے، یہاں تک کہ اس کے ساتھ سطح اور درختوں کی چوٹیوں سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔

13 استواء میں تین وجوہ کو بیان کیا گیا ہے:

اوّل استیلاء یعنی غلبہ پالینا۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے: فلاں شخص نے اس علاقے پر غلبہ حاصل کرلیا ہے۔ یہاں اس کا معنی استیلاء ہے۔

دوم عالی اور بلند ہونا۔ جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

آیت ۲۷ فَإِذَا اسْتَوَيْتَ أَنْتَ وَمَنْ مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ ۔ (المؤمنون: ۲۸)

ترجمہ پھر جب تم اور تمہارے ساتھی کشتی میں ٹھیک ٹھیک بیٹھ چکیں۔

سوم تمام یعنی پورا کرنا۔ جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

آیت ۲۸ وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ وَاسْتَوَىٰ آتَيْنَاهُ حُكْماً وَّعِلْماً ۔ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۔ (القصص: ۱۴)

ترجمہ اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی بھرپور توانائی کو پہنچے، اور پورے جوان ہو گئے تو ہم نے اُنہیں حکمت اور علم سے نوازا۔ اور نیک لوگوں کو ہم یوں ہی صلہ دیا کرتے ہیں۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا معنی قصد و ارادہ ہے۔ اسی معنی کو بعض اہل زبان نے اس آیت میں اختیار کیا ہے:

آیت ۲۹ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيْعاً ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰاهُنَّ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ ۔ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۔ (البقرہ: ۲۹)

ترجمہ وہی ہے جس نے زمین میں جو کچھ ہے تمہارے لیے پیدا کیا۔ پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا۔ چنانچہ ان کو سات آسمانوں کی شکل میں ٹھیک ٹھیک بنا دیا۔ اور وہ ہر چیز کا پورا علم رکھنے والا ہے۔

اس معنی میں کہ اللہ تعالیٰ نے خلق (پیدا کرنے) کے فعل کو تمثیل کی صورت میں خلق سے تعبیر کیا ہے جس میں ان کے پیدا کرنے کے فعل کو قصد (ارادہ) میں پڑھا گیا

ہے، اگرچہ اس کو قصد بھی نہیں کہا جا سکتا ہے۔

14 حضرت امام ابو منصور ماتریدیؒ فرماتے ہیں: پھر اس توجیہ میں یہ بات بھی ہے کہ اس کو استیلاء یعنی قہر اور غلبہ کے معنی میں لیا جائے اور عرش کو سلطنت کے معنی میں لیا جائے، تو اللہ تعالیٰ تو تمام مخلوقات پر قاہر اور غالب ہے۔ اس تاویل کی بنا پر یہ دو اُمور پر دلالت کرتا ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

آیت ۳۰ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۔ (التوبة: ۱۲۹)

ترجمہ اور وہ عرشِ عظیم کا مالک ہے۔

بہت بڑے بادشاہ کے معنی میں

اس میں عروش وغیرہ کا اثبات ہے۔ پس اس میں اُٹھائے گئے عرش اور اس کو گھیرنے والے فرشتے بھی مراد ہیں۔

15 اگر اس کو پورا کرنا اور بلند ہونے کے معنی میں لیا جائے۔ تو اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

آیت ۳۱ قُلْ أَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْأَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهُ أَنْدَاداً ۔ ذٰلِكَ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ ۔ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبَارَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَا أَقْوَاتَهَا فِيْ أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ سَوَاءً لِّلسَّائِلِيْنَ ۔ ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْأَرْضِ ائْتِيَا طَوْعاً أَوْ كَرْهاً ۔ قَالَتَا أَتَيْنَا طَائِعِيْنَ ۔ فَقَضَاهُنَّ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ وَأَوْحَىٰ فِيْ كُلِّ سَمَآءٍ أَمْرَهَا وَزَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَحِفْظاً ۔ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۔ (فصلت: ۹ تا ۱۲)

ترجمہ کہہ دو کہ: ”کیا تم واقعی اُس ذات کے ساتھ کفر کرتے ہو جس نے زمین کو دو دِن میں پیدا کیا، اور اُس کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہراتے ہو؟ وہ ذات تو سارے جہانوں کی پرورش کرنے والی ہے۔ اور اُس نے زمین میں جمے ہوئے پہاڑ پیدا کیے جو اُس کے اوپر اُبھرے ہوئے ہیں، اور اُس میں برکت ڈال دی، اور اُس میں توازن کے ساتھ اُس کی غذائیں پیدا کیں ____ سب کچھ چار دن میں ____ تمام سوال کرنے والوں کے لیے برابر۔ پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا، جب کہ وہ اُس وقت

دھویں کی شکل میں تھا۔ اور اس سے اور زمین سے کہا: ''چلے آؤ، چاہے خوشی سے یا زبردستی''۔ دونوں نے کہا: ''ہم خوشی خوشی آتے ہیں''۔ چنانچہ اُس نے دو دن میں اپنے فیصلے کے تحت اُن کے سات آسمان بنا دیئے۔ اور ہر آسمان میں اُس کے مناسب حکم بھیج دیا۔ اور ہم نے اس قریب والے آسمان کو چراغوں سے سجایا، اور اُسے خوب محفوظ کر دیا۔ یہ اُس ذات کی نپی تُلی منصوبہ بندی ہے جس کا اقتدار بھی کامل ہے، جس کا علم بھی مکمل۔

☆ تو اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں چھ دنوں میں مخلوق کی پیدائش کا علیحدہ علیحدہ ذکر کیا ہے۔ پھر اس کو اجمالی طور پر اس آیت میں ذکر کیا ہے:

آیت ۳۲ إِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِيْ سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ۔ يُغْشِي اللَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهُ حَثِيْثًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرَاتٍ بِأَمْرِهِ۔ أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ۔ تَبَارَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ۔ (الاعراف:۵۴)

ترجمہ یقیناً تمہارا پروردگار وہ اللہ ہے جس نے سارے آسمان اور زمین چھ دن میں بنائے۔ پھر اس نے عرش پر استواء فرمایا۔ وہ دن کو رات کی چادر اُڑھا دیتا ہے، جو تیز رفتاری سے چلتی ہوئی اُس کو آدبوچتی ہے۔ اور اُس نے سورج، چاند اور ستارے پیدا کیے ہیں جو سب اُس کے حکم کے آگے رام ہیں۔ یاد رکھو کہ پیدا کرنا اور حکم دینا سب اُسی کا کام ہے۔ بڑی برکت والا ہے اللہ جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے!

اس میں اس معنی کو بیان کیا گیا ہے کہ آسمانوں اور زمین کی تخلیق مکمل کرنے سے تخلیق کا عمل مکمل ہو گیا۔ پس ان سے بادشاہی کا ظہور کامل ہو گیا اور اس کو بلندی اور ارتفاع حاصل ہو گیا۔ کیونکہ ان چیزوں کی تخلیق سے مقصد پورا ہو گیا جس کی ہم نے وضاحت بیان کر دی ہے۔

پس اس سے بادشاہی اور رفعتِ شان کا معنی پورا ہو گیا، جب یہ مقصد ان تک پہنچ گیا۔ اور یہ بات بھی کہی گئی ہے: یہ مقصد خصوصاً انسان کی پیدائش سے پورا ہو گیا۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

آیت ۳۳ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيْعًا۔ (البقرہ:۲۹)

ترجمہ وہی ہے جس نے زمین میں جو کچھ ہے سب تمہارے لیے پیدا کیا ہے۔

آیت ۳۴ وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ۔ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرَاتٌ بِأَمْرِهِ۔ إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ۔ (النحل:۱۲)

ترجمہ اور اُس نے دن اور رات کو اور سورج اور چاند کو تمہاری خدمت پر لگا رکھا ہے۔ اور ستارے بھی اُس کے حکم سے کام پر لگے ہوئے ہیں۔ یقیناً ان باتوں میں اُن لوگوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں جو عقل سے کام لیں۔

آیت ۳۵ وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ۔ إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ۔ (الجاثیہ:۱۳)

ترجمہ اور آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، اُس سب کو اُس نے اپنی طرف سے تمہارے کام میں لگا رکھا ہے۔ یقیناً اس میں اُن لوگوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں جو غور و فکر سے کام لیں۔

☆ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انسان کو ساتویں دن پیدا کیا گیا ہے۔ اسی کے ساتھ پورا ہونا اور علو و رفعت کا معنی پورا ہوتا ہے۔ اس لیے کہ ہر چیز تو انسانوں کے لیے پیدا کی گئی ہے اور انسان اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔ جنوں کو بھی انسانوں کے ساتھ ہی ملحق کیا گیا ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

آیت ۳۶ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ۔ (الذاریات:۵۶)

ترجمہ اور میں نے جنات اور انسانوں کو اس کے سوا کسی اور کام کے لیے پیدا نہیں کیا کہ وہ میری عبادت کریں۔

لیکن مقصودِ اصلی تو انسان ہی ہے۔ اس لیے جن چیزوں کی تسخیر کا ذکر کیا گیا ہے، وہ سب کی سب انسان کے لیے ہیں۔ پھر اسی کے ساتھ ان کے منافع بھی ان کو حاصل ہوتے ہیں۔ اور توفیق تو اللہ ہی کی طرف سے ہے۔

16 حضرت امام ابو منصور ماتریدیؒ فرماتے ہیں: اس مسئلہ میں اصل اور معتبر بات تو اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہی ہے:

آیت ۳۷ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ (الشوریٰ:۱۱)

ترجمہ کوئی چیز اُس کے مثل نہیں ہے، اور وہی ہے جو ہر بات سنتا، سب کچھ دیکھتا ہے۔

پس اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی تشبیہ سے ہر حال میں نفی فرمائی ہے۔ ہم نے اس بات کی وضاحت کردی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے افعال اور صفات میں مخلوق کی تشبیہ سے پاک اور بلند ہیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے اس فرمان:

آیت ۳۸ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ۔ (سورت طٰہٰ:۵)

ترجمہ وہ بڑی رحمت والا عرش پر استواء فرمائے ہوئے ہے۔

میں وہی قول واجب ہے کہ اس پر اسی طرح ایمان لایا جائے جس طرح قرآنِ پاک میں آیا ہے اور عقل بھی اسی کی تائید کرتی ہے۔

پھر اس کی ہم کوئی قطعی تاویل ہرگز نہیں کرتے۔ اس لیے کہ ہوسکتا ہے کہ ہماری بیان کردہ تاویل کے علاوہ یہاں دوسرا احتمال اور معنی مراد ہو۔ یا وہ احتمال مراد ہو جہاں تک ہماری عقل کی رسائی ہی نہیں۔ وہ معنی ہرگز مراد نہیں جس میں مخلوق کی تشبیہ کا شائبہ بھی ہو۔ ہم تو اسی پر ایمان لاتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی مراد ہے۔ یہی عقیدہ ہر اس مسئلہ میں ہے جس میں وحی (قرآن وحدیث) کی نص موجود ہے، جیسے رؤیتِ باری تعالیٰ وغیرہ۔ ان میں اللہ تعالیٰ سے تشبیہ کی نفی کرنی ہے۔ اور اس پر ایمان لانا ہے جو بھی اللہ تعالیٰ کی مراد ہے۔ اس کی تحقیق وجستجو میں ہرگز نہیں پڑنا ہے۔ اور توفیق تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی ہے۔

17 اصل اس مسئلہ میں یہ ہے کہ سامع پر معاملہ تنگ ہوجاتا ہے، اس وجہ سے کہ وہ اس مفہوم کو سمجھنے کی قدرت رکھتا ہے جو مخلوق کے لحاظ سے وجود میں ہوتا ہے۔ اور جب یہ بات لازمی اور طے شدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور افعال کے بارے میں وہ قول اختیار کیا جائے جو تشبیہ وتجسیم سے پاک اور منزہ ہو۔ یہ بات جائز نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف اضافت اور نسبت کے مفہوم کو اس مفہوم کے معنی میں لیا جائے جو اس کی ذات کے علاوہ مخلوق میں اس کا وجود پایا جاتا ہو۔ اس کے ساتھ یہ بات بھی ہے کہ اس کے (لغوی) معنی پر انحصار کرنے سے کلام کا رُخ مخلوق کی چلا جاتا ہے،

اس لیے کہ اس کلام کے سننے سے پہلے اُس کا علم اسی کے مطابق ہوتا ہے۔ اس کلام کے سننے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی معرفت اس کے علاوہ ہوگی جس سے مخلوق کی معرفت ہوتی ہے۔ تاویل ومعنی کو اس طرح بیان کرنا جو مخلوق کے لحاظ سے سمجھ میں آتا ہے، جائز اور درست نہیں ہے۔ اس لیے کہ اس علم کا سبب وہی ہے جو پہلے سے اس کے ذہن میں ہوتا ہے۔ لہٰذا اسی معنی کا احتمال ہوگا جو شاہد سے سمجھ میں آسکتا ہے۔ لہٰذا الفاظ "عَلٰی"، "العرش" اور "استواء" کے معانی مختلف ہیں۔ ان کے وہ معانی لینا جو بہت ہی متوحش اور ناپسندیدہ ہوں، جائز اور درست نہیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس میں وہی طریقہ عمدہ اور بہترین ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں وہی طریقہ اختیار کیا جائے جیسا کہ وعدے اور وعید کا بیان، اور حروف مقطعات وغیرہ میں اختیار کیا جاتا ہے۔ ان میں ایک مؤمن اپنی طرف سے قطعی بات کہنے سے گریز کرتا ہے۔

18 کعبی معتزلی نے ایک مرتبہ یوں کہا ہے کہ یہ جائز نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی مکان میں موجود ہو، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ موجود تھا حالانکہ اُس وقت کوئی مکان موجود نہیں تھا۔ یہ بات جائز نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کو مکان کی حاجت پیش آجائے، اس لیے کہ وہ تو اس کا پیدا کرنے والا ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ پر تغیر کا آنا درست نہیں ہے۔ اس کے بعد کعبی معتزلی نے کہا: وہ ہر مکان میں موجود ہے، اس معنی کے لحاظ سے کہ وہ اس کا علم رکھنے والا ہے، اس کا محافظ ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے: فلاں شخص مکان کی بنیاد رکھنے میں شامل ہے، یعنی اس کے بنانے والا ہے۔

19 حضرت امام ابومنصور ماتریدیؒ فرماتے ہیں: کعبی معتزلی کا یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ کسی مکان میں نہیں ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ تھا اور کوئی مکان نہیں تھا، یہ بات حق اور سچ ہے۔ اس لیے کہ یہ تغیر ہے۔ اس کا حاجت والا قول، اس کو تو مخالف نے کہا ہی نہیں۔ تو اس طرح اس کا رد کرنا خطا ہے۔ پھر وہ یہ بھی کہتا ہے: اللہ تعالیٰ خالق بھی نہیں تھے، نہ رحمٰن تھے، نہ متکلم تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ ایسے ہو گئے، بعد اس کے کہ ایسے نہیں تھے۔ اس سے تو تغیر ثابت ہوگیا بلکہ مکان میں تغیر ثابت ہوگیا، اس لحاظ سے کہ ایک شخص مکان

میں آجائے، جب کہ وہ اس میں نہیں تھا بغیر کسی تغیر وتبدل کے۔ مثلاً وہ اس کو مکان بنا لے جو اس کا احاطہ کرنے والا ہو۔ یہ بات تو جائز نہ ہو کہ اس کے اندر تغیر پایا جائے، اس لحاظ سے کہ شاہد میں فاعل کی ذات سے تغیر نہ ہو، اور جب اس سے مکان کے منع والا قول اختیار کیا گیا تو اس کا فعل میں اختیار کرنا زیادہ بہتر ہے۔ اس لیے کہ اس میں تغیر ماننا زیادہ سخت اور انوکھا ہے، اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ شاہد میں فاعل کوئی بھی نہیں ہے اس تغیر کے بغیر جو اس کو لاحق ہو، اور یہ جائز ہو کہ وہ مکان میں ہو، جب کہ وہ ذات وہ ہے کہ اس میں صفت خلق تو ہے، تغیر نہیں ہے۔ اسی لیے فعل میں تغیر کا معنی زیادہ شدید ہے۔ توفیق تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

پھر اس کعبی معتزلی کے قول میں یہ بات بہت عجیب ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر مکان میں ہے اس معنی کے لحاظ سے کہ وہ عالم ہے۔ اور عالم اس کی ذات کا اسم ہے، اور وہ اپنی ذات کے ساتھ اس کے پاس ہے۔ وہ کسی مکان میں نہیں ہے۔ اور اس نے اللہ تعالیٰ کے لیے علم کا اثبات نہیں کیا ہے تا کہ وہ اس مکان تک پہنچے جس کے بارے میں وہ کہتا ہے کہ اس میں موجود ہے۔

یہاں غور وفکر سے کام لو تا کہ تم اس کے قول میں تناقض کو سمجھ سکو!!

پھر وہ کعبی یوں بھی کہتا ہے: وہ ایک مرتبہ ان کی حفاظت کرتا ہے اور ایک مرتبہ اس کام کو کرتا ہے۔ اس کی حفاظت اور اس کا فعل مکان میں ہوگا، مکان کے بغیر نہیں ہوگا۔ لہٰذا اس قول کا حاصل یہ ہوا: اللہ تعالیٰ مکانوں میں سے ہر مکان میں ہے۔ اور اس بعد یہ قول بھی ہے: بلکہ وہ تمام جگہوں کا عالم بھی ہے، ان کے وجود سے پہلے بھی، اور ان کے وجود کے بعد بھی۔ اللہ ہی توفیق دینے والے ہیں۔

20 حضرت امام ابو منصور ماتریدیؒ فرماتے ہیں:

دعا کے وقت آسمان کی طرف ہاتھ اُٹھانا تو یہ عبادت کی وجہ سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کی شانِ اولوہیت میں سے ہے کہ وہ اپنے بندوں کے لیے عبادت کا جو طریقہ مقرر کرے اور وہ اپنے بندوں کو جس طرف چاہے، رخ کرنے کا حکم دے۔ اگر کوئی شخص یہ خیال کرے کہ آسمان کی طرف آنکھوں کو اُٹھانا اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس سمت

میں ہیں۔ یہ خیال کرنا ایسا ہی ہے جیسا کوئی شخص یہ خیال کرے کہ اللہ تعالیٰ زمین کے نچلی جانب ہے، اس لیے کہ سجدے میں آدمی زمین کی طرف توجہ کر کے زمین پر اپنا چہرہ رکھ دیتا ہے وغیرہ۔ یہ خیال ایسا ہی ہے کہ وہ شخص یہ خیال کرے کہ اللہ تعالیٰ زمین کے مشرقی یا مغربی سمت میں ہے، کیونکہ وہ نماز میں اس طرف رخ کر رہا ہے، یا وہ حج کے لیے مکہ مکرمہ کا رخ کر کے چلے، یا مشاعر میں سعی کرے اس حال میں کہ وہ حیران وپریشان ہو یا وہ تیز رفتاری کے ساتھ چل رہا ہو۔ اور وہ اس چیز کا ارادہ کر رہے ہوں جو ان سے کھوئی گئی ہو۔ اللہ تعالیٰ کی ذات تو اس سے بہت بلند ہے۔

21 پھر اللہ تعالیٰ کی ذات ایسی عظیم الشان ہے کہ کوئی وجہ اور بیان ایسا نہیں ہے جو اس کی ذاتِ باری تعالیٰ کے زیادہ قریب ہو، اور نہ کسی کو یہ حق ہے کہ وہ اس کے بارے میں کسی طریقہ سے کچھ معلوم کر سکے، نہ مخلوق میں سے کسی کو یہ طاقت ہے کہ وہ کسی بھی لحاظ سے اس تک رسائی حاصل کر سکے، نہ عقل کو اس کی طمع اور امید ہو سکتی ہے۔ لہٰذا مخلوق کی عبادت کرنا خود انہی کے لیے ہی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر بجا لائیں۔ اس کی شان ایسی بلند ہے کہ وہی ہوتا ہے جیسے وہ چاہتا ہے۔ کسی کی بھی عقل وفہم کی کسی بھی لحاظ سے وہاں تک رسائی ممکن نہیں ہے، مگر اتنا ہی جتنا اللہ تعالیٰ کسی کو معرفت عطا فرما دے۔

22 ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی صفتِ قرب سے مراد اجابت یعنی دعا کا قبول کرنا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

آیت ۳۹ وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَإِنِّيْ قَرِيْبٌ ۔ أُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ۔ (البقرہ:۱۸۶)

ترجمہ اور (اے پیغمبر!) جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں پوچھیں تو (آپ ان سے کہہ دیجئے کہ) میں اتنا قریب ہوں کہ جب کوئی مجھے پکارتا ہے تو میں پکارنے والے کی پکار سنتا ہوں۔ لہٰذا وہ بھی میری بات دِل سے قبول کریں، اور مجھ پر ایمان لائیں، تا کہ وہ راہِ راست پر آجائیں۔

☆ نصرت اور مدد کرنا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

آیت ۴۰ إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ۔ (النحل:۱۲۸)

ترجمہ یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کا ساتھی ہے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں، اور جو اِحسان پر عمل پیرا ہیں۔

☆ منزلت اور مقام کے لحاظ سے تقرب، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے:

آیت ۴۱ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ۔ (العلق:۱۹)

ترجمہ اور سجدہ کر، اور قریب آجاؤ۔

☆ اور حدیث شریف میں روایت کیا گیا ہے:

"مَنْ تَقَرَّبَ إِلَيَّ شِبْرًا تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ ذِرَاعًا" إلى آخر ذٰلك۔

ترجمہ جو شخص ایک بالشت میرے قریب آئے گا، میں اس کی طرف ایک ذراع آؤں گا۔

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

آیت ۴۱ يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا إِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔ (المائدہ:۳۵)

ترجمہ اے ایمان لاؤ! اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ اور اس تک پہنچنے کے لیے وسیلہ تلاش کرو، اور اس کے راستے میں جہاد کرو۔ اُمید ہے کہ تمہیں فلاح حاصل ہوگی۔

☆ نگرانی اور حفاظت کے معنی میں۔

آیت ۴۲ وَرَبُّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ۔ (سبا:۲۱)

ترجمہ اور تمہارا پروردگار ہر چیز پر نگراں ہے۔

آیت ۴۳ اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ۔ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ۔ (الزمر:۶۲)

ترجمہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے، اور وہی ہر چیز کا رکھوالا ہے۔

آیت ۴۴ أَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ۔ (الرعد:۳۳)

ترجمہ بھلا بتاؤ کہ ایک طرف وہ ذات ہے جو ہر ہر شخص کے ہر ہر کام کی نگرانی کر رہی ہے۔

☆ علم کے معنی میں، وغیرہ۔

آیت ۴۵ وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْأَرْضِ۔ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ۔ (الانعام:۳)

ترجمہ اور وہی اللہ آسمانوں میں بھی ہے، اور زمین میں بھی۔ وہ تمہارے چھپے ہوئے بھید بھی جانتا ہے، اور کھلے ہوئے حالات بھی۔ اور جو کچھ کمائی تم کر رہے ہو، اس سے بھی واقف ہے۔

23 پس انہی بعض وجوہ کی مثل ہی اللہ تعالیٰ کی دوسری صفات ہیں، مثلاً صفت مجیئ (آنا)، ذہاب (جانا) اور صفت قعود (بیٹھنا) ہیں۔ حالانکہ مجیئ (آنا) تو اجسام کے ساتھ ہوتا ہے، جس سے منتقل ہونے کا مفہوم سمجھ میں آتا ہے۔ پھر اسی طرح حق کا آنا اس سے ظہور کا مفہوم مراد ہوتا ہے۔ جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

آیت ۴۶ وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ۔ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا۔

(بنی اسرائیل:۸۱)

ترجمہ اور کہو کہ: ''حق آن پہنچا، اور باطل مٹ گیا، اور یقیناً باطل ایسی ہی چیز ہے جو مٹنے والی ہے''۔

اور اسی معنی ہے: باطل کا چلا جانا یعنی اس کا باطل ہو جانا ہے۔ اور جسم کا جانا تو اس کا ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا ہے۔

پس اعراض اور اجسام میں آنے اور جانے کے یہی معروف معنی ہیں۔ اللہ تعالیٰ تو ان سب معانی سے برتر اور منزہ ہے۔ یہ جائز نہیں ہے کہ بیان کردہ معانی میں سے کسی بھی معنی کی اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کی جائے۔ قوت اور طاقت تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی ہے۔

24 اس مسئلہ کی توضیح ایک دوسری عبارت بھی ہے: کوئی ایسی جہت اور حالت نہیں ہے مگر اللہ تعالیٰ کے اپنے بندوں پر انعامات ہیں، جن کا شمار ممکن نہیں ہے۔ پس اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے اپنے بندوں پر انعام کرتا رہتا ہے۔ اور انہی میں سے عبادات ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے جوارح میں سے مقرر کی ہیں، اور اموال ہیں جن کے ذریعے بھی عبادت کی جاتی ہے۔ ان دونوں میں بھی انعامات ہیں۔ اور قوت تو اللہ تعالیٰ ہی سے ہے۔

25 اس کے ساتھ یہ بات بھی ہے کہ آسمان وحی کا محل، مقام اور مہبط ہے۔ اور آسمان سے

ہی دنیا کی برکات کا ظہور ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے نگاہ آسمان کی طرف جاتی ہے۔ اور قوت اور طاقت تو اللہ تعالیٰ ہی سے ہے۔

2 مَسْأَلَةُ رُؤْيَةِ اللهِ (رؤیت باری تعالیٰ کا مسئلہ)

1 قَالَ أَبُو مَنْصُور رَحمَه الله: القَوْل فِي رُؤْيَة الرب عز وَجل عندنَا لَازم وَحقّ من غير إِدْرَاك وَلَا تَفْسِير.

فَأما الدَّلِيل على الرُّؤْيَة فَقَوله تَعَالَى: "لَا تُدْرِكهُ الْأَبْصَار وَهُوَ يدْرك الْأَبْصَار" وَلَو كَانَ لَا يرى لم يكن لنفي الْإِدْرَاك حِكْمَة إِذْ يدْرك غَيره بِغَيْر رُؤْيَة. فموضع نفي الْإِدْرَاك وَغَيره من الْخلق لَا يدْرك إِلَّا بِالرُّؤْيَةِ لَا معنى لَهُ. وَبِاللهِ التَّوْفِيق.

2 وَالثَّانِي قَول مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَام: "رب أَرِنِي أنظر إِلَيْك" وَلَو كَانَ لَا يجوز الرُّؤْيَة لَكَانَ ذَلِك السُّؤَال مِنْهُ جهل بربه. وَمن يجهله لَا يحْتَمل أَن يكون موضعا لرسالته أَمينا على وحيه.

3 وَبعد، فَإِن الله تَعَالَى لم يَنْههُ وَلَا أيأسه وَبِدُونِ ذَلِك نهى نوحًا وعاتب آدم وَغَيرهمَا من الرُّسُل. وَذَلِكَ لَو كَانَ لَا يجوز، يبلغ الْكفْر. ثمَّ قَالَ: "فَإِن اسْتَقر مَكَانَهُ فَسَوف تراني".

فَإِن قيل: لَعَلَّه سَأَلَ آيَة يعلم بهَا. قيل: لَا يحْتَمل ذَلِك لوجوه:

أَحدهَا: أَنه قَالَ "لن تراني" وَقد أرَاهُ.

4 وَأَيْضًا إِن طلب الْآيَات يخرج مخرج التعنت أَو قد أرَاهُ الْآيَات. وَذَلِكَ تعنت الْكَفَرَة أَنهم لَا يزالون يطلبونَ الْآيَات وَإِن كَانَتِ الْكِفَايَة قد ثبتَتْ فَمثله ذَلِك.

5 وَأَيْضًا أَنه قَالَ: "فَإِن اسْتَقر مَكَانَهُ فَسَوف تراني" وَالْآيَة الَّتِي يسْتَقرّ مَعهَا الْجَبَل دون الْآيَة الَّتِي لَا يسْتَقرّ مَعهَا، ثَبت أَنه لم يرد بذلك الْآيَة. وَلَا قُوَّة إِلَّا بِاللهِ.

6 وَأَيْضًا مُحَاجَّة إِبْرَاهِيم قومه فِي النُّجُوم وَمَا ذكر بالأفول والغيبة وَلم يحاجهم بِأَن لَا يحب رَبًّا يرى وَلَكِن حاجهم بِأَن لَا يحب رَبًّا يأفل، إِذْ هُوَ دَلِيل عدم الدَّوَام. وَلَا قُوَّة إِلَّا بِاللهِ.

7 وَأَيْضًا قَوْله تَعَالَى: "وُجُوه يَوْمئِذٍ ناضرة إِلَى رَبهَا ناظرة". ثمَّ لَا يحْتَمل ذَلِك الإنتظار لأوجه:

8 أَحدهَا: أَن الْآخِرَة لَيست لوقت الإنتظار إِنَّمَا هِيَ الدُّنْيَا. هِيَ دَار الْوُقُوع والوجود إِلَّا وَقت الْفَزع. وَقيل: إِنَّهُم يعاينوا فِي أنفسهم مَا لَهُ حق الْوُقُوع.

وَالثَّانِي: قَوْله: "وُجُوه يَوْمئِذٍ ناضرة" وَذَلِكَ وُقُوع الثَّوَاب.

وَالثَّالِث: قَوْله: "إِلَى رَبهَا ناظرة". و "إِلَى" حرف يسْتَعْمل فِي النّظر إِلَى الشَّيْء لَا فِي الإنتظار.

9 وَالرَّابِع: أَن القَوْل بِهِ يخرج مخرج الْبشَارَة تَعْظِيم مَا نالوا من النعم. والإنتظار لَيْسَ مِنْهُ مَعَ مَا كَانَ الصّرْف عَن حَقِيقَة الْمَفْهُوم قَضَاء على الله. فَيلْزم القَوْل بِالنّظرِ إِلَى الله، كَمَا قَالَ على نفي جَمِيع مَعَاني الشّبَه عَن الله سُبْحَانَهُ، على مثل مَا أضيف إِلَيْهِ من الْكَلَام وَالْفِعْل وَالْقُدْرَة والإرادة يجب الْوَصْف بِهِ على نفي جَمِيع مَعَاني الشّبَه. وَكَذَلِكَ القَوْل بالهستية.

10 فَمن زعم أَن الله تَعَالَى لَا يقدر أَن يكرم أحدا بِالرُّؤْيَةِ فَهُوَ يقدر بِالرُّؤْيَةِ الَّتِي فهمها من الْخلق. وَإِن كَانَ القَوْل بالرحمن على الْعَرْش اسْتَوَى وَغير ذَلِك من الْآيَات لَا يجب دَفعهَا بِالْعرضِ على الْمَفْهُوم من الْخلق بل يُحَقّق ذَلِك على نفي الشّبَه فَمثله خبر الرُّؤْيَة. وَالله الْمُوفق.

11 وَأَيْضًا قَوْله تَعَالَى: "لِلَّذين أَحْسنُوا الْحسنى وَزِيَادَة". وَجَاء فِي غير خبر النّظر إِلَى الله، وَقد يحْتَمل غير ذَلِك مِمَّا جَاءَ فِيهِ التَّفْسِير، لكنه

لَوْلَا أَن القَوْل بِالرُّؤْيَةِ كَانَ أمرا ظَاهرا لم يُحْتَمل صرف ظَاهر لم
يَجِيء فِيهَا إِلَيْهَا وَيدْفع بِهِ الْخَبَر. وَلَا قُوَّة إِلَّا بِاللَّه.

12 وَأَيْضًا مَا جَاءَ عَن رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم فِي غير خبر أَنه قَالَ: "سَتَرَوْنَ ربكُم يَوْم الْقِيَامَة كَمَا ترَوْنَ الْقَمَر لَا تضَامون". وَسُئِلَ هَل رَأَيْت رَبك؟ فَقَالَ: "بقلبي". قيل: فَلم يُنكر على السَّائِل السُّؤَال. وَقد علم السَّائِل أَن رُؤْيَة الْقلب هِيَ الْعلم. وَأَنه قد علمه وَأَنه لم يسْأَل عَن ذَلِك. وَقد حذر الله عز وَجل الْمُؤمنِينَ عَن السُّؤَال عَن أَشْيَاء قد كفوا عَنْهَا بقوله: "يَا أَيهَا الَّذين آمنُوا لَا تسألوا عَن أَشْيَاء". فَكيف يحْتَمل أَن يكون السُّؤَال عَن مثله بحي وَذَلِكَ كفر فِي الْحَقِيقَة عِنْد قوم ثمَّ لَا ينهاهم عَن ذَلِك وَلَا يوبخهم فِي ذَلِك بل يلين القَوْل فِي ذَلِك. وَيرى أَن ذَلِك لَيْسَ ببديع. وَالله الْمُوفق.

13 وَأَيْضًا أَن الله تَعَالَى وعد أَن يجزى أحسن مِمَّا عمِلُوا بِهِ فِي الدُّنْيَا. وَلَا شَيْء أحسن من التَّوْحِيد وَأَرْفَع قدرا من الْإِيمَان بِهِ إِذْ هُوَ المستحسن بالعقول وَالثَّوَاب الْمَوْعُود من جَوْهَر الْجنَّة حسنه حسن الطَّبْع. وَذَلِكَ دون حسن الْعقل إِذْ لَا يجوز أَن يكون شَيْء حسنا فِي الْعُقُول لَا يستحسنه ذُو عقل. وَجَائِز مَا استحسنه الطَّبْع أَن يكون طبع لَا يتلذذ بِهِ كطبع الْمَلَائِكَة، وَمثله فِي الْعقُوبَة. لذَلِك لزم القَوْل بِالرُّؤْيَةِ لتَكون كَرَامَة تبلغ فِي الْجَلالَة مَا أكرموا بِهِ وَهُوَ أَن يصير لَهُم المعبود بِالْغَيْبِ شُهُودًا كَمَا صَار الْمَطْلُوب من الثَّوَاب حضورا. وَلَا قُوَّة إِلَّا بِاللَّه.

14 وَأَيْضًا أَن كلا يجمع على الْعلم بِاللَّه فِي الْآخِرَة الْعلم الَّذِي لَا يَعْتَرِيه الوسواس، وَذَلِكَ علم العيان لَا علم الِاسْتِدْلَال، وَكثر الْآيَات لَا تحقق علم الْحق الَّذِي لَا يعتري ذَلِك. دَلِيله قَوْله: "وَلَو

أننا نزلنا إِلَيْهِم الْمَلَائِكَة". وَمَا ذكر من استعانة الْكَفَرَة بالتكذيب فِي الْآخِرَة وإنكار الرُّسُل. وَقَوْلهمْ لم نمكث إِلَّا سَاعَة من النَّهَار وَغير ذَلِك.

وَبعد فَإِنَّهُ إِذْ لَا يجوز أَن يصير علم العيان نَحْو علم الِاسْتِدْلَال لم يجز أَن يصير علم الِاسْتِدْلَال نَحْو علم العيان فَثَبت أَن الرُّؤْيَة توجب ذَلِك.

15 وَبعد فَإِن فِي ذَلِك الْعلم يستوى الْكَافِر وَالْمُؤمن. والبشارة بِالرُّؤْيَةِ خص بهَا الْمُؤمن. وَلَا قُوَّة إِلَّا بِاللَّه.

16 قَالَ الْفَقِيه أَبُو مَنْصُور رَحمَه الله: وَلَا نقُول بِالْإِدْرَاكِ لقَوْله: "لَا تُدْرِكهُ الْأَبْصَار"، فقد امتدح بِهِ بنفي الْإِدْرَاك لَا يَنْفِي الرُّؤْيَة وَهُوَ كَقَوْلِه: "وَلَا يحيطون بِهِ علما" كَانَ فِي ذَلِك إِيجَاب الْعلم وَنفي الْإِحَاطَة فَمثله فِي حق الْإِدْرَاك. وَبِاللَّهِ التَّوْفِيق.

17 وَأَيْضًا إِن الْإِدْرَاك إِنَّمَا هُوَ الْإِحَاطَة بالمحدود. وَالله يتعالى عَن وصف الْحَد، إِذْ هُوَ نِهَايَة وتقصير عَمَّا هُوَ أَعلَى مِنْهُ، على أَنه وَاحِد فِي الذَّات. وَالْحَد وصف الْمُتَّصِل الْأَجْزَاء حَتَّى يَنْقَضِي، مَعَ إِحَالَة القَوْل بِالْحَدِّ أَو كَانَ وَلَا مَا يحد أَو بِهِ يحد. فَهُوَ على ذَلِك لَا يتَغَيَّر على أَن لكل شَيْء حدا يدْرك بسبيله نَحْو الطّعْم واللون والذوق والرائحة وَغير ذَلِك من حُدُود خاصية الْأَشْيَاء جعل الله لكل شَيْء من ذَلِك وَجها يدْرك بِهِ ويحاط بِهِ حَتَّى الْعُقُول والأعراض. فَأخْبر الله أَنه لَيْسَ بِذِي حُدُود وَجِهَات هِيَ طرف إِدْرَاكه بالأسباب الْمَوْضُوعَة لتِلْك الْجِهَات. وعَلى ذَلِك القَوْل بِالرُّؤْيَةِ وَالْعلم جَمِيعًا. وَلَا قُوَّة إِلَّا بِاللَّه.

18 وَبعد فَإِن القَوْل بِالرُّؤْيَةِ يَقع على وُجُوه. لَا يعلم حَقِيقَة كل وَجه من ذَلِك إِلَّا بِالْعلمِ بذلك الْوَجْه، حَتَّى إِذا عبر عَنهُ بِالرُّؤْيَةِ صرف

إلى ذٰلِك. وَمَا لَا يعرف لَهُ الْوَجه بِدُونِ ذكر الرُّؤْيَة لزم الْوَقْف فِي مائيتها على تحقيقها. وَأما الْإِدْرَاك إِنَّمَا هُوَ معنى الْوُقُوف على حُدُود الشَّيْء. أَلا ترى أَن الظل فِي التَّحْقِيق يرى لكنه لَا يدْرك إِلَّا بالشمس، وَإِلَّا كَانَ مرئيا على مَا يرى لوقت تسبح الشَّمْس وَلَكِن لَا يدْرك بِالرُّؤْيَةِ إِلَّا بِمَا يتَبَيَّن لَهُ الْحَد. وَكَذٰلِكَ ضوء النَّهَار يرى لٰكِن حَده لَا يعرف بِذَاتِهِ وَكَذٰلِكَ الظلمَة لِأَن طرفها لَا يرى فيدرك ويحاط بِهِ. وبالحدود يدْرك الشَّيْء، وَإِن كَانَ يرى لَا بِهِ. وَلذٰلِك ضرب الْمثل بالقمر أَنه لَا يعرف وَحده وَلَا سعته ليوقف ويحاط بِهِ وَيرى بِيَقِين. وَلَا قُوَّة إِلَّا بِاللهِ.

19 قَالَ أَبُو مَنْصُور رَحمَه الله: وَالْأَصْل فِيهِ القَوْل بذلك على قدر مَا جَاءَ، وَنفي كل معنى من مَعَاني الْخلق، وَلَا يُفَسر لما لم يَجِيء فِي ذٰلِك تَفْسِير. وَالله الْمُوفق.

20 فَإِن قيل: كَيفَ يرى؟

قيل: بِلَا كَيفَ، إِذْ الْكَيْفِيَّة تكون لذى صُورَة بل يرى بِلَا وصف قيام وقعود وإتكاء وَتعلق وإتصال وانفصال ومقابلة ومدابرة وقصير وطويل وَنور وظلمة وَسَاكن ومتحرك ومماس ومباين وخارج وداخل وَلَا معنى يَأْخُذهُ الْوَهم أَو يقدره الْعقل لتعاليه عَن ذٰلِك.

(التوحید ص۷۷ تا۸۵۔المؤلف: محمد بن محمد بن محمود، أبو منصور الماتريدی رحمہ اللہ (المتوفی ۳۳۳ھ)۔المحقق:د۔فتح الله خليف۔الناشر:دار الجامعات المصرية، الإسكندرية)

ترجمہ

1 حضرت ابومنصور ماتریدیؒ فرماتے ہیں: رؤیتِ باری تعالیٰ کے بارے میں قول ہمارے نزدیک حق اور لازمی ہے، مگر اس کی پوری کیفیت کی حقیقت اور تفسیر کے بغیر۔

رؤیت باری تعالیٰ کی دلیل یہ آیت ہے:

لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ ۔ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ۔

(الانعام: ۱۰۳)

ترجمہ نگاہیں اس کو نہیں پاسکتیں، اور وہ تمام نگاہوں کو پالیتا ہے۔ اس کی ذات اتنی ہی لطیف ہے، اور وہ اتنا ہی باخبر ہے۔

اور اگر اللہ تعالیٰ کو نہ دیکھا جاسکتا تو ادراک کی نفی کی کوئی حکمت ہی نہ ہوتی، اس لیے کہ اس کی ذات کے علاوہ دوسروں کی رؤیت کے بغیر بھی ادراک ہوسکتا ہے۔ پس اس کی ذات کے علاوہ مخلوق سے ادراک کی نفی کرنا: ''ادراک نہیں مگر رؤیت کے ساتھ''، اس کے کوئی معنی نہیں ہیں۔ توفیق تو اللہ تعالیٰ کی مدد سے ہی ہے۔

2 دوسرا یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قول:

رَبِّ أَرِنِيٓ أَنظُرْ إِلَيْكَ ۔ (الاعراف: ۱۴۳)

ترجمہ میرے پروردگار! مجھے دیدار کرادیجئے کہ میں آپ کو دیکھ لوں۔

اگر اللہ تعالیٰ کی رؤیت کا جواز نہ ہوتا، تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا رؤیت باری تعالیٰ کے بارے میں سوال اپنے رب کے بارے میں جہالت پر مبنی ہوتا۔ اور جو شخص اپنے رب کے بارے میں جاہل ہے تو وہ اس بات کا حقدار نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچائے، اور وہ اللہ تعالیٰ کی وحی کے اوپر امین بھی ہو۔

3 نیز اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس بات سے منع نہیں فرمایا اور نہ اس سے مایوس ہی کیا ہے۔ ان چیزوں کے بغیر بھی حضرت نوح علیہ السلام کو منع کردیا تھا اور حضرت آدم علیہ السلام اور کچھ دوسرے رسولوں پر بھی اللہ تعالیٰ نے عتاب فرمایا تھا۔ اور یہ بات اس لیے ہے کہ اگر یہ جائز نہ ہوتا تو بات کفر تک پہنچ جاتی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَإِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهُ فَسَوْفَ تَرَانِي ۔ (الاعراف: ۱۴۳)

ترجمہ اس کے بعد اگر وہ اپنی جگہ برقرار رہا تو تم مجھے دیکھ لوگے۔

پوری آیت کریمہ یوں ہے:

وَلَمَّا جَاءَ مُوسَىٰ لِمِيقَاتِنَا وَكَلَّمَهُ رَبُّهُ قَالَ رَبِّ أَرِنِيٓ أَنظُرْ إِلَيْكَ ۔

قَالَ لَنۡ تَرٰٮنِىۡ وَلٰـكِنِ انْظُرْ اِلَى الۡجَـبَلِ فَاِنِ اسۡتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوۡفَ تَرٰٮنِىۡ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلۡجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوۡسٰى صَعِقًا ۚ فَلَمَّاۤ اَفَاقَ قَالَ سُبۡحٰنَكَ تُبۡتُ اِلَيۡكَ وَاَنَا اَوَّلُ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ۔ (الاعراف: ۱۴۳)

ترجمہ اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام ہمارے مقررہ وقت پر پہنچے، اور اُن کا ربّ اُن سے ہم کلام ہوا، تو وہ کہنے لگے: ''میرے پروردگار! مجھے دیدار کرا دیجیے کہ میں آپ کو دیکھ لوں''۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکو گے۔ البتہ پہاڑ کی طرف نظر اُٹھاؤ۔ اس کے بعد اگر وہ اپنی جگہ برقرار رہا تو تم مجھے دیکھ لو گے''۔ پھر جب اُن کے رب نے پہاڑ پر تجلّی فرمائی تو اُس کو ریزہ ریزہ کر دیا۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بیہوش ہو کر گر پڑے۔ بعد میں جب اُنھیں ہوش آیا تو انھوں نے کہا: ''پاک ہے آپ کی ذات! میں آپ کے حضور توبہ کرتا ہوں۔ اور میں سب سے پہلے ایمان لاتا ہوں''۔

پھر اگر کوئی کہے: شاید حضرت موسیٰ نے سوال کسی بڑی نشانی کا کیا تھا جس کے ذریعے وہ معلوم کر لیں۔ اس کے جواب میں کہا گیا ہے: اس کا کئی وجوہ سے احتمال نہیں ہے:

اول اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لَنۡ تَرٰٮنِىۡ ۔ (الاعراف: ۱۴۳)

ترجمہ تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکو گے۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تجلّی کا ظہور فرمایا تھا۔

4 نیز نشانیوں کا طلب کرنا بطریق تلبیس سوال کرنے کے راستے سے نکال دیتا ہے، یا اس کو نشانیاں دکھائی جاتی ہیں۔ یہی کافروں کے سوال کرنے کا مقصد تھا کہ وہ ہمیشہ نشانیوں کا مطالبہ کرتے رہتے تھے، اگرچہ بقدرِ ضرورت نشانیاں ثابت ہو چکی ہوتی تھیں۔ پس ایسے ہی یہ بھی ہے۔

5 نیز اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

فَاِنِ اسۡتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوۡفَ تَرٰٮنِىۡ ۔ (الاعراف: ۱۴۳)

ترجمہ اس کے بعد اگر وہ اپنی جگہ برقرار رہا تو تم مجھے دیکھ لو گے۔

وہ نشانی جو پہاڑ کے ساتھ برقرار رہے، اس سے کم ہے جو اس کے ساتھ نہ ٹھہر سکے۔

اس سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ اس نشانی کا ارادہ نہیں کیا گیا تھا۔

6 نیز حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنی قوم سے ستاروں (کی پرستش) کے خلاف دلائل بیان کیے ہیں اور انہی دلائل میں ستاروں کے ڈوب جانے اور غائب ہو جانے کا ذکر بھی کیا ہے۔ اور ان سے اس بارے کوئی دلیل بیان نہیں کی ہے کہ وہ ایسے رَبّ کو پسند نہیں کرتا ہے جو دیکھا جا سکتا ہو، بلکہ ان کے سامنے یہی دلیل بیان کی ہے کہ وہ ایسے رَبّ کو پسند نہیں کرتے جو ڈوب جائے، اس لیے کہ دوام کے خلاف کی دلیل ہے۔ اور قوت تو اللہ تعالیٰ کی مدد کے ساتھ ہی ہے۔

7 نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وُجُوۡهٌ يَّوۡمَـئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۙ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۚ ۔ (قیامہ: ۲۲، ۲۳)

ترجمہ اس دن کچھ چہرے تر و تازہ ہوں گے، اپنے رب کی طرف دیکھتے ہوئے۔

پھر اس کے انتظار کے معنی لینا کئی وجوہ سے درست نہیں ہے۔

8 اول آخرت تو انتظار کرنے کا وقت ہی نہیں ہے، یہ تو دنیا ہی ہے۔ وہ تو وقوع اور وجود کا گھر ہے، مگر جو (گھبراہٹ) کا وقت ہوگا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: وہ لوگ اپنے بارے میں اس کا مشاہدہ کریں گے جو واقع ہونے کے لائق نہیں ہوگا۔

دوم اللہ تعالیٰ کا فرمان:

وُجُوۡهٌ يَّوۡمَـئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۔ (قیامۃ: ۲۲)

ترجمہ اس دن کچھ چہرے تر و تازہ ہوں گے۔

یہ تو اجر و ثواب کے وقوع کا وقت ہوگا۔

سوم فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۔ (قیامۃ: ۲۳)

ترجمہ اپنے رب کی طرف دیکھتے ہوئے۔

حرف ''اِلٰی'' کا استعمال کسی چیز کی طرف دیکھنے کے لیے ہے، نہ کہ انتظار کرنے کے لیے۔

9 چہارم انتظار والے معنی کے ساتھ قول کرنے سے اس بشارتِ عظیم سے دوری ہو جاتی ہے جو

مؤمنین کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انتظار نہیں ہے۔ اس کے ساتھ اس کے حقیقی مفہوم سے بھی صرف نظر کرنا ہوگا۔ پس اس سے یہ بات لازمی اور درست ہو جائے گی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف رؤیت کے معنی ہی ہوں گے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ سے تشبیہ والے تمام معانی کی نفی کی گئی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی دوسری صفات مثلاً صفتِ کلام، صفتِ فعل، صفتِ قدرت، صفتِ ارادہ، میں بھی تشبیہ کے تمام معانی کی نفی کی جائے گی۔ اسی طرح کا قول ہستیہ فرقے کا بھی ہے۔

10 پس جس شخص نے یہ عقیدہ رکھا کہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر نہیں ہے کہ وہ کسی کو بھی رؤیت سے نواز سکتا ہے، تو اس نے رؤیت باری تعالیٰ کو مخلوق کے فہم وفراست سے سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ اور اگرچہ اللہ تعالیٰ کا قول:

أَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى۔ (سورت طٰہٰ:۵)

ترجمہ وہ بڑی رحمت والا عرش پر استواء فرمائے ہوئے ہے۔

وغیرہ آیات کے مفہوم کو اس مفہوم کے ساتھ نہیں سمجھا جا سکتا جو مخلوق کے مفہوم کے مطابق ہو بلکہ اس میں تشبیہ کی نفی کے ساتھ معنی کی تحقیق کی جانی چاہیے۔ پس اسی طرح رؤیتِ باری تعالیٰ کی نصوص کو بھی سمجھنا چاہیے۔

11 نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

لِلَّذِيْنَ أَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ۔ (یونس:۲۶)

ترجمہ جن لوگوں نے بہتر کام کیے ہیں، بہترین حالت اُنہی کے لیے ہے، اور اُس سے بڑھ کر کچھ اور بھی!

اور بہت سی نصوص میں اس سے اللہ تعالیٰ کو دیکھنا آیا ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں اگرچہ دوسرے اقوال کا بھی احتمال ہے، لیکن اگر رؤیتِ باری تعالیٰ کا قول صریحاً مروی نہ ہوتا، تو صرفِ نظر کا احتمال نہیں تھا۔ اس میں وہ معنی مراد نہیں لیا جا سکتا اور اس خبر کا رد نہیں کیا جا سکتا۔ قوت اور طاقت تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ہے۔

12 نیز جناب رسول اللہ ﷺ سے بھی بہت سے طرق سے یہ حدیث بھی مروی ہے کہ

آپ ﷺ نے فرمایا: ”تم یقیناً اپنے رَبّ کو قیامت کے دن دیکھو گے جیسا کہ تم چاند کو دیکھتے ہو جس میں کوئی ہجوم نہیں ہوتا ہے“۔

جناب رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا: کیا آپ ﷺ نے اپنے رَبّ کو دیکھا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”میں نے اپنے دل سے اپنے رَبّ کو دیکھا ہے“۔

یہ بات بھی کہی گئی ہے: سوال کی وجہ سے سوال کرنے والے پر نکیر نہیں کی گئی ہے، حالانکہ سوال کرنے والا بھی جانتا تھا کہ رؤیتِ قلب علم ہی ہے۔ اور اس کو یہ بات معلوم بھی تھی کہ وہ اس کے بارے میں سوال نہیں کر رہا ہے۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں کو ان چیزوں کے بارے میں سوال سے منع کر دیا گیا تھا جن سے ان کو روکا گیا تھا، جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْأَلُوْا عَنْ أَشْيَآءَ إِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۔ وَإِنْ تَسْأَلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ۔ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ۔ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ۔ (المائدہ:۱۰۱)

ترجمہ اے ایمان والو! ایسی چیزوں کے بارے میں سوالات نہ کیا کرو جو اگر تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں ناگوار ہوں۔ اور اگر تم ان کے بارے میں ایسے وقت سوالات کرو گے جب قرآن نازل کیا جا رہا ہو تو وہ تم پر ظاہر کر دی جائیں گی۔ (البتہ) اللہ تعالیٰ نے پچھلی باتیں معاف کر دی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا، بڑا بردبار ہے۔

پس اس کا احتمال کیسے ہو سکتا ہے کہ اس طرح کے سوال معاشرے میں موجود رہیں۔ اور بعض لوگوں کے ہاں تو یہ حقیقتاً کفر ہے۔ پھر ان کو اس سے منع بھی نہیں کیا گیا اور نہ ان پر اس بارے میں زجر و توبیخ بھی کی گئی ہے۔ اور یہی بات سمجھی گئی ہے کہ یہ کوئی انہونی بات نہیں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ توفیق دینے والے ہیں۔

13 نیز اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے کہ وہ ان کو آخرت میں اس سے بہتر بدلہ عطا فرمائے گا جو دنیا میں انہوں نے عمل کیے ہیں۔ توحید سے بہتر کوئی چیز نہیں ہے، اور قدر و منزلت کے لحاظ سے ایمان سے اعلیٰ وارفع کوئی چیز نہیں ہے۔ کیونکہ یہ عقل کے لحاظ سے بھی مستحسن ہے اور ثواب جس کا وعدہ کیا گیا ہے جو جنت کا جوہر بھی ہے، اس کے لحاظ سے

بھی۔طبع سلیم کے ہاں بھی یہ عمدہ اور حسن ہے۔اور یہ عقل کے عمدہ سمجھنے سے بالاتر ہے۔اس لیے کہ یہ جائز نہیں ہے کہ ایک چیز عقل میں تو عمدہ ہو اور اہل عقل اس کو پسندیدہ نہ سمجھیں۔ یہ بات درست ہے کہ طبع تو اس پسند کرے مگر وہ طبع کے لیے لذّت والی نہ ہو، جیسا کہ فرشتوں کی طبع ہے۔اور اسی طرح کا معاملہ ہے عذاب وعقوبت میں۔اسی لیے رؤیتِ باری تعالیٰ کا قول بھی لازم اور ضروری ہے تا کہ وہ عزت وکرامت جو جلالتِ شان کو پہنچی ہوئی ہے، اس کے ساتھ مؤمنین کو نوازا جائے، اور ان مؤمنین کے لیے ان کا معبود جو پہلے غیب میں تھا، وہ شہود ہو جائے۔جیسا کہ ثواب کا مطلب بھی حاضر ہونا ہے۔اور قوت تو اللہ ہی سے ہے۔

14 نیز آخرت میں تمام لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس علم پر جمع ہوں گے جس کو وسوسہ کا کوئی خطرہ لاحق نہیں ہوگا۔وہ علم العین ہے، علمِ استدلال نہیں ہے۔نشانیوں کی کثرت اس علم کو محقق نہیں بنائے گی۔وہ علمِ حق ہے جس کو یہ چیز لاحق نہیں ہوگی۔اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

وَلَوْ أَنَّنَا نَزَّلْنَا إِلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةَ۔ (الانعام:۱۱۱)

ترجمہ اور اگر بالفرض ہم ان کے پاس فرشتے بھیج دیتے۔

اور جن کا ذکر بطورِ استعانت کافروں کے لیے تکذیب اور رسولوں کے انکار کا ذکر ہے، اور ان کافروں کا یہ قول: ہم تو دنیا میں دن کی صرف ایک گھڑی ہی ٹھہرے رہے، وغیرہ۔

كَأَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوعَدُونَ لَمْ يَلْبَثُوا إِلَّا سَاعَةً مِّن نَّهَارٍ۔

(الاحقاف:۳۵)

ترجمہ اُس دن (انہیں) یوں محسوس ہوگا جیسے وہ (دُنیا میں) دن کی ایک گھڑی سے زیادہ نہیں رہے۔

اس کے بعد یہ بات بھی ہے کہ جب علم العین، علم استدلال کی مانند نہیں ہوسکتا، تو یہ بات بھی درست نہیں ہے کہ علم استدلال بھی علم العین کی طرح ہوسکتا ہے۔لہٰذا یہ بات ثابت ہوگئی کہ رؤیتِ باری تعالیٰ اس طرح واجب ہے۔

15 اس کے بعد یہ بات ہے کہ اس علم میں کافر اور مؤمن برابر ہیں۔رؤیت باری تعالیٰ کی بشارت کی تخصیص تو مؤمنین کے لیے ہی ہے۔اور قوت اور طاقت تو اللہ تعالیٰ ہی سے ہے۔

16 فقیہ حضرت ابو منصورؒ فرماتے ہیں: ''ہم ادراک کا قول نہیں کہتے۔اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ ۔ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ۔

(الانعام:۱۰۳)

ترجمہ نگاہیں اس کو نہیں پاسکتیں، اور وہ تمام نگاہوں کو پالیتا ہے۔اس کی ذات اتنی ہی لطیف ہے، اور وہ اتنا ہی باخبر ہے۔

پس اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ادراک کی نفی کو تو بیان کیا ہے مگر رؤیت باری تعالیٰ کی نفی نہیں کی ہے۔اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے:

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيطُونَ بِهِ عِلْمًا۔ (طٰہٰ:۱۱۰)

ترجمہ وہ لوگوں کی ساری اگلی پچھلی باتوں کو جانتا ہے، اور وہ اُس کے علم کا احاطہ نہیں کر سکتے۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں علم کا ثبوت تو بیان کیا ہے مگر علم کے احاطہ کی نفی کی ہے۔ پس اسی کی مانند ادراک کی حقیقت ہے۔اور توفیق تو اللہ تعالیٰ ہی سے ہے۔

17 نیز ادراک کا معنیٰ تو کسی محدود کا احاطہ کرنا ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ تو حد کے وصف سے پاک ہے، کیونکہ وہ اپنے سے اعلیٰ کی نسبت سے نہایت اور محدود ہوتی ہے۔اللہ تعالیٰ تو ذات میں واحد اور یکتا ہیں۔''حد'' تو ایسا وصف ہے جو اجزاء کو متصل کر دیتا ہے یہاں تک کہ وہ اختتام کو پہنچ جاتا ہے۔اس کی ذات کے ساتھ حد کا قول کرنا محال ہے، یا وہ تھا اور اس کو محدود کرنے والی کوئی چیز نہیں ہے، یا اس کی کسی کے ساتھ حد بندی کی جاسکتی ہے۔پس اس ذات پر کسی قسم کا تغیر وتبدل نہیں آسکتا۔باوجود اس کے کہ ہر چیز کی ایک حد ہوتی ہے جس سے اس کی طرف ادراک ہوسکتا ہے۔مثلاً کھانا، رنگ، ذائقہ، بو وغیرہ جو حدود میں سے اشیاء کی خاصیت ہیں۔اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے لیے ایک ذریعہ بنایا ہے جس کے ذریعے اس چیز کا ادراک ہوتا ہے اور اس سے اس چیز کا

احاطہ بھی ہوتا ہے، یہاں تک کہ عقول اور اعراض کا بھی۔ پس اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ وہ حد اور جہت والا نہیں ہے۔ یہ حدود و جہات وہ اسباب ہیں جن سے اسبابِ موضوعہ کے ذریعے کسی چیز کا ادراک ہوتا ہے۔ انہی وجوہات سے رؤیت اور علم کا قول اجتماعی طور پر ہے۔

18 اس کے بعد یہ بات بھی جاننی ضروری ہے کہ رؤیت کا قول کئی وجوہ پر مشتمل ہے۔ ان میں سے ہر وجہ کی حقیقت اس وقت معلوم ہو سکتی ہے جب اس وجہ کا علم حاصل ہو جائے، یہاں تک کہ جب اس وجہ سے رؤیت کو تعبیر کیا جائے تو اس کی طرف توجہ مبذول کرنا ضروری ہے۔ رؤیت کے ذکر کے بغیر جس وجہ کی حقیقت معلوم نہ ہو، تو اس کی تحقیق میں ماہیت اور تفسیر بیان کرنے سے رُک جانا لازمی امر ہے۔ ادراک تو کسی شی کے حدود کے معنی سے واقفیت کا نام ہے۔ کیا تو اس بات کو نہیں دیکھتا کہ تحقیق کے لحاظ تو سایہ کو دیکھا جا سکتا ہے، لیکن اس کا ادراک تو روشنی کے ساتھ ہی ممکن ہے، ورنہ وہ تو دیکھا جانے والا ہے اس بناء پر کہ وہ سورج کے طلوع ہونے کے وقت دکھائی دیتا ہے۔ لیکن اس کا ادراک نہیں ہوتا جب تک اس کی حدود واضح نہ ہو جائیں۔ اسی طرح دن کی روشنی ہے کہ اس کو دیکھا جا سکتا ہے مگر اس روشنی کی حدود کو اپنی ذات کے لحاظ سے نہیں پہچانا جا سکتا۔ اسی طرح اندھیرا ہے کہ اس کی اطراف کو نہیں دیکھا جا سکتا کہ اس کا ادراک کیا جائے اور اس کا احاطہ کیا جا سکے۔ حدود ہی سے کسی شی کا ادراک ہوتا ہے۔ اور اگر وہ ہے تو دیکھی جائے گی، نہ کہ اس کے ساتھ۔ اسی لیے چاند کی مثال بیان کی جاتی ہے کہ وہ اکیلا نہیں پہچانا جا سکتا اور نہ ہی اس کی وسعتوں کو، کہ اس سے واقف ہوا جا سکے، اور اس کا احاطہ کیا جا سکے اور اس کو یقین کے ساتھ دیکھا جا سکے۔ اور قوت تو اللہ تعالیٰ ہی کی مدد سے ہے۔

19 حضرت امام ابو منصور ماتریدیؒ فرماتے ہیں: اصل بات رؤیتِ باری تعالیٰ کے قول میں یہی ہے کہ اس بارے میں اتنی ہی بات کی جائے جتنی منقول ہے، اور مخلوق کے معانی کے لحاظ سے ہر معنی کی نفی کی جائے، اور جس معنی کی تفسیر بیان نہیں ہوئی ہے، اس کی تفسیر بیان نہ کی جائے۔ اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والے ہیں۔

20 پھر آگے حضرت ابو منصور ماتریدیؒ مؤمنین کے لیے آخرت میں رؤیت کا اثبات کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اگر کوئی اعتراض کرے کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رؤیت کیسے ہوگی؟ اس سے کہا جائے گا: بلا کیف، یعنی کسی بھی کیفیت کے بغیر رؤیت ہوگی۔ اس لیے کہ کیفیت تو اس کی ہوتی ہے جس کی کوئی شکل وصورت متعین ہو۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی رؤیت ہوگی، قیام کے بغیر، قعود (بیٹھنے) کے بغیر، ٹیک لگانے کے بغیر، معلق ہونے کے بغیر، متصل ہونے یا جدا ہونے کے بغیر، سامنے یا پچھلی جانب کے بغیر، چھوٹا ہونے یا بڑا ہونے کے بغیر، روشنی یا ظلمت کے بغیر، ساکن یا متحرک ہوئے بغیر، مماست یا جدا ہوئے بغیر، خارج اور داخل ہوئے بغیر۔ اس کے لیے کوئی ایسا معنی متعین نہیں کیا جا سکتا جس تک وہم وخیال کا گزر ہو یا عقل اس تک پہنچنے کی قدرت رکھتی ہو۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ان سب سے بلند ہے۔

6 حضرت امام قاضی ابوبکر باقلانی رحمہ اللہ (المتوفی سن ۴۰۳ھ) کے عقائد

محمد بن الطيب بن محمد بن جعفر بن القاسم، القاضی أبو بكر الباقلانی المالكی رحمۃ اللہ علیہ اعلیٰ درجہ کے فقیہ، محدث اور اہل السنت والجماعت کے مذہب اشعری طریقہ کے متکلم تھے۔ آپ رحمہ اللہ اعلی درجہ کے ذہین، ماہر فن، ذکاوت وفطانت میں بہت ہی اونچے درجے پر فائز تھے۔ آپ رحمہ اللہ کی وفات سن ۴۰۳ھ میں بغداد میں ہوئی۔

الانصاف فيما يجب اعتقاده ولا يجوز الجهل به میں بیان کردہ عقائد

1 والإيمان بالله تعالى يتضمن التوحيد له سبحانه، والوصف له بصفاته، ونفى النقائص عنه الدالة على حدوث من جازت عليه۔

2 والتوحيد له هو: الإقرار بأنه ثابت موجود، وإله واحد فرد معبود، ليس كمثله شيء؛ على ما قرر به قوله تعالى: "وإلهكم إله واحد۔ لا إله إلا هو الرحمن الرحيم"۔ وقوله: "ليس كمثله شيءٌ۔ وهو السميع البصير"۔

3 وأنه الأول قبل جميع المحدثات۔ الباقى بعد المخلوقات، على ما أخبر به تعالى من قوله: "هو الأول والآخر والظاهر والباطن وهو بكل شيء عليم"۔ والعالم الذى لا يخفى عليه شيء والقادر على اختراع كل مصنوع، وإبداع كل جنس مفعول، على ما أخبر به فى قوله تعالى: "خالق كل شيء"، "وهو على كل شيء قدير"۔

4 وأنه الحى الذى لا يموت، والدائم الذى لا يزول، وأنه إله كل مخلوق، ومبدعه ومنشئه، ومخترعه، وأنه لم يزل مسمياً لنفسه بأسمائه، وواصفاً لها بصفاته، قبل إيجاد خلقه، وأنه قديم بأسمائه وصفات ذاته، التى منها: الحياة التى بها بان من الموت والأموات، والقدرة التى أبدع بها الأجناس والذوات، والعلم الذى أحكم به جميع المصنوعات، وأحاط بجميع المعلومات، والإرادة التى صرف بها أصناف المخلوقات۔

والسمع والبصر اللذان أدرك بهما جميع المسموعات والمبصرات، والكلام الذى به فارق الخرس والسكوت وذوى الآفات، والبقاء الذى به سبق المكونات، ويبقى به بعد جميع الفانيات، كما أخبر سبحانه فى قوله: "ولله الأسماء الحسنى فادعوه بها وذروا الذين يلحدون فى أسمائه"۔ وقوله تعالى: "أنزله بعلمه"، "وما تحمل من أنثى ولا تضع إلا بعلمه"، وقوله: أو لم يروا أن الله الذى خلقهم هو أشد منهم قوة"، وقوله: "ذو القوة المتين"۔ فنص تعالى على إثبات أسمائه وصفات ذاته۔

وأخبر أنه ذو الوجه الباقى بعد أن تقضى الماضيات، كما قال عز وجل: "كل شيء هالك إلا وجهه"، وقال: "ويبقى وجه ربك ذو الجلال والإكرام"۔

واليدين اللتين نطق بإثباتهما له القرآن، فى قوله عز وجل: "بل يداه مبسوطتان"، وقوله: "ما منعك أن تسجد لما خلقت بيدى"۔ وأنهما ليستا بجارحتين، ولا ذوى صورة وهيئة۔

والعينين اللتين أفصح بإثباتهما من صفاته القرآن وتواترت بذلك أخبار الرسول عليه السلام، فقال عز وجل: "ولتصنع على عينى"، و "تجرى بأعيننا"۔ وأن عينه ليست بحاسة من الحواس،

ولا تشبه الجوارح والأجناس۔ وأنه سبحانه لم يزل مريداً وشائياً، ومحباً، ومبغضاً، وراضياً، وساخطاً، وموالياً، ومعادياً، ورحيماً، ورحماناً۔ ولأن جميع هذه الصفات راجعة إلى إرادته في عباده ومشيئته، لا إلى غضب يغيره۔ ورضى يسكنه طبعاً له، وحنق وغيظ يلحقه، وحقد يجده، إذ كان سبحانه متعالياً عن الميل والنفور۔

5 وأنه سبحانه راض في أزله عمن علم أنه بالإيمان يختم عمله ويوافى به، وغضبان على من علم أنه بالكفر يختم عمله ويكون عاقبة أمره. وقد قال تعالى: "فعال لما يريد"، و"يريد الله بكم اليسر ولا يريد بكم العسر"۔ وقال: "إنما قولنا لشيء إذا أردناه أن نقول له كن فيكون"۔ وقال: "رضي الله عنهم ورضوا عنه"، "وما تشاؤون إلا أن يشاء الله"۔ في أمثال هذه الآيات الدالة على أنه شاء، مريد۔

وأن الله جل ثناؤه مستو عن العرش، ومستول على جميع خلقه كما قال تعالى: "الرحمن على العرش استوى"، بغير مماسة و كيفية، ولا مجاورة۔ و"أنه في السماء إله وفي الأرض إله"، كما أخبر بذلك۔

6 وأنه سبحانه يتجلى لعباده المؤمنين في المعاد، فيرونه بالأبصار، على ما نطق به القرآن في قوله: "وجوه يومئذ ناضرة إلى ربها ناظرة"۔ وتأكيده كذلك بقوله في الكافرين: "كلا إنهم عن ربهم يومئذ لمحجوبون"، تخصيصاً منه برؤيته للمؤمنين، والتفرقة فيما بينهم وبين الكافرين، وعلى ما وردت به السنن الصحيحة في ذلك عن رسول الله، وما أخبر به عن موسى عليه السلام، في قوله: "رب أرني أنظر إليك"۔ ولولا علمه بجواز الرؤية بالأبصار لما أقدم على هذا السؤال۔

(الانصاف فيما يجب اعتقاده ولا يجوز الجهل به۔ المؤلف: محمد بن الطيب بن محمد بن جعفر بن القاسم، القاضي أبو بكر الباقلاني المالكي۔ (المتوفى ۴۰۳ھ)۔ العقيدة وعلم الكلام ص ۹۸ تا ۱۰۰۔ طبع ایچ۔ ایم۔ سعید کمپنی، کراچی)

ترجمہ

1 اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا یہ ہے کہ اس کی توحید کا اقرار کیا جائے، اور اس کو صفات سے موصوف کیا جائے۔ اس سے ان نقائص کی نفی کی جائے جو حدوث پر دلالت کرتے ہوں۔

2 اس کے لیے توحید کا ماننا یہ ہے کہ اس بات کا اقرار کیا جائے: اس کو ثابت اور موجود مانا جائے۔ وہی الٰہ ہے، اکیلا ہے، یکتا ہے، معبود ہے، اس کی مثل کوئی نہیں ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

آیت ۱ وَإِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۖ لَّا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَٰنُ الرَّحِيمُ۔ (البقرہ: ۱۶۳)

ترجمہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں، جو سب پر مہربان، بہت مہربان ہے۔

آیت ۲ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ۖ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ (الشوریٰ: ۱۱)

ترجمہ کوئی چیز اُس کے مثل نہیں ہے، اور وہی ہے جو ہر بات سنتا، سب کچھ دیکھتا ہے۔

3 اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات سے پہلے ہے۔ تمام مخلوقات کے بعد بھی باقی رہے گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

آیت ۳ هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۖ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ۔ (الحدید: ۳)

ترجمہ وہی اوّل بھی ہے، اور آخر بھی، ظاہر بھی ہے، اور چھپا ہوا بھی۔ اور وہ ہر چیز کو پوری طرح جاننے والا ہے۔

وہ ایسا جاننے والا ہے کہ اس سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔ وہ ایسا قدرت والا ہے کہ ہر چیز کو بنانے پر قادر ہے۔ وہ ہر قسم کی چیز کو ایجاد کرنے والا ہے۔ فرمان باری تعالیٰ

ہے:

آیت ۴ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ۔ (الانعام:۱۰۲)

ترجمہ وہ ہر چیز کا خالق ہے۔

آیت ۵ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (سورت المائدہ:۱۷)

ترجمہ اور وہ ہر چیز پر پوری پوری قدرت رکھتا ہے۔

4 اللہ تعالیٰ حی (ہمیشہ سے زندہ) ہیں، اس کو کبھی موت نہیں آئے گی۔ وہ دائم (ہمیشہ رہنے والے) ہیں، جس کو کبھی زوال نہیں۔ وہ ہر مخلوق کے معبود ہیں۔ وہی ایجاد کرنے والا، بنانے والا اور صانع ہے۔ وہ ہمیشہ سے اپنی ذات اور اسماء کے ساتھ موسوم ہے۔ وہ مخلوقات کے پیدا کرنے سے پہلے ہی اپنی صفات کے ساتھ موصوف ہے۔

وہ اپنے اسماء اور صفاتِ ذاتی کے ساتھ قدیم ہے۔ جو یہ ہیں:

۱ صفتِ حیات جو اس کو موت اور اموات سے جدا کرتی ہے۔

۲ صفتِ قدرت جس سے تمام انواع و اقسام کی مخلوق پیدا ہوئی ہیں۔

۳ صفتِ علم جس سے تمام مخلوقات کو محکم کیا ہے، اور جس سے تمام معلومات کا احاطہ کیا گیا ہے۔

۴ صفتِ ارادہ جس سے قسم قسم کی مخلوقات میں تصرف کیا جاتا ہے۔

۵،۶ صفاتِ سمع و بصر جن سے تمام مسموعات (سنی جانے والی چیزیں) اور مبصرات (دیکھی جانے چیزوں) کا ادراک ہوتا ہے۔

۷ صفتِ کلام جو اس کو گونگا پن، سکوت (جو تکلم نہ کرنے کا نام ہے) اور آفات میں مبتلا ہونے سے جدا کرتا ہے۔

۸ صفتِ بقاء جو تمام مکونات (مخلوقات) سے پہلے موجود ہونے کو، اور تمام چیزوں کے فنا ہو جانے کے بعد بھی باقی رکھتی ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

آیت ۶ وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا۔ (الاعراف:۱۸۰)

ترجمہ اور اسمائے حُسنیٰ (اچھے اچھے نام) اللہ تعالیٰ ہی کے ہیں۔ لہٰذا اُس کو انہی ناموں سے

پکارو۔

آیت ۷ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ۔ (النساء:۱۶۶)

ترجمہ اس نے اسے اپنے علم سے نازل کیا ہے۔

آیت ۸ وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ۔ (فاطر:۱۱)

ترجمہ اور کسی مادہ کو جو کوئی حمل ہوتا ہے، اور جو کچھ وہ جنتی ہے، وہ سب اللہ تعالیٰ کے علم سے ہوتا ہے۔

آیت ۹ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً۔ (حم السجدہ:۱۵)

ترجمہ بھلا کیا اُن کو یہ نہیں سوجھا کہ جس اللہ نے اُن کو پیدا کیا ہے، وہ طاقت میں اُن سے کہیں زیادہ ہے؟

آیت ۱۰ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ۔ (الذاریات:۵۸)

ترجمہ اللہ تعالیٰ تو خود ہی رزّاق ہے، مستحکم قوت والا۔

☆ یہ تمام آیات اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے اسماء و صفات کے ثابت کرنے میں نص ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس کی بھی خبر دی ہے کہ اس کے لیے صفت وجہ بھی ہے۔ اس کی ذات قرن ہائے قرن کے بعد بھی باقی رہنے والی ہے۔ جیسا فرمان باری تعالیٰ ہے:

آیت ۱۱ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ۔ (القصص:۸۸)

ترجمہ سوائے ذاتِ خداوندی کے ہر چیز اپنی ذات سے فانی اور معدوم ہے۔

آیت ۱۲ وَيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ۔ (الرحمن:۲۷)

ترجمہ بس باقی رہے گی ذات تیرے پروردگار کی جو بزرگی اور عظمت والا ہے۔

اس کے لیے صفت یدین بھی ہے جس کا اثبات قرآن مجید میں ہے:

آیت ۱۳ بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ۔ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ۔ (المائدہ:۶۴)

ترجمہ بلکہ اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ پوری طرح کشادہ ہیں۔

آیت ۱۴ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ۔ (ص:۷۵)

ترجمہ اے ابلیس! تجھے کس بات نے روکا سجدہ کرنے سے اس کو جس کو میں نے اپنے دونوں

ہاتھوں (اور قدرتِ خاصہ) سے بنایا۔

☆ وہ دونوں ہاتھ جارحہ نہیں ہیں اور نہ وہ کسی صورت اور ہیئت والے ہیں۔

اور اس کے لیے صفت عین بھی ہے جس کا اثبات قرآن کریم نے اس کی صفات کو بیان کرتے ہوئے بڑی فصاحت سے کیا ہے۔ جناب رسول اللہ ﷺ کی احادیثِ مبارکہ میں بھی تواتر کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

آیت ۱۵ وَلِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِيْ۔ (طٰه: ۳۹)

ترجمہ اور تا کہ تو (اے موسیٰ) میری آنکھ کے سامنے پرورش کیا جائے (یعنی تا کہ تیری پرورش میری نگرانی اور نگہبانی میں ہو)۔

آیت ۱۶ تَجْرِيْ بِاَعْيُنِنَا۔ (القمر: ۱۴)

ترجمہ وہ ہماری آنکھوں کے سامنے چلتی ہے۔

☆ اس کی صفتِ عین یعنی حواس میں سے ایک حاسہ نہیں ہے۔ نہ یہ جوارح اور اعضاء کے مشابہ ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ارادہ کرنے والا، مشیت والا ہے۔ وہ محبت کرنے والا اور بغض کرنے والا بھی ہے۔ وہ راضی اور غصہ ہونے والا ہے۔ وہ دوستی اور دشمنی والا بھی ہے۔ وہ رحیم اور رحمٰن بھی ہے۔ اس لیے کہ یہ ساری صفات اس کے ارادہ اور مشیت والی بندوں کے بارے میں ہیں، نہ کہ اس کے غضب کے لیے جو اس کے بغیر ہو۔ اس کے رضا ایسی نہیں ہے کہ اس کی طبیعت میں سکون پیدا کرے، غیظ وغضب اس کو لاحق ہو، اور کینہ کو وہ اپنے اندر پائے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات میلان اور نفرت کے اثرات سے بہت ہی بلند و برتر ہے۔

5 اللہ تعالیٰ ازل سے ہی اس پر راضی ہیں جس کے بارے میں اس کا علم ہے کہ اس کے عمل کا خاتمہ ایمان پر ہوگا اور اسی کے مطابق ہوتا ہے۔ اور اس پر غیظ وغضب میں ہیں جس کے بارے میں اسے علم ہوتا ہے کہ اس کے عمل کا خاتمہ کفر پر ہوتا ہے۔ اس کا انجام بھی اسی امر پر ہوتا ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

آیت ۱۷ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ۔ (ہود: ۱۰۷؛ البروج: ۱۶)

ترجمہ جو کچھ ارادہ کرتا ہے، کر گزرتا ہے۔

آیت ۱۸ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (البقرہ: ۱۸۵)

ترجمہ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی کا معاملہ کرنا چاہتا ہے، اور تمہارے لیے مشکل پیدا کرنا نہیں چاہتا۔

آیت ۱۹ اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ۔ (النحل: ۴۰)

ترجمہ جب ہم کسی چیز کو پیدا کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو ہماری طرف سے صرف اتنی بات ہوتی ہے کہ ہم اُسے کہتے ہیں: ''ہوجا''۔ بس وہ ہوجاتی ہے۔

آیت ۲۰ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ۔ (المائدہ: ۱۱۹)

ترجمہ اللہ تعالیٰ ان سے خوش ہے اور یہ اُس سے خوش ہیں۔

آیت ۲۱ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ۔ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا۔ (الدہر: ۳۰)

ترجمہ اور تم چاہو گے نہیں جب تک اللہ نہ چاہے۔ اور اللہ تعالیٰ علم کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک۔

اور اس طرح کی آیات اس پر دلالت کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے، وہی ارادہ کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ عرش پر استواء فرمائے ہوئے ہیں۔ اور تمام مخلوقات پر اس کا غلبہ اور حکم رانی ہے۔ جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

آیت ۲۲ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى۔ (سورت طٰہٰ: ۵)

ترجمہ وہ بڑی رحمت والا عرش پر استواء فرمائے ہوئے ہے۔

اللہ تعالیٰ کا یہ استواء کسی مماست (چھونے) اور کیفیت کے بغیر ہے۔ نہ وہ کسی کے قرب ومجاورت میں ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

آیت ۲۳ وَهُوَ الَّذِيْ فِي السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّفِي الْاَرْضِ اِلٰهٌ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ۔
(الزخرف: ۸۴)

ترجمہ وہی (اللہ تعالیٰ) ہے جو آسمان میں بھی معبود ہے اور زمین میں بھی معبود۔ اور وہی ہے جو حکمت کا بھی مالک ہے، علم کا بھی مالک۔

6 اللہ تعالیٰ آخرت یعنی جنت میں اپنے مؤمن بندوں کے لیے تجلی فرمائیں گے۔ پس وہ اللہ تعالیٰ کا دیدار اپنی آنکھوں سے کریں گے۔ جیسا کہ قرآن مجید اس بارے ناطق میں ہے:

آیت ۲۴ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۔ إِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۔ (قیامہ: ۲۲، ۲۳)

ترجمہ اس دن کچھ چہرے تروتازہ ہوں گے، اپنے رب کی طرف دیکھتے ہوئے۔

اس بات کی تاکید قرآن پاک کی اس آیت سے بھی ہوتی ہے، جس میں کافروں کا ذکر ہے:

آیت ۲۵ كَلَّآ إِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ۔ (المطففین: ۱۵)

ترجمہ ہرگز نہیں! حقیقت یہ ہے کہ لوگ اُس دن اپنے پروردگار کے دیدار سے محروم ہوں گے۔

اس طرح رؤیتِ باری تعالیٰ کی تخصیص مؤمنین کے لیے ہے۔ دیدارِ خداوندی کے مسئلہ میں مؤمنوں اور کافروں کے لیے حکم الگ الگ ہے۔ اس بارے میں احادیث صحیحہ رسول اللہ ﷺ سے بھی موجود ہیں۔

اور جو اس بارے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے قرآن مجید میں بیان ہوا ہے:

آیت ۲۶ رَبِّ أَرِنِيْٓ أَنْظُرْ إِلَيْكَ ۔ (الاعراف: ۱۴۳)

ترجمہ میرے پروردگار! مجھے دیدار کرادیجئے کہ میں آپ کو دیکھ لوں۔

اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو رؤیت بصری کے جواز کا علم نہ ہوتا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کبھی بھی اس کا سوال کرنے کی جرأت نہ کرتے۔

پوری آیت کریمہ یوں ہے:

آیت ۲۷ وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ قَالَ رَبِّ أَرِنِيْٓ أَنْظُرْ إِلَيْكَ ۔ قَالَ لَنْ تَرَانِيْ وَلٰكِنِ انْظُرْ إِلَى الْجَبَلِ فَإِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ

تَرَانِيْ ۔ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۔ فَلَمَّآ أَفَاقَ قَالَ سُبْحَانَكَ تُبْتُ إِلَيْكَ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۔ (الاعراف: ۱۴۳)

ترجمہ اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام ہمارے مقررہ وقت پر پہنچے، اور اُن کا ربّ اُن سے ہم کلام ہوا، تو وہ کہنے لگے: ''میرے پروردگار! مجھے دیدار کرادیجئے کہ میں آپ کو دیکھ لوں''۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکو گے۔ البتہ پہاڑ کی طرف نظر اُٹھاؤ۔ اس کے بعد اگر وہ اپنی جگہ برقرار رہا تو تم مجھے دیکھ لوگے''۔ پھر جب اُن کے رب نے پہاڑ پر تجلی فرمائی تو اُس کو ریزہ ریزہ کردیا۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بیہوش ہوکر گر پڑے۔ بعد میں جب اُنھیں ہوش آیا تو انھوں نے کہا: ''پاک ہے آپ کی ذات! میں آپ کے حضور توبہ کرتا ہوں۔ اور میں سب سے پہلے ایمان لاتا ہوں''۔

ب فمن ذلك: أنه تعالىٰ متقدس عن الاختصاص بالجهات، والاتصاف بصفات المحدثات. وكذلك لا يوصف بالتحول، والانتقال، ولا القيام، ولا القعود؛ لقوله تعالىٰ: لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۔ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ (الشورى: ۱۱)، وقوله تعالىٰ: وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا أَحَدٌ (اخلاص: ۴)، ولأن هذه الصفات تدل على الحدوث. والله يتقدس عن ذلك. فان قيل: أليس قد قال: اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى (سورت طٰه: ۵)؟ قلنا: بلىٰ، قد قال ذلك. ونحن نطلق ذلك وأمثاله على ما جاء في الكتاب والسنة، لكن ننفي عنه أمارة الحدوث، ونقول: استواءه لا يشبه استواء الخلق، ولا نقول: ان العرش له قرار، ولا مكان، لأن الله تعالىٰ كان ولا مكان. فلما خلق المكان لم يتغير عما كان.

(الانصاف فيما يجب اعتقاده ولا يجوز الجهل به، ص ۶۴، ۶۵۔ المؤلف: أبو بكر الباقلاني محمد بن الطيب (المتوفی ۴۰۳ھ)۔ طبع عالم الكتاب، بيروت؛ العقيدة وعلم الكلام ص ۱۱۳۔ طبع ایچ۔ ایم۔ سعید کمپنی، کراچی)

ترجمہ وہ عقائد جن پر ایمان لانا ضروری ہے، ان میں یہ بھی ہے: اللہ تعالیٰ جہات کے ساتھ

مختص ہونے اور مخلوقات کی صفات کے ساتھ متصف ہونے سے پاک اور منزہ ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کو حرکت وانتقال اور قیام وقعود کے ساتھ بھی متصف نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

آیت ۱ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ (الشوریٰ:۱۱)

ترجمہ کوئی چیز اُس کے مثل نہیں ہے، اور وہی ہے جو ہر بات سنتا، سب کچھ دیکھتا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا یہ بھی فرمان ہے:

آیت ۲ قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ ۔ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۔ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ۔ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا أَحَدٌ ۔ (سورت اخلاص:۱ تا ۴)

ترجمہ کہہ دو: ''بات یہ ہے کہ اللہ ہر لحاظ سے ایک ہے۔ اللہ ہی ایسا ہے کہ سب اُس کے محتاج ہیں، وہ کسی کا محتاج نہیں۔ نہ اس کی کوئی اولاد ہے، اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے۔ اور اس کے جوڑ کا کوئی بھی نہیں''۔

اس لیے کہ یہ صفات حادث اور مخلوق ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ تو اس سے بہت بلند اور برتر ہے۔

اگر یہ کہا جائے کیا اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں ہے؟:

آیت ۳ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ۔ (سورت طٰہٰ:۵)

ترجمہ وہ بڑی رحمت والا عرش پر استواء فرمائے ہوئے ہے۔

ہم کہیں گے: ہاں! اللہ تعالیٰ نے ایسا ہی فرمایا ہے۔ ہم ان جیسی آیات واحادیث کو مطلق مانتے ہیں لیکن ہم اللہ تعالیٰ سے حدوث اور مخلوق کی صفات کی نفی کرتے ہیں، اور ہم کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ کا استواء مخلوق کے استواء کے ساتھ ہرگز مشابہ نہیں ہے۔

ہم یہ بھی نہیں کہتے: عرش اللہ تعالیٰ کا جائے قرار ہے، اور عرش اس کا مکان یعنی رہنے کی جگہ ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ تو موجود تھے، حالانکہ اس وقت مکان نہیں تھا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے مکان کو پیدا کیا، تو کسی قسم کی کوئی تبدیلی نہیں آئی۔

7 حضرت امام، المقری عثمان بن سعید بن عثمان بن عمر أبو عمرو الدانی رحمہ اللہ (المتوفی سنہ ۴۴۴ھ) کے عقائد

حضرت عثمان بن سعید بن عثمان بن عمر ابوعمرو الدانی اندلس کے ایک شہر دانیہ میں ۳۷۱ھ کو پیدا ہوئے۔ اپنے زمانہ میں ''صیرفی'' کے طور پر مشہور ومعروف ہوئے۔

آپؒ امام زمانہ، علامۃ الدہر، حافظ، قاری، شیخ مشائخ القرئین تھے۔ آپ حج کے لیے آئے، تو آپ مصر بھی تشریف لے گئے۔ تو وہاں بے شمار مخلوق نے آپؒ سے استفادہ کیا۔ پھر آپ وطن واپس لوٹ گئے۔ آپ نے ۴۴۴ھ میں وفات پائی۔ فن قراءت میں آپؒ کی کتب کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ جن میں سے چند یہ ہیں:

التيسير، المقنع، جامع البيان، الوقف والابتداء، البيان فی عد آی القرآن، المحكم فی النقط۔ علم العقائد میں آپؒ کی کتاب: "الرسالة الوافية لمذهب أهل السنة فی الاعتقادات وأصول الديانات" مشہور ومعروف ہے۔

حضرت امام ابوعمرو دانیؒ وہ عظیم شخصیت ہیں جن کی کتاب ''التیسیر'' کو امام شاطبیؒ نے منظوم کیا ہے۔ اس کو تمام مدارس میں پڑھایا جاتا ہے۔ اور اسی کتاب کو قراءتِ سبعہ کی بنیاد سمجھا جاتا ہے۔

الرسالة الوافية لمذهب أهل السنة فی الاعتقادات وأصول الديانات میں بیان کردہ عقائد

حضرت امام، مقری عثمان بن سعید بن عثمان بن عمر ابوعمرو الدانی (المتوفی ۴۴۴ھ) فرماتے ہیں:

فصل 1: فی بیان التوحید

1 والإیمان بالله تعالى: يتضمن التوحيد له سبحانه، والوصف له بصفاته، ونفي النقائص عنه الدالة على حدوث من جازت عليه، والتوحيد له: هو الإقرار بأنه ثابت موجود، وواحد معبود، على ما ورد به قوله تعالى: "وإلهكم إله واحد لا إله إلا هو الرحمن الرحيم".

وأنه الأول قبل جميع المحدثات، الباقي بعد فناء المخلوقات، على ما أخبر به تعالى في قوله: "هو الأول والآخر والظاهر والباطن وهو بكل شيء عليم". والعالم هو الذي لا يخفى عليه شيء، والقادر على اختراع كل مصنوع، وإبداع كل جنس مفعول على ما أخبر به في قوله: "خالق كل شيء وهو على كل شيء وكيل"، وأنه الحي الذي لا يموت، والدائم الذي لا يزول، إله كل مخلوق ومبدعه، ومنشئه ومخترعه.

ترجمہ

1 اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا یہ ہے کہ اس کی توحید کا اقرار کیا جائے، اور اس کو صفات سے

موصوف کیا جائے۔ اس سے ان نقائص کی نفی کی جائے جو حدوث پر دلالت کرتے ہوں۔ اس کے لیے توحید کا ماننا یہ ہے کہ اس بات کا اقرار کیا جائے: اس کو ثابت اور موجود مانا جائے۔ وہی یکتا ہے، معبود ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

١ وَإِلٰهُكُمْ إِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۔ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ۔ (البقرہ: ۱۶۳)

ترجمہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں، جو سب پر مہربان، بہت مہربان ہے۔

اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات سے پہلے ہے۔ تمام مخلوقات کے بعد بھی باقی رہے گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

١ هُوَ الْأَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۔ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۔ (الحدید: ۳)

ترجمہ وہی اوّل بھی ہے، اور آخر بھی، ظاہر بھی ہے، اور چھپا ہوا بھی۔ اور وہ ہر چیز کو پوری طرح جاننے والا ہے۔

وہ ایسا جاننے والا ہے کہ اس سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔ وہ ایسا قدرت والا ہے کہ ہر چیز کو بنانے پر قادر ہے۔ وہ ہر قسم کی چیز کو ایجاد کرنے والا ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

٢ أَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۔ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ۔ (الزمر: ۶۲)

ترجمہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے، اور وہی ہر چیز کا رکھوالا ہے۔

اللہ تعالیٰ حی (ہمیشہ سے زندہ) ہیں، اس کو کبھی موت نہیں آئے گی۔ وہ دائم (ہمیشہ رہنے والے) ہیں، جس کو کبھی زوال نہیں۔ وہ ہر مخلوق کے معبود ہیں۔ وہی ایجاد کرنے والا، بنانے والا اور صانع ہے۔

2 وأنه لم يزل مسمياً لنفسه بأسمائه، وواصفاً لها بصفاته، قبل إيجاد خلقه، وأنه قديم بأسمائه وصفات ذاته التي منها:

١ الحياة التي بان بها من الأموات والموات،

٢ والقدرة التي أبدع بها الأجناس والذوات،

۳ والعلم الذى أحكم به جميع المصنوعات، وأحاط بجميع المعلومات،

۴ والإرادة التى صرف بها جميع أصناف المخلوقات،

۵ والسمع والبصر اللذان أدرك بهما جميع المسموعات والمبصرات،

۶ والكلام الذى باين فيه أهل السكوت والخرس وذوى الآفات،

۷ والبقاء الذى سبق به المكونات، وباين معه جميع الفانيات، كما أخبر تعالى فقال: "ولله الأسماء الحسنى فادعوه بها" الآية.

وقال جل ثناؤه: "الله لا إله إلا هو الحى القيوم"، وقال عز وجل: "وتوكل على الحى الذى لا يموت"، وقال: "فإن لم يستجيبوا لكم فاعلموا أنما أنزل بعلم الله"، وقال: "لكن الله يشهد بما أنزل إليك أنزله بعلمه"، وقال: "وما تحمل من أنثى ولا تضع إلا بعلمه"، وقال: "فلنقصن عليهم بعلم"، وقال: "ألا يعلم من خلق وهو اللطيف الخبير"، وقال: "ولقد خلقنا الإنسان ونعلم ما توسوس به نفسه"، وقال: "يعلم خائنة الأعين وما تخفى الصدور"، وقال: "إننى معكما أسمع وأرى"، وقال: "إنه هو السميع العليم"، و: "إنه هو السميع البصير"، و: "العليم القدير"، وقال: "إنما يريد الله أن يعذبهم بها فى الدنيا"، وقال: "إنما قولنا لشىء إذا أردناه أن نقول له كن فيكون"، وقال: "أولم يروا أن الله الذى خلقهم هو أشد منهم قوة"، وقال: "ذو القوة المتين"، وقال: "ويحذركم الله نفسه"، وقال: "واصطنعتك لنفسى"، وقال: "تعلم ما فى نفسى ولا أعلم ما فى نفسك"، وقال: "فإذا سويته ونفخت فيه من روحى"، وقال: "قل أى شىء أكبر شهادة قل الله شهيد بينى وبينكم" فى أشباه لهذه الآى.

ترجمہ وہ ہمیشہ سے اپنی ذات اور اسماء کے ساتھ موسوم ہے۔ وہ مخلوقات کے پیدا کرنے سے پہلے ہی اپنی صفات کے ساتھ موصوف ہے۔ وہ اپنے اسماء اور صفاتِ ذاتی کے ساتھ قدیم ہے۔ جو یہ ہیں:

۱ صفتِ حیات جو اس کو موت اور اموات سے جدا کرتی ہے۔

۲ صفتِ قدرت جس سے تمام انواع واقسام کی مخلوق پیدا ہوئی ہیں۔

۳ صفتِ علم جس سے تمام مخلوقات کو محکم کیا ہے، اور جس سے تمام معلومات کا احاطہ کیا گیا ہے۔

۴ صفتِ ارادہ جس سے قسم قسم کی مخلوقات میں تصرف کیا جاتا ہے۔

۵،۶ صفاتِ سمع وبصر جن سے تمام مسموعات (سنی جانے والی چیزیں) اور مبصرات (دیکھی جانے چیزیں) کا ادراک ہوتا ہے۔

۷ صفتِ کلام جو اس کو گونگا پن، سکوت (جو تکلم نہ کرنے کا نام ہے) اور آفات میں مبتلا ہونے سے جدا کرتا ہے۔

۸ صفتِ بقاء جو تمام مکونات (مخلوقات) سے پہلے موجود ہونے کو، اور تمام چیزوں کے فنا ہوجانے کے بعد بھی باقی رکھتی ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

آیت ۱ وَلِلّٰهِ الْأَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا۔ (الاعراف:۱۸۰)

ترجمہ اور اسمائے حُسنیٰ (اچھے اچھے نام) اللہ تعالیٰ ہی کے ہیں۔ لہٰذا اُس کو انہی ناموں سے پکارو۔

آیت ۲ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ۔ (سورت البقرہ:۲۵۵)

ترجمہ اللہ وہ ہے جس کی سوا کوئی معبود نہیں، جو سدا زندہ ہے، جو پوری کائنات سنبھالے ہوئے ہے۔

آیت ۳ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ۔ (الفرقان:۵۸)

ترجمہ اور تم اُس ذات پر بھروسہ رکھو جو زندہ ہے، جسے کبھی موت نہیں آئے گی۔

آیت ۴ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَاَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا

هُوَ۔ فَهَلْ أَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۔ (ہود:۱۴)

ترجمہ اس کے بعد اگر یہ تمہاری بات قبول نہ کریں تو (اے لوگو!) یقین کرلو کہ یہ وحی صرف اللہ تعالیٰ کے علم سے اُتری ہے۔اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔تو کیا اب تم فرماں بردار بنو گے؟

آیت ۵ لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ أَنْزَلَ إِلَيْكَ أَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ۔ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا۔ (النساء:۱۶۶)

ترجمہ لیکن اللہ تعالیٰ نے جو کچھ تم پر نازل کیا ہے، اس کے بارے میں وہ خود بھی گواہی دیتا ہے کہ اس نے اسے اپنے علم سے نازل کیا ہے، اور فرشتے بھی گواہی دیتے ہیں، اور (یوں تو) اللہ تعالیٰ کی گواہی ہی بالکل کافی ہے۔

آیت ۶ وَمَا تَحْمِلُ مِنْ أُنْثٰى وَلَا تَضَعُ إِلَّا بِعِلْمِهٖ۔ (فاطر:۱۱)

ترجمہ اور کسی مادہ کو جو کوئی حمل ہوتا ہے، اور جو کچھ وہ جنتی ہے، وہ سب اللہ تعالیٰ کے علم سے ہوتا ہے۔

آیت ۷ فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ۔ (الاعراف:۷)

ترجمہ پھر ہم اُن کے سامنے سارے واقعات خود اپنے علم کی بنیاد پر بیان کردیں گے، (کیونکہ) ہم (ان واقعات کے وقت) کہیں غائب تو نہیں تھے۔

آیت ۸ أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ۔ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ۔ (الملک:۱۴)

ترجمہ بھلا جس نے پیدا کیا وہی نہ جانے؟ جب کہ وہ بہت باریک بین، مکمل طور پر باخبر ہے!

آیت ۹ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ۔ (ق:۱۶)

ترجمہ اور حقیقت یہ ہے کہ ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے، اور اُس کے دِل میں جو خیالات آتے ہیں، اُن (تک) سے ہم خوب واقف ہیں، اور ہم اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ اُس کے قریب ہیں۔

آیت ۱۰ يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ۔ (مؤمن:۱۹)

ترجمہ اللہ تعالیٰ آنکھوں کی چوری کو بھی جانتا ہے، اور اُن باتوں کو بھی جن کو سینوں نے چھپا رکھا ہے۔

آیت ۱۱ إِنَّنِيْ مَعَكُمَآ أَسْمَعُ وَأَرٰى۔ (طٰہٰ:۴۶)

ترجمہ میں تمہارے ساتھ ہوں، سن بھی رہا ہوں، اور دیکھ بھی رہا ہوں۔

آیت ۱۲ إِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ۔ (الانفال:۶۱)

ترجمہ یقین جانو! وہی ہے جو ہر بات سنتا، سب کچھ جانتا ہے۔

آیت ۱۳ إِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ۔ (بنی اسرائیل:۱)

ترجمہ یقین جانو! وہی ہے جو ہر بات سنتا، سب کچھ جانتا ہے۔

آیت ۱۴ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْقَدِيْرُ۔ (الروم:۵۴)

ترجمہ اور وہی ہے جس کا علم بھی کامل ہے، قدرت بھی کامل۔

آیت ۱۵ إِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ أَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا۔ (التوبہ:۸۵)

ترجمہ اللہ تعالیٰ تو یہ چاہتا ہے کہ انہی چیزوں سے ان کو دُنیا میں عذاب دے۔

آیت ۱۶ إِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ إِذَآ أَرَدْنٰهُ أَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ۔ (النحل:۴۰)

ترجمہ اور جب ہم کسی چیز کو پیدا کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو ہماری طرف سے صرف اتنی بات ہوتی ہے کہ ہم اُسے کہتے ہیں: ''ہوجا''۔بس وہ ہوجاتی ہے۔

آیت ۱۷ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَهُمْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً۔ (حٰم السجدہ:۱۵)

ترجمہ بھلا کیا اُن کو یہ نہیں سوجھا کہ جس اللہ نے اُن کو پیدا کیا ہے، وہ طاقت میں اُن سے کہیں زیادہ ہے؟

آیت ۱۸ إِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ۔ (الذاریات:۵۸)

ترجمہ اللہ تعالیٰ تو خود ہی رزّاق ہے، مستحکم قوت والا۔

آیت ۱۹ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ۔ (آل عمران:۲۸)

ترجمہ اور اللہ تعالیٰ تم کو اپنی ذات سے ڈراتا ہے۔
(یعنی اپنے ذاتی جلال اور قہر سے ڈراتا ہے)۔

آیت ۲۰ وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ۔ (طہ:۴۱)

ترجمہ اور تجھ کو اپنی ذات کے لیے خاص کر لیا۔

آیت۲۱ تَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِي وَلَآ أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ ۚ إِنَّكَ أَنتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ ۔ (المائدۃ: ۱۱۶)

ترجمہ تُو تو میرے باطن اور ضمیر کی بات کو خوب جانتا ہے اور میں تیرے جی کی بات کو بالکل نہیں جانتا، اس لیے کہ بے شک تو ہی تمام پوشیدہ باتوں کا جاننے والا ہے۔

آیت۲۲ فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ ۔ (الحجر:۲۹)

ترجمہ لہٰذا جب میں اُس کو پوری طرح بنالوں، اور اُس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم سب اُس کے آگے سجدے میں گر جانا۔

آیت۲۳ قُلْ أَيُّ شَيْءٍ أَكْبَرُ شَهَادَةً ۖ قُلِ اللَّهُ ۖ شَهِيدٌ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ (الانعام:۱۹)

ترجمہ کہو: کون سی چیز ایسی ہے جو (کسی بات کی) گواہی دینے کے لیے سب سے اعلیٰ درجے کی ہو؟''۔ کہو: ''اللہ! (اور وہی) میرے اور تمہارے درمیان گواہ ہے''۔

اس طرح کی آیات بیشمار ہیں۔

3 فنص سبحانه على إثبات أسمائه وصفات ذاته، فأخبر جل ثناؤه أنه ذو الوجه الباقي بعد تقضي الماضيات، وهلاك جميع المخلوقات، وقال تعالى: "كل شيء هالك إلا وجهه"، وقال: "ويبقى وجه ربك ذو الجلال والإكرام"۔

ترجمہ یہ تمام آیات اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے اسماء وصفات کے ثابت کرنے میں نص ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس کی بھی خبر دی ہے کہ اس کے لیے صفت وجہ بھی ہے۔ اس کی ذات قرن ہائے قرن کے بعد بھی باقی رہنے والی ہے۔ تمام مخلوق ہلاک ہونے والی ہے:

آیت۱ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ ۔ (القصص:۸۸)

ترجمہ سوائے ذاتِ خداوندی کے ہر چیز اپنی ذات سے فانی اور معدوم ہے۔

آیت۲ وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ ۔ (الرحمن:۲۷)

ترجمہ بس باقی رہے گی ذات تیرے پروردگار کی جو بزرگی اور عظمت والا ہے۔

4 واليدين: على ما ورد من إثباتهما في قوله تعالى مخبراً عن نفسه في كتابه: "وقالت اليهود يد الله مغلولة. غلت أيديهم" الآية، وقال عزوجل: "ما منعك أن تسجد لما خلقت بيدي"، وليستا بجارحتين، ولا ذواتي صورة. وقال تعالى: "والسموات مطويات بيمينه"، وتواترت بإثبات ذلك من صفاته عن الرسول صلى الله عليه وسلم وقال: "كلتا يديه يمين" يعني صلى الله عليه وسلم أنه لا يتعذر عليه بأحديهما ما يتأتى بالآخرى.

ترجمہ اس کے لیے صفت یدین بھی ہے جس کا اثبات قرآن مجید میں ہے:

آیت۱ وَقَالَتِ الْيَهُودُ يَدُ اللَّهِ مَغْلُولَةٌ ۚ غُلَّتْ أَيْدِيهِمْ وَلُعِنُوا بِمَا قَالُوا ۘ بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ يُنفِقُ كَيْفَ يَشَاءُ ۔ (المائدہ:۶۴)

ترجمہ اور یہودی کہتے ہیں کہ: ''اللہ تعالیٰ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں''۔ ہاتھ تو خود ان کے بندھے ہوئے ہیں۔ اور جو بات انھوں نے کہی ہے اس کی وجہ سے ان پر لعنت الگ پڑی ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ پوری طرح کشادہ ہیں، وہ جس طرح چاہتا ہے، خرچ کرتا ہے۔

آیت۲ يَا إِبْلِيسُ مَا مَنَعَكَ أَن تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ ۔ (ص:۷۵)

ترجمہ اے ابلیس! تجھے کس بات نے روکا سجدہ کرنے سے اس کو جس کو میں نے اپنے دونوں ہاتھوں (اور قدرتِ خاصہ) سے بنایا۔

☆ وہ دونوں ہاتھ جارحہ نہیں ہیں اور نہ وہ کسی صورت اور ہیئت والے ہیں۔

آیت۳ وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ وَالْأَرْضُ جَمِيعًا قَبْضَتُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَالسَّمَاوَاتُ مَطْوِيَّاتٌ بِيَمِينِهِ ۚ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ ۔
(الزمر:۶۷)

ترجمہ اور (جو لوگ شرک کے مرتکب ہوتے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور قدر و منزلت کو پہچانتے ہی نہیں۔ چنانچہ) یہ وہی لوگ ہیں کہ انہوں نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عظمت نہیں کی جیسے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عظمت کا حق تھا (اور حق عظمت ادا کرنا قبولِ

توحید کے بغیر ممکن نہیں۔ حالانکہ اس کی شان یہ ہے کہ) ساری زمین اس کی مُٹھی میں ہوگی، قیامت کے روز۔ اور تمام آسمان لپٹے ہوئے ہوں گے، اس کے دائیں ہاتھ میں۔ پس پاکی ہے اس پروردگار کی اور برتر ہے وہ ذات ان کے ہر شرک سے جو وہ کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی ان صفات کے بارے میں احادیث متواتر ہیں۔

آپ ﷺ کا فرمان مبارک ہے:

"كِلْتَا يَدَيْهِ يَمِينٌ"۔

(مسند حمیدی رقم ۵۸۸؛ ابن ابی شیبہ ج ۱۳ ص ۱۲۷؛ مسند احمد رقم ۶۴۹۲؛ مسلم رقم ۱۸۲۷؛ نسائی؛ ابن حبان رقم ۴۴۸۴، ۴۴۸۵؛ سنن کبریٰ بیہقی رقم ج ۱۰ ص ۸۷؛ شرح السنہ بغوی رقم ۲۴۷۰)

ترجمہ اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ داہنے ہی ہیں۔

یعنی اس کو اس قسم کا کوئی عذر نہیں ہے کہ وہ جو ایک ہاتھ سے کرسکتا ہے، وہ دوسرے سے نہیں کرسکتا۔

5 والأعين: كما أفصح القرآن بإثباتها من صفاته فقال عز وجل: "واصبر لحكم ربك فإنك بأعيننا"، وقال: "واصنع الفلك بأعيننا"، وقال: "تجري بأعيننا"، وقال: "ولتصنع على عيني". وليست عينه بحاسة من الحواس، ولا تشبه الجوارح والأجناس إذ: "ليس كمثله شيء وهو السميع البصير". وقال صلى الله عليه وسلم حين ذكر الدجال: "وإنه أعور". وقال: "وإن ربكم ليس بأعور". فأثبت له العينين.

ترجمہ اور اس کے لیے صفت عین بھی ہے جس کا اثبات قرآن کریم نے اس کی صفات کو بیان کرتے ہوئے بڑی فصاحت سے کیا ہے۔ جناب رسول اللہ ﷺ کی احادیثِ مبارکہ میں بھی تواتر کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

آیت ۱ وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا۔ (الطور:۴۸)

ترجمہ اور تم اپنے پروردگار کے حکم پر جمے رہو کیونکہ تم ہماری نگاہوں میں ہو (یعنی ہم ہر آن آپ ﷺ کی حفاظت کر رہے ہیں)۔

آیت ۲ وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا (هود:۳۷)

ترجمہ اور ہماری نظروں کے سامنے ہمارے حکم کے مطابق کشتی بناؤ۔

آیت ۳ تَجْرِي بِأَعْيُنِنَا۔ (القمر:۱۴)

ترجمہ وہ ہماری آنکھوں کے سامنے چلتی ہے۔

آیت ۴ وَلِتُصْنَعَ عَلَى عَيْنِي۔ (طه:۳۹)

ترجمہ اور تاکہ تو (اے موسیٰ) میری آنکھ کے سامنے پرورش کیا جائے (یعنی تاکہ تیری پرورش میری نگرانی اور نگہبانی میں ہو)۔

☆ اس کی صفتِ عین یعنی حواس میں سے ایک حاسہ نہیں ہے۔ نہ یہ جوارح اور اعضاء کے مشابہ ہے۔ کیونکہ:

آیت ۵ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ۔ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ۔ (الشوریٰ:۱۱)

ترجمہ کوئی چیز اُس کے مثل نہیں ہے، اور وہی ہے جو ہر بات سنتا، سب کچھ دیکھتا ہے۔

جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے جب آپ ﷺ نے دجال کا ذکر بیان کیا:

''وہ دجال ایک آنکھ سے کانا ہے''۔

آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے:

''تمہارا رب کانا نہیں ہے''۔ (مسند احمد رقم ۴۸۰۴؛ بخاری ۳۴۳۹ مسلم ص ۲۲۴۸)

اس حدیث میں آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے لیے دونوں آنکھوں کا اثبات کیا ہے۔

فصل 2: فی ذکر بعض الصفات للہ

6 ومن قولهم: إن الله تعالى لم يزل مريداً، وشائياً، ومحباً، ومبغضاً، وراضياً، وساخطاً، وموالياً، ومعادياً، ورحيماً، ورحماناً، وأن جميع هذه الصفات راجعة إلى إرادته في عباده، ومشيئته في خلقه!!، لا إلى غضب يُغيرهُ، ورضاً يسكن طبعاً له، وحَنَقٍ وغيظٍ يَلحَقه،

وحقدٍ يجده، وأنه تعالى راضٍ في أزله عمن علم أنه بالإيمان يُختم عمله، ويوافي به، وغضبان على من يعلم أنه بالكفر يُختم عمله، ويكون عاقبة أمره، قال الله تعالى جده: "فعال لما يريد"، وقال: "يريد الله بكم اليسر ولا يريد بكم العسر"، وقال: "إنما قولنا لشيء إذا أردناه أن نقول له كن فيكون"، وقال تعالى: "رضي الله عنهم ورضوا عنه"، وقال: "لبئس ماقدمت لهم أنفسهم أن سخط الله عليهم"، وقال: "يا أيها الذين آمنوا لا تتولوا قوماً غضب الله عليهم"، وقال: "إن الله يحب التوابين ويحب المتطهرين"، وقال: "فإن الله عدو للكافرين"، وقال: "أَللّٰه ولي الذين آمنوا"، وقال: "هو الرحمن الرحيم"، وقال: "وما تشآءون إلا أن يشاء الله"، في أمثال لهذه الآي.

ترجمہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ارادہ کرنے والا، مشیت والا ہے۔ وہ محبت کرنے والا اور بغض کرنے والا بھی ہے۔ وہ راضی اور غصہ ہونے والا ہے۔ وہ دوستی اور دشمنی والا بھی ہے۔ وہ رحیم اور رحمٰن بھی ہے۔ اس لیے کہ یہ ساری صفات اس کے ارادہ اور مشیت والی بندوں کے بارے میں ہیں، نہ کہ اس کے غضب کے لیے جو اس کے بغیر ہو۔ اس کے رضا ایسی نہیں ہے کہ اس کی طبیعت میں سکون پیدا کرے، غیظ و غضب اس کو لاحق ہو، اور کینہ کو وہ اپنے اندر پائے۔ (اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات میلان اورنفرت کے اثرات سے بہت ہی بلند و برتر ہے۔)

اللہ تعالیٰ ازل سے ہی اس پر راضی ہیں جس کے بارے میں اس کا علم ہے کہ اس کے عمل کا خاتمہ ایمان پر ہوگا اور اسی کے مطابق ہوتا ہے۔ اور اس پر غیظ و غضب میں ہیں جس کے بارے میں اسے علم ہوتا ہے کہ اس کے عمل کا خاتمہ کفر پر ہوتا ہے۔ اس کا انجام بھی اسی امر پر ہوتا ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

آیت ۱ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ۔ (ہود:۱۰۷؛ البروج:۱۶)

ترجمہ جو کچھ ارادہ کرتا ہے، کر گزرتا ہے۔

آیت ۲ يُرِيدُ اللهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ۔ (البقرہ:۱۸۵)

ترجمہ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی کا معاملہ کرنا چاہتا ہے، اور تمہارے لیے مشکل پیدا کرنا نہیں چاہتا۔

آیت ۳ إِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ إِذَا أَرَدْنَاهُ أَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ۔ (النحل:۴۰)

ترجمہ جب ہم کسی چیز کو پیدا کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو ہماری طرف سے صرف اتنی بات ہوتی ہے کہ ہم اُسے کہتے ہیں: ''ہوجا''۔ بس وہ ہوجاتی ہے۔

آیت ۴ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ۔ (المائدہ:۱۱۹)

ترجمہ اللہ تعالیٰ ان سے خوش ہے اور یہ اُس سے خوش ہیں۔

آیت ۵ تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۔ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ أَنْفُسُهُمْ أَنْ سَخِطَ اللهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ۔

(المائدہ:۸۰)

ترجمہ تم ان میں سے بہت سوں کو دیکھتے ہو کہ انہوں نے (بت پرست) کافروں کو اپنا دوست بنایا ہوا ہے۔ یقینا جو کچھ انہوں نے اپنے حق میں اپنے آگے بھیج رکھا ہے وہ بہت برا ہے، کیونکہ (ان کی وجہ سے) اللہ تعالیٰ ان سے ناراض ہوگیا ہے، اور وہ ہمیشہ عذاب میں رہیں گے۔

آیت ۶ يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَئِسُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ كَمَا يَئِسَ الْكُفَّارُ مِنْ أَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ۔ (الممتحنہ:۱۳)

ترجمہ اے ایمان والو! اُن لوگوں کو دوست نہ بناؤ جن پر اللہ تعالیٰ نے غضب فرمایا ہے۔ وہ آخرت سے اسی طرح مایوس ہو چکے ہیں جیسے کافر لوگ قبروں میں مدفون لوگوں سے مایوس ہیں۔

آیت ۷ إِنَّ اللهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ۔ (البقرہ:۲۲۲)

ترجمہ بیشک اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اس کی طرف کثرت سے رجوع کریں، اور ان سے محبت کرتا ہے جو خوب پاک صاف رہیں۔

آیت ۸ فَإِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكَافِرِيْنَ۔ (البقرة:۹۸)

ترجمہ تو اللہ تعالیٰ کافروں کا دشمن ہے۔

آیت ۹ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ آمَنُوْا۔ (البقرہ:۲۵۷)

ترجمہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا رکھوالا ہے۔

آیت ۱۰ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ۔ (البقرہ:۱۶۳)

ترجمہ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں، جو سب پر مہربان، بہت مہربان ہے۔

آیت ۱۱ وَمَا تَشَآؤُوْنَ إِلَّآ أَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ۔ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْماً حَكِيْماً۔ (الدہر:۳۰)

ترجمہ اور تم چاہو گے نہیں جب تک اللہ نہ چاہے۔اور اللہ تعالیٰ علم کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک۔

اور اس طرح کی بے شمار آیات اس پر دلالت کرتی ہیں۔

فصل 3: في استواء الله على عرشه وعلوه على خلقه

7 ومن قولهم: أنه سُبحانه فوق سماواته، مستوٍ على عرشه، ومستولٍ على جميع خلقه، وبائن منهم بذاته، غير بائن بعلمه، بل علمه محيط بهم، يعلم سرهم وجهرهم، ويعلم ما يكسبون، على ما ورد به خبره الصادق، و كتابه الناطق، فقال تعالى: "الرحمٰن على العرش استوى"، واستواؤه عز وجل: علوه بغير كيفية، ولا تحديد، ولا مجاورة ولا مماسة".

ترجمہ اللہ تعالیٰ آسمانوں کے اوپر ہیں۔عرش پر مستوی ہیں۔تمام مخلوق پر قاہر اور غالب ہیں۔مخلوق سے اپنی ذات کے لحاظ سے جدا ہیں، اپنے علم سے جدا نہیں ہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کا علم تمام مخلوق کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔اللہ تعالیٰ ان کے پوشیدہ اور ظاہر تمام حالات کو جاننے والا ہے۔مخلوق کے تمام اعمال کو جاننے والا ہے، جیسا کہ سچی ذات نے خبر دی ہے اور اس کی کتاب ناطق خبر دے رہی ہے:

اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى۔ (سورت طٰہٰ:۵)

ترجمہ وہ بڑی رحمت والا عرش پر استواء فرمائے ہوئے ہے۔

اللہ تعالیٰ کا استواء بغیر کسی کیفیت، بغیر حد بندی، بغیر قرب و بعد، اور بغیر چھونے کے بلند ہونا ہے۔

فصل 4: في نزوله سبحانه إلى السماء الدنيا

8 ومن قولهم (أهل السنة): إن الله جل جلاله وتقدَّست أسماؤه: ينزل في كل ليلة إلى السماء الدنيا في الثلث الباقي من الليل، فيقول: (هل من داع يدعوني فأستجيب له، وهل من سائل يسألني فأعطيه، وهل من مستغفر يستغفرني فأغفر له؟ حتى ينفجر الصبح، على ما صحت به الأخبار، وتواترت به الآثار عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، ونزوله تبارك وتعالى كيف شاء، بلا حد، ولا تكييف، ولا وصف بانتقال، ولا زوال.

ترجمہ اہل السنت والجماعت کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر رات کو جب رات کا تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے، تو آسمان دنیا پر نزول فرماتے ہیں۔اس وقت اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ''کیا کوئی مجھ سے دعا مانگنے والا ہے کہ میں اس کی دعا کو قبول کروں؟ کیا کوئی مجھ سے سوال کرنے والا ہے کہ میں اس کو عطا کروں؟ کیا کوئی مجھ سے بخشش طلب کرنے والا ہے کہ میں اس کو بخشش دوں؟ یہاں تک کہ صبحِ صادق طلوع ہو جاتی ہے''۔اس بارے میں صحیح احادیث موجود ہیں اور جناب رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں اخبار متواترہ ثابت ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا یہ نزول جس طرح اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں، اسی طرح ہوتا ہے۔یہ نزول بغیر حد و نہایت، بلا کیف، بغیر حرکت و انتقال کے، بغیر کسی جگہ سے زائل ہونے کے ہے۔

9 وقال بعض أصحابنا: ينزل أمره تبارك وتعالى.

واحتج بقوله عز وجل: "الذي خلق سبع سموات ومن الأرض

مثلهن يتنزل الأمر بينهن"۔

و كذا روى حبيب عن مالك بن أنس رحمه الله۔

وسئل الأوزاعى عن التنزل فقال: "يفعل الله ما يشاء"۔

أى: يظهر من أفعاله ما يشاء !!

ترجمہ ہمارے بعض اصحابؒ نے نزول باری تعالیٰ کے بارہ میں فرمایا ہے:

اس سے مراد اللہ تعالیٰ کے امر کا نازل ہونا مراد ہے۔

انہوں نے اپنے اس قول کی دلیل میں اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کو بیان کیا ہے:

أَللهُ الَّذِىْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ۔ يَتَنَزَّلُ الْأَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْٓا أَنَّ اللهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ۔ وَأَنَّ اللهَ قَدْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَىْءٍ عِلْماً (الطلاق: ۱۲)

ترجمہ اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان پیدا کیے، اور زمین بھی اُنہی کی طرح۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ان کے درمیان اترتا رہتا ہے، تاکہ تمہیں معلوم ہوجائے کہ اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے، اور یہ کہ اللہ کے علم نے ہر چیز کا احاطہ کیا ہوا ہے۔

اس طرح کی روایت حضرت حبیبؒ نے حضرت امام مالکؒ سے بھی روایت کی ہے۔

حضرت امام اوزاعیؒ سے نزول باری تعالیٰ کے بارے میں سوال کیا گیا۔ تو انہوں نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جو چاہتے ہیں وہ کرتے ہیں۔

یعنی اپنے افعال میں سے جو چاہتے ہیں، اس کا اظہار فرماتے ہیں۔

10 حدثنا عبد الرحمن بن عثمان قال: نا قاسم بن أصبغ، قال: نا أحمد بن زهير قال: نا عبد الوهاب بن نجدة قال: نا بقية بن الوليد قال: نا الأوزاعى قال: كان مكحول والزهرى يقولان: أَمِرَّ الأحاديث كما جاءت۔

ترجمہ حضرت امام اوزاعیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت مکحولؒ اور حضرت امام زہریؒ فرماتے تھے:

''احادیثِ صفات کو اسی طرح بیان کرو جیسی وہ مروی ہیں''۔

قال أبو عمرو: وهذا دين الأمة، وقول أهل السنة فى هذه الصفات

أن تُمرّ كما جاءت بغير تكييف، ولا تحديد، فمن تجاوز المروى فيها و كَيَّفَ شيئاً منها ومَثَّلها بشيئٍ من جوارحنا وآلتنا فقد ضَلَّ واعتدىٰ، وابتدع فى الدين ما ليس منه، وخرق إجماع المسلمين، وفارق أئمة الدين۔

قال نعيم بن حَمَّاد، وإسحاق بن راهويه: من شبه الله تعالى بشيئٍ من خَلقِه فهو كافر۔

ترجمہ حضرت امام ابوعمرو دانیؒ فرماتے ہیں: ''یہی اُمت محمدیہ کا دین ہے، اور یہی اہل السنت والجماعت کا دین ہے کہ ان احادیثِ صفات کو بغیر کسی قسم کی کیفیت اور بغیر حدود کے ایسے ہی بیان کرو جیسے وہ مروی ہیں۔ پھر جس شخص نے ان مروی الفاظ حدیث سے زیادہ تجاوز کیا اور ان میں کسی قسم کی کیفیت بیان کردی اور ہمارے جوارح اور آلات کے ساتھ ان کی تمثیل بیان کردی تو وہ گمراہ ہوگیا اور اس نے حد اعتدال کو تجاوز کرلیا۔ اس نے دین میں ایسی بدعت پیدا کردی جو دین میں سے نہیں ہے، اس نے اجماعِ اُمت کو پارہ پارہ کردیا اور وہ ائمۂ دین کے راستہ سے جدا ہوگیا۔

حضرت نعیم بن حمادؒ اور حضرت اسحاق بن راہویہؒ فرماتے ہیں:

''جس کسی نے اللہ تعالیٰ کی اس کی مخلوق میں سے کسی کے ساتھ مشابہت بیان کردی، تو وہ کافر ہے''۔

(الرسالة الوافية لمذهب أهل السنة فى الاعتقادات وأصول الديانات، ص۱۴تا۲۵۔ المؤلف: عثمان بن سعيد بن عثمان بن عمر أبو عمرو الدانى ﷫ (المتوفى ۴۴۴ھ)۔ المحقق: أبى انس حلمى بن محمد بن اسماعيل الرشيدى۔ الناشر: دارالبصيرة، الاسكندرية، مصر۔ الطبعة: الأولى ۱۴۲۶ھ)

فصل 5: في إثبات صفة الكلام لله

11 ومن قولهم: إن كلام الله صفة لذاته، لم يزل ولا يزال موصوفاً
به. قال جل ثناؤه: "ولو أن ما في الأرض من شجرة أقلام" الآية.
وقال: "قل لو كان البحر مداداً لكلمات ربي" الآية.
وقال: "يريدون أن يبدلوا كلام الله"، وقال: "وتمت كلمة ربك صدقاً وعدلاً لا مبدل لكلماته"،
وقال: "وقد كان فريق منهم يسمعون كلام الله"،
وقال: "إني اصطفيتك على الناس برسالاتي وبكلامي".

12 وسامع كلامه منه تعالى بلا واسطةٍ، ولا ترجمان كجبريل وموسى ومحمد صلى الله عليه وسلم سمعه من الله غير متلو ولا مقروء، فهو القائل جل جلاله لموسى عليه السلام: "إنني أنا الله لا إله إلا أنا فاعبدني وأقم الصلاة لذكري"، وكذلك قال تعالى: "وكلم الله موسى تكليماً"، فأكد الفعل بالمصدر الذي يزيل المجاز، ويوجب الحقيقة.

وقال: "منهم من كلم الله" ومن عداهم ممن لا يتولى خطابه بنفسه فإنما يسمع كلامه متلواً ومقروءاً. وقال عز من قائل: "وإن أحد من المشركين استجارك فأجره حتى يسمع كلام الله"، يريد: متلواً ومقروءاً.

ترجمہ اہل السنت والجماعت کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ بیشک کلام اللہ تعالیٰ کی صفتِ ذاتی ہے، جو ہمیشہ ہمیشہ سے اس کی ذات کے ساتھ موصوف رہی ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

آیت ۱ وَلَوْ أَنَّ مَا فِي الْأَرْضِ مِن شَجَرَةٍ أَقْلَامٌ وَالْبَحْرُ يَمُدُّهُ مِن بَعْدِهِ سَبْعَةُ أَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمَاتُ اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ (لقمان:۲۷)

ترجمہ اور زمین میں جتنے درخت ہیں، اگر وہ قلم بن جائیں، اور یہ جو سمندر ہے، اس کے

علاوہ سات سمندر اس کے ساتھ اور مل جائیں، (اور وہ روشنائی بن کر اللہ کی صفات لکھیں)۔ تب بھی اللہ کی باتیں ختم نہیں ہوں گی۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ اقتدار کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک۔

آیت ۲ قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمَاتِ رَبِّي لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَن تَنفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّي وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِ مَدَدًا (الکہف:۱۰۹)

ترجمہ (اے پیغمبر! لوگوں سے) کہہ دو کہ: "اگر میرے رب کی باتیں لکھنے کے لیے سمندر روشنائی بن جائے، تو میرے رَبّ کی باتیں ختم نہیں ہوں گی کہ اُس سے پہلے سمندر ختم ہو چکا ہوگا، چاہے اُس سمندر کی کمی پوری کرنے کے لیے ہم ویسا ہی ایک اور سمندر کیوں نہ لے آئیں"۔

آیت ۳ يُرِيدُونَ أَن يُبَدِّلُوا كَلَامَ اللَّهِ ۚ (الفتح:۱۵)

ترجمہ وہ چاہیں گے کہ اللہ تعالیٰ کی بات کو بدل دیں۔

آیت ۴ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدْلًا ۚ لَّا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ (الانعام:۱۱۵)

ترجمہ اور تمہارے ربّ کا کلام سچائی اور انصاف میں کامل ہے۔ اُس کی باتوں کو کوئی بدلنے والا نہیں۔ وہ ہر بات سننے والا، ہر بات جاننے والا ہے۔

آیت ۵ وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُونَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ يُحَرِّفُونَهُ (البقرہ:۷۵)

ترجمہ حالانکہ ان میں سے ایک گروہ کے لوگ اللہ تعالیٰ کے کلام کو سنتے ہیں اور پھر اس میں تحریف کرتے ہیں۔

آیت ۶ قَالَ يَا مُوسَىٰ إِنِّي اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسَالَاتِي وَبِكَلَامِي فَخُذْ مَا آتَيْتُكَ وَكُن مِّنَ الشَّاكِرِينَ (الاعراف:۱۴۴)

ترجمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "اے موسیٰ! میں نے اپنا پیغام دے کر اور تم سے ہم کلام ہو کر تمہیں تمام انسانوں پر فوقیت دی ہے۔ لہٰذا میں نے جو کچھ تمہیں دیا ہے، اُسے لے لو، اور ایک شکر گزار شخص بن جاؤ"۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کلامِ الٰہی کو اللہ تعالیٰ سے کسی واسطہ کے بغیر سنا اور اس میں کوئی

ترجمان جیسے حضرت جبرائیل علیہ السلام بھی نہ تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد مصطفی ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے اس کلام کو بصورت ''غیر متلو'' اور ''غیر مقروء'' سنا۔

پس اللہ تعالیٰ نے ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا تھا:

آیت ۷ إِنَّنِي أَنَا اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْنِي وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي ۔ (طٰہٰ: ۱۴)

ترجمہ حقیقت یہ ہے کہ میں ہی اللہ ہوں۔ میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ اس لیے میری عبادت کرو۔ اور مجھے یاد رکھنے کے لیے نماز قائم کرو۔

اسی مفہوم میں فرمان باری تعالیٰ ہے:

آیت ۸ وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَىٰ تَكْلِيمًا ۔ (النساء: ۱۶۴)

ترجمہ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تو اللہ تعالیٰ براہِ راست ہم کلام ہوا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فعل (كَلَّمَ) کو مصدر (تَكْلِيماً) سے مؤکد فرمایا جس سے اس کے مجازی معنی مراد نہ رہے بلکہ اس کے حقیقی معنی کا وجوب ثابت ہو گیا۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:

آیت ۹ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ ۘ مِّنْهُم مَّن كَلَّمَ اللَّهُ ۖ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ ۔ (البقرہ: ۲۵۳)

ترجمہ یہ پیغمبر جو ہم نے (مخلوق کی اصلاح کے لیے) بھیجے ہیں، ان کو ہم نے ایک دوسرے پر فضیلت عطا کی ہے۔ ان میں سے بعض وہ ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے کلام فرمایا، اور ان میں سے بعض کو اس نے بدرجہا بلندی عطا فرمائی۔

ان کے علاوہ دوسروں سے اللہ تعالیٰ نے براہِ راست کلام نہیں فرمایا۔ لہٰذا انہوں نے اللہ تعالیٰ کا کلام ''متلو'' اور ''مقروء'' ہی سنا۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:

آیت ۱۰ وَإِنْ أَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّىٰ يَسْمَعَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ أَبْلِغْهُ مَأْمَنَهُ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُونَ ۔ (التوبہ: ۶)

ترجمہ اور اگر مشرکین میں سے کوئی تم سے پناہ مانگے تو اُسے اُس وقت تک پناہ دو جب تک وہ اللہ تعالیٰ کا کلام سن لے۔ پھر اُسے اُس امن کی جگہ پہنچا دو۔ یہ اس لیے کہ یہ ایسے

لوگ ہیں جنہیں علم نہیں ہے۔

اس کلام سے مراد کلام ''متلو'' اور ''مقروء'' ہے۔

(الرسالة الوافية لمذهب أهل السنة في الاعتقادات وأصول الديانات ص ۳۶، ۳۷۔ المؤلف: عثمان بن سعيد بن عثمان بن عمر أبو عمرو الداني (المتوفى ۴۴۴ھ)۔ المحقق: أبي انس حلمي بن محمد بن اسماعيل الرشيدي۔ الناشر: دار البصيرة، الاسكندرية، مصر۔ الطبعة: الأولى ۱۴۲۶ھ)

فصل 6: في أن القرآن كلام الله، غير مخلوق

13 ومن قولهم: إن القرآن كلام الله، وصفة لذاته، جديد لا يبلى، ولا يفنى، ولا يخلق على كثرة الرد، منزل مفروق، ليس بخالق ولا مخلوق، وقال الله تعالى: "قرآناً عربياً غير ذي عوج". قال ابن عباس: غير مخلوق.

وذلك كذلك إذ كل مخلوق معوج من حيث كان مفتقراً إلى خالقه.

14 وروى محمد بن إسماعيل البخاري، عن الحكم بن محمد، عن سفيان بن عيينة قال: أدركت مشايخنا منذ سبعين سنة، منهم: عمرو بن دينار يقولون: القرآن كلام الله ليس بمخلوق.

وقد أدرك عمرو ابن عمر، وابن عباس، وجابراً وغيرهم من الصحابة.

15 وروى غير واحد عن سفيان قال: سمعت عمرو بن دينار يقول: سمعت الناس منذ سبعين سنة يقولون: الله الخالق، وما دونه مخلوق، إلا القرآن فإنه كلام الله.

16 وكلام الله سبحانه قائم به، ومختص بذاته، ولا يصح وجوده بغيره، وإن كان محفوظاً بالقلوب، متلواً بالألسن، مكتوباً في المصاحف،

مقروءاً فی المحاریب علی الحقیقیة لا علی المجاز، وغیر حال فی شیء من ذلك، ولو جاز وجوده فی غیره لکان ذلك الغیر متکلماً به، وآمراً وناهیاً وقائلا: ''أنا الله لا إله إلا أنا فاعبدنی وأقم الصلاة لذکری''، وذلك خلاف دین المسلمین۔

17 وکلامه جل جلاله: مسموع بالآذان، وإن کان مخالفاً لسائر اللغات، وجمیع الأصوات، ولیس من جنس المسموعات، کما أنه جل وعزَّ یُرٰی بالأبصار وإن کان مخالفاً الأجناس المرئیات وکما أنه تعالی موجود مخالف لجمیع الحوادث الموجودات۔

ولا یجوز أن یحکیٰ کلام الله تعالی، ولا أن یلفظ به؛ لأن الحکایة الشیء مثله وما یقاربه۔

18 کلام الله عز وجل: لا مثل له من کلام البشر، ولا یجوز أن یتکلم به ویلفظ به الخلق لأن ذلك یوجب کون کلام المتکلمین قائماً بذاتین قدیم ومحدث، وذلك خلاف الإجماع والمعقول۔

19 ولا یسع أحداً أن یقول: القرآن کلام الله ویسکت، حتی یقول: غیر مخلوق۔

وقال أحمد بن حنبل رحمه الله: لولا ما وقع فی القرآن - یعنی من القول بخلقه - لوسعه السکوت، ولکن لم یسکت. یرید أنه إنما یسکت لریبةٍ۔

وقال رحمه الله: من قال: لفظی بالقرآن مخلوق، فهو جهمی۔

قال: ومن قال: لفظی به غیر مخلوق فهو قدری. وقد قال أیضاً: فهو بدعی۔

وقول أحمد هذا قول جمیع أهل السنة من الفقهاء، والمحدثین والمتکلمین!!

20 قال شیخنا أبو بکر محمد بن الطیب: قال أبو الحسن الأشعری

رحمه الله: من قال: لفظی بالقرآن مخلوق، فهو ضال مبتدع، وقائل بما لم یقل به أحد من سلف الأمة۔

قال أبو بکر: وکذلك نضلل ونبدع من قال: لفظی به غیر مخلوق۔ وهو مذهب أحمد بن حنبل الذی رواه عنه ابناه صالح وعبد الله۔

21 قال: نا سلمة بن سعید، قال: نا محمد بن الحسین، قال: نا محمد بن مخلد، قال: نا أبو داود، قال: نا أحمد بن إبراهیم، قال: سألت أحمد قلت: هؤلاء یقولون: ألفاظنا بالقرآن مخلوقة؟

فقال: هذا شر من قول الجهمیة، من زعم هذا فقد زعم أن جبریل علیه السلام جاء بمخلوق، وأن النبی صلی الله علیه وسلم تکلم بمخلوق۔

22 حدثنا ابن سعید قال: نا محمد قال: نا ابن مخلد قال: نا أبو داود قال: سألت أحمد ابن صالح عمن قال: القرآن کلام الله، ولا یقول مخلوق ولا غیر مخلوق؟!

فقال: هذا شاكٌّ، والشاك کافر۔

23 حدثنا محمد بن عیسی، قال: نا وهب بن مسرة، قال: نا محمد بن وضاح قال: کل من أدرکت من فقهاء الأمصار، مکة، والمدینة، والعراق، والشام، ومصر وغیرها یقولون: القرآن کلام الله لیس بخالق ولا مخلوق۔

قال ابن وضاح: ولا یسع أحداً أن یقول: کلام الله فقط؛ حتی یقول: لیس بخالق ولا مخلوق۔

ترجمہ ☆اہل السنت والجماعت کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، اس کی صفت ذات ہے، یہ جدید ہی رہے گا، پرانا نہیں ہوگا۔ اس کو کبھی فنا نہیں ہے، کثرت سے پڑھنے کے باوجود یہ کبھی پرانا نہیں ہوگا۔ یہ منزل من اللہ ہے، یہ جدا کیا ہوا ہے۔ یہ نہ خالق ہے، نہ مخلوق ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

قُرآناً عَرَبِیّاً غَیْرَ ذِیْ عِوَجٍ لَّعَلَّھُمْ یَتَّقُوْنَ۔ (الزمر:۲۸)

ترجمہ یہ عربی قرآن جس میں کوئی ٹیڑھ نہیں! تا کہ لوگ تقویٰ اختیار کریں۔

میں قرآن کے غیر مخلوق ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''اس میں قرآن کے غیر مخلوق ہونے کا ذکر ہے''۔

یعنی قرآن کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''غَیْرَ ذِیْ عِوَجٍ''۔ اس میں کوئی کجی نہیں۔

یہ اس لیے ہے: ''اِذ کُلُّ مَخْلُوْقٍ مِعْوَجٌّ من حیث کان مفتقراً الی خالقه''

کوئی مخلوق شی ایسی نہیں ہے جس میں کجی نہ ہو۔ اس لیے کہ وہ مخلوق اپنے خالق کی محتاج ہے۔

☆ حضرت سفیان بن عیینہؒ فرماتے ہیں: ''میں نے ستر سال کے طویل عرصہ میں اپنے اساتذہ کرامؒ کو، جن میں خصوصیت سے عمرو بن دینارؒ بھی ہیں، یہی کہتے سنا ہے:

''قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، وہ مخلوق نہیں ہے''۔ (خلق افعال العباد ص ۲۹)

حضرت عمرو بن دینارؒ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ وغیرہ صحابہ کرام کو دیکھا تھا۔

☆ حضرت سفیان بن عیینہؒ فرماتے ہیں: میں نے حضرت عمرو بن دینارؒ سے سنا ہے۔ وہ فرماتے ہیں: ''میں نے ستر سال کے طویل عرصہ میں اپنے اساتذہ کرام کو یہی کہتے سنا ہے:

''اللہ خالق ہے۔ اس کے علاوہ ہر چیز مخلوق ہے۔ مگر قرآن کہ وہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے''۔

(سنن الکبریٰ بیہقی ج ۱۰ ص ۴۳؛ الاعتقاد ص ۱۱۰؛ الاسماء والصفات ص ۵۳۱)

☆ اللہ تعالیٰ کا کلام اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے۔ اس کی ذات کے ساتھ ہی مختص ہے۔ اس کا وجود اس کی ذات کے بغیر صحیح نہیں ہے۔ اگر چہ قرآن پاک دلوں میں

محفوظ (حفظ کیا ہوا) ہے، زبانوں سے پڑھا جاتا ہے، مصاحف میں لکھا ہوا ہے، مساجد میں پڑھا جاتا ہے۔ یہ حقیقت میں قرآن ہے، نہ کہ مجازی طور پر۔ حالانکہ وہ قرآن ان میں سے کسی چیز میں حلول کرنے والا نہیں ہے۔ اگر بالفرض اس کو جائز مان لیا جائے کہ اس کا وجود کسی غیر میں ہو سکتا ہے تو اس کو بھی متکلم ماننا پڑے گا۔ وہ قرآن آمر (امر کرنے والا) اور ناہی (منع کرنے والا) ہے۔ وہ اس کا قائل بھی ہے:

آیت اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِیْ۔ (طٰهٰ:۱۴)

ترجمہ حقیقت یہ ہے کہ میں ہی اللہ ہوں۔ میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ اس لیے میری عبادت کرو۔ اور مجھے یاد رکھنے کے لیے نماز قائم کرو۔

یہ بات تمام مسلمانوں کے دین کے خلاف ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ کا کلام کانوں سے سنا جا سکتا ہے، اگر چہ وہ کلام تمام زبانوں اور تمام آوازوں سے مختلف ہے، اور وہ مسموعات (سنی جانے والی چیزوں) کی جنس سے نہیں ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کو (قیامت میں) دیکھا جائے گا اگر چہ وہ مرئیات (دیکھی جانے والی چیزوں) کی اقسام میں سے نہیں ہے۔ اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ موجود ہیں، اگر چہ وہ تمام موجود حوادث سے مختلف ہیں۔

یہ بات جائز نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے کلام کی حکایت کی جائے، اور نہ ہی اس کا تلفظ بیان کیا جا سکتا ہے۔ اس لیے کہ اس شی کی حکایت تو اس کی مثل یا اس کے مقارب ہی ہوتی ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ کا کلام انسانوں کے کلام جیسا نہیں ہے۔ یہ بات جائز نہیں ہے کہ اس کا تکلم اور تلفظ کیا جا سکتا ہے کیونکہ اس سے یہ بات لازم آتی ہے کہ کلام کرنے والے کا کلام دو ذاتوں (وجودوں) یعنی قدیم اور محدث کے ساتھ متصف مانا جائے۔ یہ بات اجماعِ اُمت اور عقل و نظر کے خلاف ہے۔

☆ کسی شخص کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ کہے: ''قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے''۔ اور پھر خاموش ہو جائے۔ یہاں تک کہ اس کے ساتھ یہ بات بھی کہے: ''قرآن مخلوق نہیں ہے''۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں: ''اگر قرآن کے بارے میں وہ بات نہ کہی جاتی (قرآن پاک کے مخلوق والا قول)، تو سکوت کی گنجائش تھی، لیکن اب سکوت کی گنجائش کیونکر ہوسکتی ہے؟''۔

(ابوداوٗد ''مسائل الامام احمد'' ص ۳۶۳، ۳۶۴؛ خلاّل فی السنہ رقم ۱۷۴۹؛ اصبہانی فی ''الحجہ'' ج ۱ ص ۳۹۰؛ آجری فی ''الشریعۃ'': ۱۸۷)

اس سے ان کی مراد یہ ہے: وہ شخص سکوت کسی شک کی وجہ سے کرتا ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں: جو شخص یہ کہے: لفظی قرآن مخلوق ہے، تو وہ جہمی ہے۔

آپؒ نے یہ بھی فرمایا: جو شخص یہ کہے: لفظی قرآن مخلوق نہیں ہے، تو وہ قدری ہے۔

آپؒ نے یہ بھی فرمایا ہے: تو وہ بدعتی ہے۔

حضرت امام احمدؒ کا یہ قول تمام اہل السنت: فقہاءؒ، محدثینؒ اور متکلمینؒ کا قول ہے۔

☆ حضرت ابوبکر محمد بن طیبؒ فرماتے ہیں کہ حضرت امام ابوالحسن اشعریؒ نے فرمایا ہے: جس شخص نے کہا: لفظی قرآن مخلوق ہے، تو وہ گمراہ اور بدعتی ہے۔ اس نے وہ بات کہی ہے، جو اُمت کے اسلاف میں سے کسی نے بھی نہیں کہی ہے۔

(الابانہ ص ۹۴؛ مقالات الاسلامیین ج ۱ ص ۳۴۶)

حضرت ابوبکرؒ فرماتے ہیں: اسی طرح ہم بھی اُسے گمراہ اور بدعتی کہتے ہیں جو کہے: لفظی قرآن مخلوق نہیں ہے۔

یہی مذہب حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا ہے جس کو ان کے دونوں بیٹوں: حضرت صالح اور حضرت عبداللہؒ نے روایت کیا ہے۔

☆ حضرت احمد بن ابراہیمؒ فرماتے ہیں کہ میں حضرت امام احمد بن حنبلؒ سے سوال کیا: یہ لوگ جو کہتے ہیں: ہمارے قرآنی الفاظ مخلوق ہیں؟

تو حضرت امام احمدؒ نے فرمایا: یہ جہمیہ کا بدترین قول ہے۔ جس شخص کا یہ عقیدہ ہے تو اس کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام مخلوق لے کر آئے اور نبی اکرم ﷺ نے مخلوق کا ہی تکلم کیا ہے۔

☆ حضرت امام ابوداوٗدؒ فرماتے ہیں: میں نے حضرت احمد بن صالحؒ سے اس شخص کے بارے سوال کیا جو یہ تو کہتا ہے: قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ لیکن وہ یہ نہیں کہتا کہ مخلوق ہے یا مخلوق نہیں ہے؟

تو انہوں نے فرمایا: وہ شک میں مبتلا ہے، اور شک میں مبتلا ہونے والا کافر ہے۔

☆ حضرت محمد بن وضاحؒ فرماتے ہیں: میں فقہائے امصار: مکہ، مدینہ، عراق، شام، مصر وغیرہ سے ملا جو سب یہی کہتے تھے: قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، جو نہ خالق ہے، نہ مخلوق ہے۔

حضرت محمد بن وضاحؒ فرماتے ہیں: کسی شخص کے لیے ہرگز اس کی گنجائش نہیں ہے کہ وہ اتنی بات کہے: قرآن اللہ کا کلام ہے، یہاں تک کہ وہ اس کے ساتھ یہ بھی کہے: وہ نہ خالق ہے، نہ مخلوق ہے۔

(الرسالة الوافية لمذهب أهل السنة فی الاعتقادات وأصول الديانات ص ۳۷ تا ۴۲۔ المؤلف: عثمان بن سعيد بن عثمان بن عمر أبو عمرو الدانی (المتوفی ۴۴۴ھ)۔ المحقق: أبی انس حلمی بن محمد بن اسماعيل الرشيدی۔ الناشر: دار البصيرة، الاسکندرية، مصر۔ الطبعة: الأولی ۱۴۲۶ھ)

فصل 7: فی رؤية المؤمنين لربهم

24 ومن قولهم: أن الله سبحانه وتعالى يتجلى لعباده المؤمنين فی المعاد، فيرونه بالأبصار على ما نطق به القرآن، وتواترت به أخبار الرسول صلى الله عليه وسلم.

قال الله عز وجل: "وجوهٌ يومئذٍ ناضرةٌ. إلى ربها ناظرةٌ"، وأكد ذلك بقوله فی الكافرين: "كلا إنهم عن ربهم يومئذٍ لمحجوبون" تخصيصاً منه برؤيته المؤمنين.

قال الله عز وجل: "للذين أحسنوا الحسنى وزيادةٌ".

والزيادة: النظر إلى الله تعالى، جاء ذلك مفسراً كذلك عن النبی

صلی الله علیه وسلم، وعن غیر واحد من الصحابة والتابعین۔

25 وقال تعالی مخبراً عن موسی علیه السلام: "رب أرني أنظر إلیك"، ولولا علمه بجواز الرؤیة بالأبصار علیه لما أقدم علی أن یسأله ذلك۔

ورؤیته تعالی بغیر حد، ولا نهایة، ولا مقابلة، ولا محاذة، لأنه: "لیس کمثله شيء وهو السمیع البصیر"۔

26 وقال صلی الله علیه وسلم: "إنکم سترون ربکم کما ترون هذا القمر لا تضامون في رؤیته"۔ وروی ابن وهب، عن مالك أنه قال: أهل الجنة ینظرون إلی الله تعالی بأعینهم، وأشار ابن وهب إلی عینه۔

ومعنی: "لا تضامون"، أي: لا تدافعون ولا تزدحمون۔

ومعنی الحدیث الآخر: "لا تضارون في رؤیته" أي: لا یدخل علیکم ضرر في رؤیته۔

ترجمہ اہل السنت والجماعت کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ: اللہ تعالیٰ آخرت یعنی جنت میں اپنے مؤمن بندوں کے لیے تجلّی فرمائیں گے۔ پس وہ اللہ تعالیٰ کا دیدار اپنی آنکھوں سے کریں گے۔ جیسا کہ قرآن مجید اس بارے ناطق ہے:

وُجُوْهٌ یَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ۔ إِلٰی رَبِّهَا نَاظِرَةٌ۔ (قیامہ: ۲۲،۲۳)

ترجمہ اس دن کچھ چہرے تروتازہ ہوں گے، اپنے رب کی طرف دیکھتے ہوئے۔

اس بات کی تاکید قرآن پاک کی اس آیت سے بھی ہوتی ہے، جس میں کافروں کا ذکر ہے:

كَلَّآ إِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ یَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ۔ (المطففین: ۱۵)

ترجمہ ہرگز نہیں! حقیقت یہ ہے کہ لوگ اُس دن اپنے پروردگار کے دیدار سے محروم ہوں گے۔

اس طرح رؤیتِ باری تعالیٰ کی تخصیص مؤمنین کے لیے ہے۔ دیدارِ خداوندی کے

مسئلہ میں مؤمنوں اور کافروں کے لیے حکم الگ الگ ہے۔

لِلَّذِیْنَ أَحْسَنُوا الْحُسْنٰی وَزِیَادَةٌ۔ (یونس: ۲۶)

ترجمہ جن لوگوں نے بہتر کام کیے ہیں، بہترین حالت اُنہی کے لیے ہے، اور اُس سے بڑھ کر کچھ اور بھی!

"زیادہ" سے مراد اللہ تعالیٰ کی طرف دیکھنا ہے۔ "زیادہ" کی یہ تفسیر حضور اکرم ﷺ اور بیشمار حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعینؒ سے مروی ہے۔

اور جو اس بارے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے قرآن مجید میں بیان ہوا ہے:

رَبِّ أَرِنِیْٓ أَنْظُرْ إِلَیْكَ۔ (الاعراف: ۱۴۳)

ترجمہ میرے پروردگار! مجھے دیدار کرادیجئے کہ میں آپ کو دیکھ لوں۔

اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو رؤیت بصری کے جواز کا علم نہ ہوتا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کبھی بھی اس کا سوال کرنے کی جرأت نہ کرتے۔

پوری آیت کریمہ یوں ہے:

وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰی لِمِیْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ قَالَ رَبِّ أَرِنِیْٓ أَنْظُرْ إِلَیْكَ۔ قَالَ لَنْ تَرٰىنِیْ وَلٰكِنِ انْظُرْ إِلَی الْجَبَلِ فَإِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِیْ۔ فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰی صَعِقًا۔ فَلَمَّآ أَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ إِلَیْكَ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ۔ (الاعراف: ۱۴۳)

ترجمہ اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام ہمارے مقررہ وقت پر پہنچے، اور اُن کا ربّ اُن سے ہم کلام ہوا، تو وہ کہنے لگے: "میرے پروردگار! مجھے دیدار کرادیجئے کہ میں آپ کو دیکھ لوں"۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکو گے۔ البتہ پہاڑ کی طرف نظر اُٹھاؤ۔ اس کے بعد اگر وہ اپنی جگہ برقرار رہا تو تم مجھے دیکھ لوگے"۔ پھر جب اُن کے رب نے پہاڑ پر تجلّی فرمائی تو اُس کو ریزہ ریزہ کردیا۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بیہوش ہوکر گر پڑے۔ بعد میں جب اُنھیں ہوش آیا تو انھوں نے کہا: "پاک ہے آپ کی ذات! میں آپ کے حضور توبہ کرتا ہوں۔ اور میں سب سے پہلے ایمان لاتا ہوں"۔

اللہ تعالیٰ کی رؤیت بغیر کسی حد، نہایت، مقابلہ اور محاذات کے ہوگی۔ اس لیے کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ (الشوریٰ:۱۱)

ترجمہ کوئی چیز اُس کے مثل نہیں ہے، اور وہی ہے جو ہر بات سنتا، سب کچھ دیکھتا ہے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:

''تم اپنے رب کو ایسے دیکھو گے جیسے تم اس چاند کو دیکھ رہے ہو۔ دیدارِ خداوندی میں کوئی رکاوٹ اور ازدحام نہیں ہوگا''۔

(مسند حمیدی رقم ۷۹۹؛ بخاری رقم ۵۵۴، ۴۸۵۱، ۷۴۳۴؛ مسلم رقم ۶۳۳: ۲۱۱، ۲۱۲؛ ابوداؤد رقم ۴۷۲۹؛ سنن کبریٰ نسائی رقم ۷۷۶۲، ۱۱۳۳۰، ۱۱۵۲۴)

حضرت ابن وہبؒ نے حضرت امام مالکؒ سے نقل کیا ہے کہ آپؒ نے فرمایا: ''اہل جنت اللہ تعالیٰ کا دیدار اپنی آنکھوں سے کریں گے''۔

حضرت ابن وہبؒ نے اپنی آنکھوں کی طرف اشارہ کیا۔

حدیث کے لفظ: ''لا تضامون'' کا معنی ہے: بغیر کسی رکاوٹ اور ازدحام کے۔

دوسری حدیث کے الفاظ ہیں: اللہ تعالیٰ کے دیدار میں کوئی ضرر اور تکلیف نہیں ہوگی۔

(الرسالة الوافية لمذهب أهل السنة فى الاعتقادات وأصول الديانات ص ۴۴ تا ۴۶۔ المؤلف: عثمان بن سعيد بن عثمان بن عمر أبو عمرو الدانى (المتوفى ۴۴۴ھ)۔ المحقق: أبى انس حلمى بن محمد بن اسماعيل الرشيدى۔ الناشر: دار البصيرة، الاسكندرية، مصر۔ الطبعة: الأولى ۱۴۲۶ھ)

8 الامام الحافظ ابوبکر احمد بن الحسین بن علی البیہقیؒ (المتوفی ۴۵۸ھ) کے عقائد

علم عقائد و کلام میں ہزاروں کتب و رسائل لکھے گئے ہیں جو اپنی جگہ سب ہی نہایت قابل قدر اور لائق مطالعہ ہیں مگر متقدمین میں سے امام بیہقیؒ (المتوفی ۴۵۸ھ) کی کتاب ''کتاب الأسماء والصفات'' بڑے معرکہ کی ہے جس کی مدح بڑے بڑوں سے ہوئی ہے۔ پہلے یہ عظیم القدر کتاب ہندوستان میں بھی مطبع انوار احمدی الٰہ آباد سے ۱۳۱۳ھ میں طبع ہوئی تھی۔ پھر یہ کتاب ۱۳۵۸ھ میں علامہ زاہد الکوثری کی تحقیق سے مکتبۃ دار السعادۃ، مصر سے شائع ہوئی ہے۔ پھر بیروت (لبنان) سے بہت ہی شاندار طباعت کے ساتھ شائع ہوئی ہے جس کے اوپر محقق علامہ کوثریؒ کے حواشی و تعلیقات درج ہوئے ہیں اور اس کے شروع میں ایک دوسرے قریبی دور کے محقق علامہ شیخ سلامہ قضاعی شافعیؒ کا نہایت قیمتی رسالہ ''فرقان القرآن بين صفات خالق وصفات الاكوان'' بھی چھپ گیا ہے۔

اس رسالہ میں موجودہ دور کے بڑے فتنے تشبیہ و تجسیم کا رد مدلل اور دلنشین انداز میں خوب کیا ہے۔ امام بیہقیؒ کی ''کتاب الأسماء والصفات'' کے حواشی میں علامہ کوثریؒ نے تحقیق کا حق ادا کیا ہے۔ تقریباً ڈیڑھ سو (۱۵۰) مواضع میں کبار رجال پر نقد کے ساتھ خود امام بیہقیؒ کے تسامحات بھی دکھائے ہیں جن میں خاص طور سے صفحہ ۴۲۹، ۴۳۶ لائق مطالعہ ہیں۔

اب امام بیہقیؒ کی اس کتاب کو دو جلدوں میں مکتبۃ السوادی للتوزیع، جدہ سے عبد اللہ بن محمد الحاشدی کی تحقیق سے (۱۴۱۳ھ) شائع کیا گیا ہے۔ اس میں احادیث کی تخریج بھی کی گئی ہے۔ محشی نے بعض جگہ سلفی عقائد ثابت کرنے کے لیے بے جا گرہیں بھی لگانے کی کوشش کی ہے۔ اس کتاب کو محمد محب الدین ابو زید کی تحقیق سے مکتبۃ التوعیۃ الاسلامیۃ (۱۴۳۰ھ) سے شائع کیا گیا ہے۔

حضرت امام بیہقیؒ نے اپنی دوسری کتاب: "الاعتقاد والهداية إلى سبيل الرشاد على مذهب السلف وأصحاب الحديث" میں اعتقاد کو قدرے اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے۔

1 تفویض وتاویل میں حضرت امام بیہقیؒ کی تحقیق

1 حضرت امام بیہقیؒ فرماتے ہیں:

وَأَصْحَابُ الْحَدِيثِ فِيمَا وَرَدَ بِهِ الْكِتَابُ وَالسُّنَّةُ مِنْ أَمْثَالِ هٰذَا، وَلَمْ يَتَكَلَّمْ أَحَدٌ مِنَ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِينَ فِي تَأْوِيلِهِ. ثُمَّ إِنَّهُمْ عَلَى قِسْمَيْنِ: مِنْهُمْ مَنْ قَبِلَهُ وَآمَنَ بِهِ وَلَمْ يُؤَوِّلْهُ وَوَكَلَ عِلْمَهُ إِلَى اللهِ وَنَفَى الْكَيْفِيَّةَ وَالتَّشْبِيهَ عَنْهُ. وَمِنْهُمْ مَنْ قَبِلَهُ وَآمَنَ بِهِ وَحَمَلَهُ عَلَى وَجْهٍ يَصِحُّ اسْتِعْمَالُهُ فِي اللُّغَةِ وَلَا يُنَاقِضُ التَّوْحِيدَ. وَقَدْ ذَكَرْنَا هَاتَيْنِ الطَّرِيقَتَيْنِ فِي كِتَابِ الْأَسْمَاءِ وَالصِّفَاتِ فِي الْمَسَائِلِ الَّتِي تَكَلَّمُوا فِيهَا مِنْ هٰذَا الْبَابِ.

(الاعتقاد والهداية إلى سبيل الرشاد على مذهب السلف وأصحاب الحديث ص١١٦۔ المؤلف: أحمد بن الحسين بن علي بن موسى الخُسْرَوْجِردي الخراساني، أبو بكر البيهقي رحمه الله (المتوفى ٤٥٨ھ)۔ المحقق: أحمد عصام الكاتب۔ الناشر: دار الآفاق الجديدة، بيروت۔ الطبعة: الأولى ١٤٠١ھ)

ترجمہ ان آیات واحادیث کو جو صفات متشابہات کے بارے میں وارد ہوئی ہیں اور ان کے بارے میں حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعین عظامؒ نے ان کی تفسیر بیان نہیں کی ہے، محدثین کرامؒ کے ہاں دو طرح سے اس کا بیان ملتا ہے:

١ بعض حضرات ان کو حق اور سچ جان کر ایمان لائے، اور ان کی کسی بھی قسم کی تفسیر بیان نہیں کی ہے اور اس کا علم اللہ تعالیٰ کی ذات کے سپرد کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات سے کیفیت اور تشبیہ کی کامل طور پر نفی کرتے ہیں۔

٢ کچھ حضرات وہ ہیں جو ان آیات واحادیثِ صفات کو قبول کر کے ان پر ایمان لائے ہیں اور ان کو ایسے معانی پر محمول کرتے ہیں جن کا استعمال لغت عرب کے مطابق درست اور صحیح ہو اور وہ توحید باری کے بھی منافی نہ ہوں۔

ہم نے اپنی کتاب ''الاسماء والصفات'' میں ان دونوں طریقوں کے مطابق ان آیات واحادیث صفات کے معانی بیان کیے ہیں۔

2 حضرت امام بیہقیؒ، حضرت سفیان بن عیینہؒ کے قول: "كل ما وصف الله من نفسه في كتابه فتفسيره تلاوته والسكوت عليه" کے متعلق کہتے ہیں:

"..... وانما أراد به. والله أعلم. فيما تفسيره يؤدي الى تكييف. وتكييفه يقتضي تشبيهاً له بخلقه في أوصاف الحدوث"۔

(الاعتقاد والهداية، ص١١٨، طبع دار الآفاق الجديدة، بيروت)

یعنی حضرت سفیان بن عیینہؒ تابعی نے جو فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جن صفات سے خود کو متصف کیا ہے۔ ان کی ''تفسیر'' ان کو پڑھنا ہی ہے۔ ان کے متعلق کچھ کہنے سے سکوت ہی اس کی تفسیر ہے۔ امام بیہقیؒ کہتے ہیں یہ محتمل نقص وکمال اور موہم تشبیہ صفات کا حکم ہے۔۔۔۔۔ اور جن صفات کی تفسیر سے تشبیہ لازم نہیں آتی، ان کی تفسیر درست اور جائز ہے۔ تلاوت پر اکتفاء ضروری نہیں ہے۔ امام بیہقیؒ نے یہ بھی بتادیا کہ مخلوق کے ساتھ ایسی تشبیہ جس سے اللہ تعالیٰ کے لیے حدوث ثابت ہوتا ہے، یہ ممنوع ہے اور اس سے اجتناب لازم ہے۔

3 أَخْرَجَ الْبَيْهَقِيُّ مِنْ طَرِيقِ أَبِي دَاوُدَ الطَّيَالِسِيِّ قَالَ: كَانَ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ وَشُعْبَةُ وَحَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ وَحَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ وَشَرِيكٌ وَأَبُو عَوَانَةَ لَا يُحَدِّدُونَ وَلَا يُشَبِّهُونَ وَيَرْوُونَ هٰذِهِ الْأَحَادِيثَ وَلَا يَقُولُونَ: كَيْفَ. قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَهُوَ قَوْلُنَا. قَالَ الْبَيْهَقِيُّ: وَعَلَى هٰذَا مَضَى أَكَابِرُنَا.

(فتح الباری ج ١٣ ص ٤٩٨ طبع دار السلام، ریاض؛ کتاب الاسماء والصفات رقم ٩٠١)

ترجمہ حضرت امام ابوداؤد طیالسیؒ فرماتے ہیں: حضرت سفیان ثوریؒ، حضرت شعبہؒ، حضرت حماد بن زیدؒ، حضرت حماد بن سلمہؒ، حضرت شریکؒ، حضرت ابوعوانہؒ صفات باری میں نہ تو اللہ تعالیٰ کے لیے حد بیان کرتے تھے اور نہ ہی تشبیہ۔ وہ ان احادیث کو ایسے ہی بیان کرتے تھے۔ یہ نہیں کہتے تھے: کیسے؟ یعنی کیفیت کے بارے میں مطلق خاموش تھے۔ امام ابوداؤد طیالسیؒ فرماتے ہیں: ہمارا بھی یہی قول ہے۔ حضرت امام بیہقیؒ فرماتے ہیں: ہمارے اکابرؒ کا بھی یہی مسلک تھا۔

4 أَخْبَرَنَا أَبُو عَبْدِ الرَّحْمٰنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ مَحْبُوْرٍ الدَّهَّانُ، ثنا أَبُو الْعَبَّاسِ أَحْمَدُ بْنُ هَارُونَ الْفَقِيهُ، ثنا أَبُو يَحْيٰى زَكَرِيَّا بْنُ يَحْيَى الْبَزَّازُ، ثنا أَبُو عَبْدِ اللهِ مُحَمَّدُ بْنُ الْمُوَفَّقِ، ثنا إِسْحَاقُ بْنُ مُوسَى الْأَنْصَارِيُّ، قَالَ: سَمِعْتُ سُفْيَانَ بْنَ عُيَيْنَةَ، يَقُولُ: مَا وَصَفَ اللهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى بِهٖ نَفْسَهٗ فِيْ كِتَابِهٖ فَقِرَاءَتُهٗ تَفْسِيرُهٗ، لَيْسَ لِأَحَدٍ أَنْ يُفَسِّرَهٗ بِالْعَرَبِيَّةِ وَلَا بِالْفَارِسِيَّةِ۔

(کتاب الاسماء والصفات ج ۲ ص ۱۱۷ رقم ۶۸۳ طبع مکتبۃ السوادی للتوزیع، جدہ)

ترجمہ حضرت سفیان بن عیینہؒ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے اپنی جن صفات کو بیان فرمایا ہے۔ ان آیات صفات کو پڑھنا ہی گویا ان کا سمجھنا ہے اور کسی کو اجازت نہیں ہے کہ صفات کی عربی یا فارسی میں تفسیر کرے۔

5 فَأَمَّا الِاسْتِوَاءُ فَالْمُتَقَدِّمُونَ مِنْ أَصْحَابِنَا رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ كَانُوا لَا يُفَسِّرُونَهٗ وَلَا يَتَكَلَّمُونَ فِيهِ كَنَحْوِ مَذْهَبِهِمْ فِي أَمْثَالِ ذٰلِكَ۔

(کتاب الاسماء والصفات ج ۲ ص ۳۰۳، ۳۰۴ طبع مکتبۃ السوادی للتوزیع، جدہ)

ترجمہ استواء کی تفسیر متقدمین نہیں کرتے تھے اور صفات میں کسی قسم کی بات کو پسند نہیں کرتے تھے، جیسا کہ ان کا دوسری صفات میں یہی مؤقف ہے۔

6 حضرت امام بیہقیؒ فرماتے ہیں:

وَحَكَيْنَا عَنِ الْمُتَقَدِّمِينَ مِنْ أَصْحَابِنَا تَرْكَ الْكَلَامِ فِي أَمْثَالِ ذٰلِكَ، هٰذَا مَعَ اعْتِقَادِهِمْ نَفْيَ الْحَدِّ وَالتَّشْبِيهِ وَالتَّمْثِيلِ عَنِ اللهِ سُبْحَانَهٗ

صفاتِ باری تعالیٰ اکابر علمائے اُمت کے عقائد

وَتَعَالٰى۔

(کتاب الاسماء والصفات ج ۲ ص ۳۳۴، تحت رقم ۹۰۰ طبع مکتبۃ السوادی للتوزیع، جدہ)

ترجمہ ہم نے اپنے مقدمین میں سے اپنے اصحابؒ سے یہی روایت کیا ہے کہ وہ ان جیسی متشابہ آیاتِ صفات میں کلام نہیں کرتے تھے اور اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے حد، تشبیہ اور تمثیل کی نفی بھی کرتے تھے۔

7 أَخْبَرَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ الْحَارِثِ الْفَقِيهُ، أنا أَبُو مُحَمَّدِ بْنُ حَيَّانَ، ثنا الْحَسَنُ بْنُ مُحَمَّدٍ الدَّارَكِيُّ، ثنا أَبُو زُرْعَةَ، ثنا ابْنُ مُصَفًّى، ثنا بَقِيَّةُ، ثنا الْأَوْزَاعِيُّ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، وَمَكْحُولٍ، قَالَا: امْضُوا الْأَحَادِيثَ عَلٰى مَا جَاءَتْ۔

(کتاب الاسماء والصفات ج ۲ ص ۳۷۷، تحت رقم ۹۵۴ طبع مکتبۃ السوادی للتوزیع، جدہ)

ترجمہ حضرت امام اوزاعیؒ، حضرت امام زہریؒ اور حضرت مکحولؒ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ دونوں فرماتے تھے: احادیث (صفات) کو اسی طرح بیان کرو جیسے وہ مروی ہیں۔

8 أَخْبَرَنَا أَبُو عَبْدِ اللهِ الْحَافِظُ، ثنا أَبُو بَكْرٍ مُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ بَالَوَيْهِ، ثنا مُحَمَّدُ بْنُ بِشْرِ بْنِ مَطَرٍ، ثنا الْهَيْثَمُ بْنُ خَارِجَةَ، ثنا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ، قَالَ: سُئِلَ الْأَوْزَاعِيُّ وَمَالِكٌ وَسُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ وَاللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ هٰذِهِ الْأَحَادِيثِ الَّتِي جَاءَتْ فِي التَّشْبِيهِ فَقَالُوا: أَمِرُّوهَا كَمَا جَاءَتْ بِلَا كَيْفِيَّةٍ۔

(کتاب الاسماء والصفات ج ۲ ص ۳۷۷، تحت رقم ۹۵۵ طبع مکتبۃ السوادی للتوزیع، جدہ)

ترجمہ حضرات امام اوزاعیؒ، امام مالکؒ، سفیان ثوریؒ اور لیث بن سعدؒ سے ان احادیث جن میں بظاہر تشبیہ معلوم ہوتی ہے، کے بارے میں پوچھا گیا۔ تو انہوں نے فرمایا: ان کو ایسے ہی بلا کیفیت جیسے وہ وارد ہوئی ہیں، بیان کرو۔

9 أَخْبَرَنَا أَبُو عَبْدِ اللهِ الْحَافِظُ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا عَبْدِ اللهِ مُحَمَّدَ بْنَ إِبْرَاهِيمَ بْنِ حَمْشٍ، سَمِعْتُ أَبَا الْعَبَّاسِ الْأَزْهَرِيَّ، سَمِعْتُ سَعِيدَ بْنَ يَعْقُوبَ الطَّالْقَانِيَّ، سَمِعْتُ سُفْيَانَ بْنَ عُيَيْنَةَ، يَقُولُ: كُلُّ مَا وَصَفَ

اللّٰہُ تَعَالٰی مِنْ نَفْسِہٖ فِی کِتَابِہٖ فَتَفْسِیْرُہٗ تِلَاوَتُہٗ وَالسُّکُوْتُ عَلَیْہِ۔

(کتاب الاسماء والصفات ج ۲ ص ۱۵۸، تحت رقم ۷۲۵ طبع مکتبۃ السوادی للتوزیع، جدہ)

ترجمہ حضرت سفیان بن عیینہؒ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے اپنی جن صفات کو بیان فرمایا ہے۔ان آیات صفات کو پڑھنا ہی گویا ان کا سمجھنا ہے اور ان پر خاموش ہو جانا ہے۔

10 أَخْبَرَنَا أَبُو عَبْدِ الرَّحْمٰنِ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ مَحْبُوْرٍ الدَّهَّانُ، ثنا أَبُو الْعَبَّاسِ أَحْمَدُ بْنُ هَارُونَ الْفَقِيهُ، ثنا أَبُو يَحْيَى زَكَرِيَّا بْنُ يَحْيَى الْبَزَّازُ، ثنا أَبُو عَبْدِ اللهِ مُحَمَّدُ بْنُ الْمُوَفَّقِ، ثنا إِسْحَاقُ بْنُ مُوسَى الْأَنْصَارِيُّ، قَالَ: سَمِعْتُ سُفْيَانَ بْنَ عُيَيْنَةَ، يَقُولُ: مَا وَصَفَ اللهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى بِهِ نَفْسَهُ فِي كِتَابِهِ فَقِرَاءَتُهُ تَفْسِيرُهُ، لَيْسَ لِأَحَدٍ أَنْ يُفَسِّرَهُ بِالْعَرَبِيَّةِ وَلَا بِالْفَارِسِيَّةِ۔

(کتاب الاسماء والصفات ج ۲ ص ۱۱۷ رقم ۶۸۳ طبع مکتبۃ السوادی للتوزیع، جدہ)

ترجمہ حضرت سفیان بن عیینہؒ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے اپنی جن صفات کو بیان فرمایا ہے۔ان آیات صفات کو پڑھنا ہی گویا ان کا سمجھنا ہے اور کسی کو اجازت نہیں ہے کہ صفات کی عربی یا فارسی میں تفسیر کرے۔

11 حضرت امام بیہقیؒ حضرت امام ابوسلیمان خطابیؒ سے نقل کرتے ہیں:

إِنَّ الَّذِي يَجِبُ عَلَيْنَا وَعَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ أَنْ يَعْلَمَهُ: أَنَّ رَبَّنَا لَيْسَ بِذِي صُورَةٍ وَلَا هَيْئَةٍ، فَإِنَّ الصُّورَةَ تَقْتَضِي الْكَيْفِيَّةَ وَهِيَ عَنِ اللهِ وَعَنْ صِفَاتِهِ مَنْفِيَّةٌ۔ (کتاب الاسماء والصفات ج ۲ ص ۷۰ طبع جدہ)

ترجمہ وہ چیز جو ہم پر بلکہ تمام مسلمانوں پر واجب ہے کہ اس بات کو جاننا ضروری ہے کہ ہمارا رب شکل وصورت والا نہیں ہے کیونکہ صورت کیفیت کی مقتضی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات سے منفی ہے۔

12 قَالَ الشَّيْخُ رَحِمَهُ اللهُ: أَمَّا الْمُتَقَدِّمُونَ مِنْ أَصْحَابِنَا فَإِنَّهُمْ لَمْ يَشْتَغِلُوا بِتَأْوِيلِ هٰذَا الْحَدِيثِ، وَمَا جَرَى مَجْرَاهُ، وَإِنَّمَا فَهِمُوا مِنْهُ وَمِنْ أَمْثَالِهِ مَا سِيقَ لِأَجْلِهِ مِنْ إِظْهَارِ قُدْرَةِ اللهِ تَعَالَى وَعِظَمِ

صفاتِ باری تعالیٰ اکابر علمائے اُمت کے عقائد

شَأْنِهِ۔ وَأَمَّا الْمُتَأَخِّرُونَ مِنْهُمْ فَإِنَّهُمْ تَكَلَّمُوا فِي تَأْوِيلِهِ بِمَا يَحْتَمِلُهُ۔

(کتاب الاسماء والصفات ج ۲ ص ۱۶۸ طبع مکتبۃ السوادی للتوزیع، جدہ)

ترجمہ ہمارے اصحابؒ میں سے متقدمین اس حدیث (حدیث اصبع) کی تاویل میں مشغول نہیں ہوئے۔انہوں نے اس حدیث کو اسی طرح بیان کیا۔انہوں نے اس حدیث سے اور ان جیسی دوسری احادیث سے یہ بات سمجھی کہ ان سب کو اللہ تعالیٰ کی قدرت اور عظمت بیان کرنے کے لیے روایت کیا گیا ہے۔متاخرین علماءؒ میں سے بعض حضرات نے ان احادیث میں تاویلات کی ہیں

2 بَابُ الْقَوْلِ فِي الْقُرْآنِ، الْقُرْآنُ كَلَامُ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ، وَكَلَامُ اللهِ صِفَةٌ مِنْ صِفَاتِ ذَاتِهِ، وَلَا يَجُوزُ أَنْ يَكُونَ شَيْءٌ مِنْ صِفَاتِ ذَاتِهِ مَخْلُوقًا وَلَا مُحْدَثًا وَلَا حَادِثًا

قَالَ اللهُ جَلَّ ثَنَاؤُهُ: "إِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ إِذَا أَرَدْنَاهُ أَنْ نَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ (النحل:۴۰)۔ فَلَوْ كَانَ الْقُرْآنُ مَخْلُوقًا لَكَانَ اللهُ سُبْحَانَهُ قَائِلًا لَهُ كُنْ، وَالْقُرْآنُ قَوْلُهُ، وَيَسْتَحِيلُ أَنْ يَكُونَ قَوْلُهُ مَقُولًا لَهُ، لِأَنَّ هٰذَا يُوجِبُ قَوْلًا ثَانِيًا، وَالْقَوْلُ فِي الْقَوْلِ الثَّانِي وَفِي تَعَلُّقِهِ بِقَوْلٍ ثَالِثٍ كَالْأَوَّلِ، وَهٰذَا يُفْضِي إِلَى مَا لَا نِهَايَةَ لَهُ، وَهُوَ فَاسِدٌ، وَإِذَا فَسَدَ ذٰلِكَ فَسَدَ أَنْ يَكُونَ الْقُرْآنُ مَخْلُوقًا، وَوَجَبَ أَنْ يَكُونَ الْقَوْلُ أَمْرًا أَزَلِيًّا مُتَعَلِّقًا بِالْمُكَوَّنِ، فِيمَا لَا يَزَالُ كَمَا أَنَّ الْأَمْرَ مُتَعَلِّقٌ بِصَلَاةِ غَدٍ، وَغَدٌ غَيْرُ مَوْجُودٍ، وَمُتَعَلِّقٌ بِمَنْ يُخْلَقُ مِنَ الْمُكَلَّفِينَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، إِلَّا أَنَّ تَعْلِيقَهُ بِهِمْ عَلَى الشَّرْطِ الَّذِي يَصِحُّ فِيمَا بَعْدُ، كَذٰلِكَ قَوْلُهُ فِي

التَّكْوِينِ، وَهٰذَا كَمَا أَنَّ عِلْمَ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ أَزَلِيٌّ مُتَعَلِّقٌ بِالْمَعْلُوْمَاتِ عِنْدَ حُدُوْثِهَا، وَسَمْعُهٗ أَزَلِيٌّ مُتَعَلِّقٌ بِإِدْرَاكِ الْمَسْمُوعَاتِ عِنْدَ ظُهُورِهَا، وَبَصَرُهٗ أَزَلِيٌّ مُتَعَلِّقٌ بِإِدْرَاكِ الْمَرْئِيَّاتِ عِنْدَ وُجُوْدِهَا مِنْ غَيْرِ حُدُوْثِ مَعْنًى فِيْهِ. تَعَالٰى عَنْ أَنْ يَّكُوْنَ مَحَلًّا لِلْحَوَادِثِ، وَأَنْ يَّكُوْنَ شَيْءٌ مِنْ صِفَاتِ ذَاتِهٖ مُحْدَثًا؛ وَلِأَنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ قَالَ: "أَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْآنَ. خَلَقَ الْإِنْسَانَ". (الرحمن:۱،۲،۳)

فَلَمَّا جَمَعَ فِي الذِّكْرِ بَيْنَ الْقُرْآنِ الَّذِيْ هُوَ كَلَامُهٗ وَصِفَتُهٗ وَبَيْنَ الْإِنْسَانِ الَّذِيْ هُوَ خَلْقُهٗ وَمَصْنُوْعُهٗ، خَصَّ الْقُرْآنَ بِالتَّعْلِيمِ، وَالْإِنْسَانَ بِالتخْلِيقِ، فَلوْ كَانَ الْقُرْآنُ مَخْلُوْقًا كَالْإِنْسَانِ لَقَالَ: خَلَقَ الْقُرْآنَ وَالْإِنْسَانَ. وَقَالَ: "أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ" (الأعراف:۵۴)، فَفَرَّقَ بَيْنَ خَلْقِهٖ وَأَمْرِهٖ بِالْوَاوِ الَّذِيْ هُوَ حَرْفُ الْفَصْلِ بَيْنَ الشَّيْئَيْنِ الْمُتَغَايِرَيْنِ، فَدَلَّ عَلٰى أَنَّ قَوْلَهٗ غَيْرُ خَلْقِهٖ، وَقَالَ: "لِلّٰهِ الْأَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ" (الروم:۴)، يَعْنِي مِنْ قَبْلِ أَنْ يَّخْلُقَ الْخَلْقَ وَمِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ. وَهٰذَا يُوجِبُ أَنَّ الْأَمْرَ غَيْرُ مَخْلُوقٍ، وَقَالَ: "وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ". (الصافات:۱۷۱)، وَقَالَ: "لَوْلَا كِتَابٌ مِنَ اللهِ سَبَقَ" (الأنفال:۶۸)، وَالسَّبْقُ عَلَى الْإِطْلَاقِ يَقْتَضِيْ سَبْقَ كُلِّ شَيْءٍ سِوَاهُ، وَقَالَ: "وَكَلَّمَ اللهُ مُوسٰى تَكْلِيمًا" (النساء:۱۶۴)، وَلَا يَجُوزُ أَنْ يَكُونَ كَلَامُ الْمُتَكَلِّمِ قَائِمًا بِغَيْرِهٖ ثُمَّ يَكُوْنَ هُوَ بِهٖ مُتَكَلِّمًا مُكَلِّمًا دُوْنَ ذٰلِكَ الْغَيْرِ، كَمَا لَا يَجُوْزُ ذٰلِكَ فِي الْعِلْمِ وَالسَّمْعِ وَالْبَصَرِ، وَقَالَ: "وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُّكَلِّمَهُ اللهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوحِيَ بِإِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ". (الشورى:۵۱)، فَلَوْ كَانَ كَلَامُ اللهِ لَا يُوجَدُ إِلَّا مَخْلُوقًا فِي شَيْءٍ مَخْلُوْقٍ، لَمْ يَكُنْ لِاشْتِرَاطِ هٰذِهِ الْوُجُوهِ مَعْنًى لِاسْتِوَاءِ جَمِيعِ الْخَلْقِ فِي سَمَاعِهٖ مِنْ غَيْرِ اللهِ وَوُجُودِهِمْ ذٰلِكَ عِنْدَ الْجَهْمِيَّةِ مَخْلُوْقًا فِي غَيْرِ اللهِ، وَهٰذَا

يُوجِبُ إِسقَاطَ مَرْتَبَةِ النَّبِيِّينَ صَلَوَاتُ اللهِ عَلَيْهِمْ أَجْمَعِينَ، وَ يَجِبُ عَلَيْهِمْ إِذَا زَعَمُوْا أَنَّ كَلَامَ اللهِ لِمُوسٰى خَلَقَهٗ فِي شَجَرَةٍ، أَنْ يَكُونَ مَنْ سَمِعَ كَلَامَ اللهِ مِنْ مَلَكٍ أَوْ مِنْ نَبِيٍّ أَتَاهُ بِهٖ مِنْ عِنْدِ اللهِ أَفْضَلَ مَرْتَبَةً فِي سَمَاعِ الْكَلَامِ مِنْ مُوسٰى؛ لِأَنَّهُمْ سَمِعُوْهُ مِنْ نَبِيٍّ وَلَمْ يَسْمَعْهُ مُوسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ مِنَ اللهِ، وَإِنَّمَا سَمِعَهٗ مِنْ شَجَرَةٍ، وَأَنْ يَزْعُمُوْا أَنَّ الْيَهُوْدَ إِذْ سَمِعَتْ كَلَامَ اللهِ مِنْ مُوسٰى نَبِيِّ اللهِ أَفْضَلُ مَرْتَبَةً فِي هٰذَا الْمَعْنٰى مِنْ مُوسَى بْنِ عِمْرَانَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى نَبِيِّنَا وَسَلَّمَ؛ لِأَنَّ الْيَهُودَ سَمِعَتْهُ مِنْ نَبِيٍّ مِنَ الْأَنْبِيَآءِ وَمُوسٰى صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى نَبِيِّنَا وَسَلَّمَ سَمِعَهٗ مَخْلُوْقًا فِي شَجَرَةٍ وَلَوْ كَانَ مَخْلُوقًا فِي شَجَرَةٍ لَمْ يَكُنِ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ مُكَلِّمًا لِمُوسٰى مِنْ وَرَآءِ حِجَابٍ؛ وَلِأَنَّ كَلَامَ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ لِمُوسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ لَوْ كَانَ مَخْلُوْقًا فِي شَجَرَةٍ كَمَا زَعَمُوْا لَزِمَهُمْ أَنْ تَكُونَ الشَّجَرَةُ بِذٰلِكَ الْكَلَامِ مُتَكَلِّمَةً، وَوَجَبَ عَلَيْهِمْ أَنَّ مَخْلُوقًا مِنَ الْمَخْلُوقِينَ كَلَّمَ مُوسٰى وَقَالَ لَهٗ: "إِنَّنِيْ أَنَا اللهُ لَآ إِلٰهَ إِلَّآ أَنَا فَاعْبُدْنِيْ" (طه:۱۴)، وَهٰذَا ظَاهِرُ الْفَسَادِ، وَقَدِ احْتَجَّ عَلِيُّ بْنُ إِسْمَاعِيلَ رَحِمَهُ اللهُ بِهٰذِهِ الْفُصُولِ. وَاحْتَجَّ بِهَا غَيْرُهٗ مِنْ سَلَفِنَا رَحِمَهُمُ اللهُ.

وَأَخْبَرَنَا أَبُو عَبْدِ الرَّحْمٰنِ السُّلَمِيُّ، أنا الْحَسَنُ بْنُ رَشِيقٍ، إِجَازَةً، ثنا مُحَمَّدُ بْنُ سُفْيَانَ بْنِ سَعِيدٍ، ثنا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ الْأَصْبَهَانِيُّ، بِمَكَّةَ قَالَ: سَمِعْتُ الْجَارُوْدِيَّ، يَقُولُ: ذَكَرَ الشَّافِعِيُّ إِبْرَاهِيمَ بْنَ إِسْمَاعِيلَ ابْنَ عُلَيَّةَ فَقَالَ: أَنَا مُخَالِفٌ لَهٗ فِي كُلِّ شَيْءٍ، وَفِي قَوْلِهٖ: لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، لَسْتُ أَقُوْلُ كَمَا يَقُوْلُ، أَنَا أَقُوْلُ: لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللهُ الَّذِيْ كَلَّمَ مُوسٰى مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ، وَذَاكَ يَقُوْلُ: لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللهُ الَّذِيْ خَلَقَ كَلَامًا أَسْمَعَهٗ مُوسٰى مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ.

قُلْنَا: وَلِأَنَّ اللهَ قَالَ مُخْبِرًا عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ أَنَّهُمْ قَالُوْا: "إِنْ هٰذَا إِلَّا

قَوْلُ الْبَشَرِ" (المدثر:٢٥)، يَعْنُوْنَ الْقُرْآنَ. فَمَنْ زَعَمَ أَنَّ الْقُرْآنَ مَخْلُوقٌ فَقَدْ جَعَلَهُ قَوْلًا لِلْبَشَرِ، وَهٰذَا مِمَّا أَنْكَرَهُ اللهُ عَلَى الْمُشْرِكِينَ، وَلِأَنَّ اللهَ تَعَالٰى قَالَ: "قُلْ لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمَاتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَنْ تَنْفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا" (الكهف:١٠٩)، فَلَوْ كَانَتِ الْبِحَارُ مِدَادًا يُكْتَبُ بِهٖ لَنَفِدَتِ الْبِحَارُ وَتَكَسَّرَتِ الْأَقْلَامُ وَلَمْ يَلْحَقِ الْفَنَاءُ كَلِمَاتِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ كَمَا لَا يَلْحَقُ الْفَنَاءُ عِلْمَ اللهِ؛ لِأَنَّ مَنْ فَنِيَ كَلَامُهُ لَحِقَتْهُ الْآفَاتُ وَجَرٰى عَلَيْهِ السُّكُوتُ، فَلَمَّا لَمْ يَجُرْ ذٰلِكَ عَلٰى رَبِّنَا عَزَّ وَجَلَّ صَحَّ أَنَّهٗ لَمْ يَزَلْ مُتَكَلِّمًا وَلَا يَزَالُ مُتَكَلِّمًا، وَقَدْ نَفَى النَّفَادَ عَنْ كَلَامِهٖ كَمَا نَفَى الْهَلَاكَ عَنْ وَجْهِهٖ. وَأَمَّا قَوْلُ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ: "إِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ" (التكوير:١٩)، مَعْنَاهُ: قَوْلٌ تَلَقَّاهُ عَنْ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ أَوْ سَمِعَهٗ مِنْ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ، أَوْ نَزَلَ بِهٖ رَسُوْلٌ كَرِيْمٌ. فَقَدْ قَالَ: "فَأَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلَامَ اللهِ" (التوبة:٦)، فَأَثْبَتَ أَنَّ الْقُرْآنَ كَلَامُ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ، وَلَا يَكُوْنُ شَيْءٌ وَاحِدٌ كَلَامًا لِلرَّسُوْلِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَلَامًا لِلّٰهِ، دَلَّ أَنَّ الْمُرَادَ بِالْأَوَّلِ مَا قُلْنَا، وَقَوْلُهٗ: "إِنَّا جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا" (الزخرف:٣) مَعْنَاهُ: سَمَّيْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا وَأَنْزَلْنَاهُ مَعَ الْمَلَكِ الَّذِيْ أَسْمَعْنَاهُ إِيَّاهُ حَتّٰى نَزَلَ بِهٖ بِلِسَانِ الْعَرَبِ لِيَعْقِلُوْا مَعْنَاهُ، وَهُوَ كَمَا قَالَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ: "وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُوْنَ" (النحل:٦٢)، يَعْنِيْ: يَصِفُوْنَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُوْنَ وَلَمْ يُرِدْ بِهِ الْخَلْقَ. وَقَوْلُهٗ: "مَا يَأْتِيْهِمْ مِنْ ذِكْرٍ مِنْ رَّبِّهِمْ مُحْدَثٍ إِلَّا اسْتَمَعُوْهُ وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ" (الأنبيآء:٢)، يَحْتَمِلُ أَنْ يَكُوْنَ مَعْنَاهُ ذِكْرًا غَيْرَ الْقُرْآنِ، وَهُوَ كَلَامُ الرَّسُوْلِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَوَعْظِهٖ إِيَّاهُمْ بِقَوْلِهٖ: "وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ" (الذاريات:٥٥)؛ وَلِأَنَّهٗ لَمْ يَقُلْ: لَا يَأْتِيْهِمْ ذِكْرٌ إِلَّا كَانَ مُحْدَثًا، وَإِنَّمَا قَالَ: "مَا يَأْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ

مِّنْ رَّبِّهِمْ مُحْدَثٌ إِلَّا اسْتَمَعُوْهُ وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ". (الأنبيآء:٢)، فَدَلَّ عَلٰى أَنَّ ذِكْرًا غَيْرَ مُحْدَثٍ، ثُمَّ إِنَّهٗ إِنَّمَا أَرَادَ ذِكْرَ الْقُرْآنِ لَهُمْ وَتِلَاوَتَهٗ عَلَيْهِمْ وَعِلْمَهُمْ بِهٖ، وَكُلُّ ذٰلِكَ مُحْدَثٌ، وَالْمَذْكُوْرُ الْمَتْلُوُّ الْمَعْلُوْمُ غَيْرُ مُحْدَثٍ، كَمَا أَنَّ ذِكْرَ الْعَبْدِ لِلّٰهِ وَعِلْمَهٗ بِهٖ وَعِبَادَتَهٗ لَهٗ مُحْدَثٌ، وَالْمَذْكُوْرُ الْمَعْلُوْمُ الْمَعْبُوْدُ غَيْرُ مُحْدَثٍ، وَحِيْنَ احْتُجَّ بِهٖ عَلٰى أَحْمَدَ بْنِ حَنْبَلٍ رَحِمَهُ اللهُ. قَالَ أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: قَدْ يَحْتَمِلُ أَنْ يَّكُوْنَ تَنْزِيْلُهٗ إِلَيْنَا هُوَ الْمُحْدَثُ لَا الذِّكْرُ نَفْسُهٗ مُحْدَثٌ.

قَالَ الشَّيْخُ رَحِمَهُ اللهُ: وَهٰذَا الَّذِيْ أَجَابَ بِهٖ أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ رَحِمَهُ اللهُ ظَاهِرٌ فِي الْآيَةِ، وَإِتْيَانُهٗ تَنْزِيْلُهٗ عَلٰى لِسَانِ الْمَلَكِ الَّذِيْ أَتٰى بِهٖ، وَالتَّنْزِيْلُ مُحْدَثٌ، وَقَدْ أَجَابَ أَحْمَدُ رَحِمَهُ اللهُ بِالْجَوَابِ الْأَوَّلِ.

وَأَمَّا تَسْمِيَةُ عِيْسٰى بِكَلِمَةِ اللهِ فَعَلٰى مَعْنٰى أَنَّهٗ صَارَ مُكَوَّنًا بِكَلِمَةِ اللهِ مِنْ غَيْرِ أَبٍ كَمَا صَارَ آدَمُ مُكَوَّنًا بِكَلِمَةِ اللهِ مِنْ غَيْرِ أَبٍ وَلَا أُمٍّ، وَقَدْ بَيَّنَهٗ بِقَوْلِهٖ: "إِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللهِ كَمَثَلِ آدَمَ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ" (آل عمران:٥٩).

وَقَدْ رُوِّيْنَا فِي الْحَدِيْثِ الصَّحِيْحِ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهٗ قَالَ: وَكَتَبَ فِي الذِّكْرِ كُلَّ شَيْءٍ. وَالْقُرْآنُ فِيْمَا كُتِبَ فِي الذِّكْرِ لِقَوْلِهٖ عَزَّ وَجَلَّ: "بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَّجِيْدٌ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ" (البروج:٢٢).

وَفِيْ ذٰلِكَ دَلَالَةٌ عَلٰى قِدَمِ الْقُرْآنِ وَوُجُوْدِهٖ قَبْلَ وُقُوْعِ الْحَاجَةِ إِلَيْهِ، وَمِمَّا يَدُلُّ عَلٰى ذٰلِكَ الْحَدِيْثُ الصَّحِيْحُ الَّذِيْ:

أَخْبَرَنَاهُ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الْحَافِظُ، أَخْبَرَنَا أَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ مُحَمَّدُ بْنُ يَعْقُوْبَ، وَأَبُو الْفَضْلِ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ، قَالَا: حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ سَلَمَةَ، حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مُوْسَى الْأَنْصَارِيُّ، حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ عِيَاضٍ، حَدَّثَنَا الْحَارِثُ بْنُ أَبِيْ ذُبَابٍ، عَنْ يَزِيْدَ بْنِ هُرْمُزَ، وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ

الْأَعْرَجِ، قَالَا: سَمِعْنَا أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ، قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "احْتَجَّ آدَمُ وَمُوسَى عِنْدَ رَبِّهِمَا فَحَجَّ آدَمُ مُوسَى عَلَيْهِمَا السَّلَامُ، فَقَالَ مُوسَى: أَنْتَ الَّذِي خَلَقَكَ اللهُ بِيَدِهِ، وَنَفَخَ فِيكَ مِنْ رُوحِهِ، وَأَسْجَدَ لَكَ مَلَائِكَتَهُ، وَأَسْكَنَكَ جَنَّتَهُ، ثُمَّ أَهْبَطْتَ النَّاسَ بِخَطِيئَتِكَ إِلَى الْأَرْضِ، قَالَ آدَمُ: أَنْتَ مُوسَى الَّذِي اصْطَفَاكَ اللهُ بِرِسَالَاتِهِ وَكَلَامِهِ، وَأَعْطَاكَ الْأَلْوَاحَ فِيهَا تِبْيَانُ كُلِّ شَيْءٍ، وَقَرَّبَكَ اللهُ نَجِيًّا، فَبِكَمْ وُجِدَتِ التَّوْرَاةُ قَبْلَ أَنْ أُخْلَقَ؟ قَالَ مُوسَى: بِأَرْبَعِينَ عَامًا، قَالَ آدَمُ: وَجَدْتَ فِيهَا: "وَعَصَى آدَمُ رَبَّهُ فَغَوَى" (طه:۱۲۱)؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: أَفَتَلُومُنِي أَنْ أَعْمَلَ عَمَلًا كَتَبَهُ اللهُ عَلَيَّ أَعْمَلُهُ بِعِلْمِهِ قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَنِي بِأَرْبَعِينَ سَنَةً، قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: فَحَجَّ آدَمُ مُوسَى۔

قَالَ الشَّيْخُ: وَهٰذَا التَّارِيخُ يَرْجِعُ إِلَى إِظْهَارِهِ ذٰلِكَ لِمَنْ شَاءَ مِنْ مَلَائِكَتِهِ۔ وَفِي ذٰلِكَ مَعَ الْآيَةِ دِلَالَةٌ عَلَى وُجُودِهِ قَبْلَ وُقُوعِ الْخَطِيئَةِ مِنْ آدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ۔ وَكَلَامُ اللهِ تَعَالَى مَوْجُودٌ فِيمَا لَمْ يَزَلْ، مَوْجُودٌ فِيمَا لَا يَزَالُ، وَبِإِسْمَاعِهِ كَلَامَهُ مَنْ شَاءَ مِنْ مَلَائِكَتِهِ وَرُسُلِهِ وَعِبَادِهِ مَتَى شَاءَ، صَارَ كَلَامُهُ مَسْمُوعًا لَهُ بِلَا كَيْفٍ، وَالْمَسْمُوعُ كَلَامُهُ الَّذِي لَمْ يَزَلْ وَلَا يَزَالُ مَوْصُوفًا بِهِ، وَكَلَامُهُ لَا يُشْبِهُ كَلَامَ الْمَخْلُوقِينَ، كَمَا لَا يُشْبِهُ سَائِرُ أَوْصَافِهِ أَوْصَافَ الْمَخْلُوقِينَ۔ وَبِاللهِ التَّوْفِيقُ۔

(الاعتقاد و الهداية إلى سبيل الرشاد على مذهب السلف و أصحاب الحديث ص ۹۴ تا ۱۰۰۔ المؤلف: أحمد بن الحسين بن على بن موسى الخُسْرَوْجِردی الخراسانی، أبو بكر البيهقی علیہ الرحمۃ (المتوفی ۴۵۸ھ)۔ المحقق: أحمد عصام الكاتب۔ الناشر: دار الآفاق الجديدة، بيروت۔ الطبعة: الأولى، ۱۴۰۱ھ)

ترجمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

آیت 1 إِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ إِذَا أَرَدْنَاهُ أَنْ نَّقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ۔ (النحل:۴۰)

ترجمہ اور جب ہم کسی چیز کو پیدا کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو ہماری طرف سے صرف اتنی بات ہوتی ہے کہ ہم اُسے کہتے ہیں: ''ہوجا''۔بس وہ ہوجاتی ہے۔

پس اگر قرآن مجید مخلوق ہے تو اللہ تعالیٰ بھی پھر کلمہ ''کُنْ'' کا کہنے والا ہوا، حالانکہ قرآن مجید بھی اسی کا قول ہے۔اور یہ محال ہے کہ اس کا قول اس کا مقولہ بھی ہو؛ اس لیے کہ یہ تو دوسرے قول کا موجب ہوجائے گا۔اسی طرح دوسرا قول تیسرے قول کا سبب بن جائے گا۔اور یہ ان گنت اقوال کا سبب بن جائے گا۔اور یہ فاسد ہے۔ جب یہ بات فاسد ہے تو لامحالہ قرآن مجید کا مخلوق ہونا بھی فاسد ہوجائے گا۔یہ بات واجب ہوگئی کہ قول ازلی امر ہے جو مکوَّن کے ساتھ متعلق ہے جو ہمیشہ سے ہے جیسا کہ امر (حکم) آئندہ آنے والے کل کی نماز کے متعلق ہے، حالانکہ آئندہ آنے والا کل تو ابھی موجود ہی نہیں ہے۔اور یہی حکم قیامت تک آنے والے مکلف لوگوں کے لیے بھی ہے جو ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے۔مگر یہ تعلق ان کا اس شرط کے ساتھ ہے جو بعد میں صحیح ہوگی۔اسی طرح کا قول تکوین کے بارے میں بھی ہے۔اور یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی صفتِ علم ازلی ہے جو اُن معلومات کے ساتھ متعلق ہے جو مخلوقات کے حدوث (پیدا ہونے) سے ہیں۔اللہ تعالیٰ کی صفتِ سمع بھی ازلی ہے جو مسموعات کے ادراک سے متعلق ہیں جب وہ ظہور پذیر ہوں گی۔اللہ تعالیٰ کی صفتِ بصر بھی ازلی ہے جو مرئیات کے ادراک سے متعلق ہے جب وہ وجود میں آئیں گی۔ لیکن ان سب میں حدوث کا معنیٰ نہیں پایا جائے گا۔اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے پاک ہے کہ وہ حوادث کی آماجگاہ ہو اور اللہ تعالیٰ اس سے بھی پاک ہے کہ اس کی ذات کی صفات میں کوئی محدث (فنا ہونے والی) ہو۔اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

آیت 2 أَلرَّحْمٰنُ۔ عَلَّمَ الْقُرْآنَ۔ خَلَقَ الْإِنْسَانَ۔ (الرحمٰن:۱ تا ۳)

ترجمہ وہ رحمٰن ہی ہے جس نے قرآن کی تعلیم دی۔اُسی نے انسان کو پیدا کیا۔

پس جب اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید (جو اس کا کلام اور اس کی صفت ہے) اور انسان (جو اس کی مخلوق اور اس کی مصنوع) کے ذکر کو جمع کر دیا ہے، تو قرآن تو تعلیم کے ساتھ

اور انسان کو تخلیق کے ساتھ مختص کر دیا۔ تو اگر قرآن بھی انسان کی طرح مخلوق ہوتا تو اللہ تعالیٰ یوں ارشاد فرماتے: ''قرآن اور انسان کو پیدا کیا''۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

آیت 3 أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ ۔ (الاعراف: ۵۴)

ترجمہ یاد رکھو کہ پیدا کرنا اور حکم دینا سب اُسی کا کام ہے۔

تو اللہ تعالیٰ نے تخلیق اور امر کے درمیان حرف ''واؤ'' کے ذریعے فرق کو واضح کر دیا، اس لیے حرف ''واؤ'' دو متغایر چیزوں کے درمیان حرفِ فصل ہے۔ پس یہ اس بات پر دلالت ہے کہ اس کا قول مخلوق نہیں ہے۔

آیت 4 لِلّٰهِ الْأَمْرُ مِن قَبْلُ وَمِن بَعْدُ ۔ (الروم: ۴)

ترجمہ سارا اِختیار اللہ تعالیٰ ہی کا ہے، پہلے بھی اور بعد میں بھی۔

یعنی مخلوق کے پیدا کرنے سے پہلے اور مخلوق کے پیدا کرنے کے بعد۔ یہ اس کا موجب ہے کہ اللہ تعالیٰ کا امر مخلوق نہیں۔

آیت 5 وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ ۔ (الصافات: ۱۷۱)

ترجمہ اور ہم پہلے ہی اپنے پیغمبر بندوں کے بارے میں یہ بات طے کر چکے ہیں۔

آیت 6 لَّوْلَا كِتَابٌ مِّنَ اللَّهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيمَا أَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۔ (الانفال: ۶۸)

ترجمہ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک لکھا ہوا حکم پہلے نہ آ چکا ہوتا تو جو راستہ تم نے اختیار کیا، اُس کی وجہ سے تم پر کوئی بڑی سزا آ جاتی۔

سبقت کا اطلاق عمومی طور پر تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ ہر چیز سے پہلے ہو۔

آیت 7 وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَىٰ تَكْلِيمًا ۔ (النساء: ۱۶۴)

ترجمہ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تو اللہ تعالیٰ براہِ راست ہم کلام ہوا۔

یہ بات درست نہیں ہے کہ کلام متکلم کے بغیر قائم ہو سکتا ہے۔ پھر وہ اس کے ساتھ متکلم اور مُکلّم اس کے بغیر ہی ہو جائے، جیسا کہ یہ بات علم، سمع اور بصر کے بارے میں بھی درست نہیں ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

آیت 8 وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَن يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِن وَرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بِإِذْنِهِ مَا يَشَاءُ ۚ إِنَّهُ عَلِيٌّ حَكِيمٌ ۔ (الشوریٰ: ۵۱)

ترجمہ اور کسی انسان میں یہ طاقت نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس سے (رُوبرو) بات کرے، سوائے اس کے کہ وہ وحی کے ذریعے ہو، یا کسی پردے کے پیچھے سے، یا پھر وہ کوئی پیغام لانے والا (فرشتہ) بھیج دے، اور وہ اُس کے حکم سے جو وہ چاہے وحی کا پیغام پہنچا دے۔ یقیناً وہ بہت اُونچی شان والا، بڑی حکمت کا مالک ہے۔

پس اگر کلام اللہ بھی باقی مخلوقات کی طرح ایک مخلوق ہی ہو، تو وہ ان وجوہ کے لحاظ سے معنیٰ نہیں بنے گا تا کہ تمام لوگ اس کے سماع میں غیر اللہ سے برابر ہے، اور ان کا وجود جہمیہ کے نزدیک غیر اللہ میں مخلوق ہے۔ یہ انبیاء علیہم السلام کے مرتبہ کے گرانے کا بھی سبب بن جائے گا۔ اور اُن پر یہ بات واجب ہو جائے گی جب ان کا کہنا یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے اس نے کلام اللہ کو درخت میں پیدا کر دیا کہ وہ لوگ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کا کلام کسی فرشتہ سے سنا، یا کسی نبی علیہ السلام سے سنا جو اس کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہو، وہ مرتبہ کے لحاظ سے کلام سننے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے افضل ہوں، اس لیے کہ انہوں نے تو نبی علیہ السلام سے کلام سنا ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کلام اللہ تعالیٰ سے نہیں سنا ہے، بلکہ درخت سے کلام سنا ہے۔ یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہود نے تو کلام حضرت موسیٰ علیہ السلام سے سنا ہے، وہ اس معنیٰ کے لحاظ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے افضل ہوں گے۔ اس لیے کہ یہود نے تو نبیوں میں سے ایک نبی علیہ السلام سے کلام سنا ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تو ایک مخلوق کلام درخت میں سنا ہے۔ اور اگر درخت میں مخلوق کلام ہے، تو اللہ تعالیٰ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پردے کے پیچھے کلام کرنے والے نہ ہوئے۔ اور اس لیے بھی کہ اللہ تعالیٰ کا کلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے درخت میں مخلوق ہو، جیسا کہ ان کا گمان ہے تو اس سے یہ بات لازم آئے گی کہ درخت اس کلام کے ساتھ متکلم ہو گیا تھا۔ تو اس سے یہ بات لازم آئے گی کہ مخلوقات میں سے ایک مخلوق نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا تھا، حالانکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

آیت 9 إِنَّنِيٓ أَنَا اللّٰهُ لَآ إِلٰهَ إِلَّآ أَنَا فَاعْبُدْنِي وَأَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيٓ ۔ (طٰہٰ: ۱۴)

ترجمہ حقیقت یہ ہے کہ میں ہی اللہ ہوں۔ میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ اس لیے میری عبادت کرو۔ اور مجھے یاد رکھنے کے لیے نماز قائم کرو۔

اور اس کا غلط ہونا بالکل ظاہر ہے۔ حضرت علی بن اسماعیلؒ نے ان فصلوں میں ذکر کردہ دلائل سے دلیل لی ہے۔ ہمارے اسلاف میں دوسرے حضرات نے اس سے دلائل قائم کیے ہیں۔

حضرت جارودیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت امام شافعیؒ، ابراہیم بن اسماعیل بن علیہؒ کے بارے میں بیان کرتے ہوئے فرماتے تھے: ”میں اس کا ہر چیز میں مخالف ہوں، اور اس کے قول: «لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ» کے بارے میں بھی۔ میں وہ بات نہیں کہتا جو وہ کہتا ہے۔ میں کہتا ہوں: «لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ»، اللہ تعالیٰ وہ ہیں جنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پردے کے پیچھے کلام فرمایا“۔ اور یہ شخص کہتا ہے: ”لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، اللہ وہ ذات ہے جس نے کلام کو پیدا فرمایا تو پردے کے پیچھے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سنایا“۔

ہم کہتے ہیں: اور اس لیے بھی اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے بارے میں خبر دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ وہ کہتے ہیں:

آیت 10 إِنْ هٰذَآ إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ۔ (المدثر: ۲۵)

ترجمہ یہ قرآن بشر کا قول ہے۔

یعنی ان کی مراد قرآن مجید ہے۔ پس جس شخص نے یہ کہا کہ قرآن اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے تو اس نے اس کو انسان کا کلام قرار دیا۔

اور یہ وہ بات ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے مشرکین سے رد فرمایا ہے۔

اور اس لیے بھی کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

آیت 11 قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ۔ (الکہف: ۱۰۹)

ترجمہ (اے پیغمبر! لوگوں سے) کہہ دو کہ: ”اگر میرے رب کی باتیں لکھنے کے لیے سمندر

روشنائی بن جائے، تو میرے رَبّ کی باتیں ختم نہیں ہوں گی کہ اُس سے پہلے سمندر ختم ہو چکا ہوگا، چاہے اُس سمندر کی کمی پوری کرنے کے لیے ہم ویسا ہی ایک اور سمندر کیوں نہ لے آئیں“۔

پس اگر سمندر سیاہی ہو جائیں جس کے ذریعے لکھا جاتا ہے۔ تو وہ سمندر سیاہی کے ختم ہو جائیں گے، اور قلمیں ٹوٹ جائیں گی اور اللہ تعالیٰ کے کلمات ختم نہیں ہوں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے علم کو فنا نہیں ہے۔ اس لیے کہ جس کا کلام فنا ہو گیا اس کو آفات لاحق ہوں گی اور اس پر سکوت طاری ہو جائے گا۔ پھر جب یہ بات اللہ تعالیٰ پر صادق نہیں آتی تو یہ بات صحیح ثابت ہو گئی کہ وہ ازل سے متکلم ہے اور ابد تک رہے گا۔ اور اس کے کلام کو فنا نہیں ہے جیسا کہ اس کے چہرے (ذات) کو فنا نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اس قول:

آیت 12 إِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۔ (التکویر: ۱۹)

ترجمہ یہ (قرآن) یقینی طور پر ایک معزز فرشتے کا لایا ہوا کلام ہے۔

اس کا معنی ہے: یہ ایسا قول ہے جو معزز فرشتہ سے حاصل کیا گیا، یا اس کو معزز فرشتہ سے سنا گیا ہے، یا اس کو معزز فرشتہ کے ذریعے نازل کیا گیا ہے۔

پس اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

آیت 13 وَإِنْ أَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ أَبْلِغْهُ مَأْمَنَهٗ ۔ ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۔ (التوبہ: ۶)

ترجمہ اور اگر مشرکین میں سے کوئی تم سے پناہ مانگے تو اُسے اُس وقت تک پناہ دو جب تک وہ اللہ تعالیٰ کا کلام سن لے۔ پھر اُسے اُس امن کی جگہ پہنچا دو۔ یہ اس لیے کہ یہ ایسے لوگ ہیں جنہیں علم نہیں ہے۔

پس اس سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ ایسا ہرگز ممکن نہیں کہ ایک ہی شی ہو اور وہ جناب رسول اللہ ﷺ کا کلام بھی ہو اور وہ اللہ تعالیٰ کا بھی کلام ہو۔ یہ چیز اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ پہلی بات ہی صحیح ہے جس کو ہم نے کہا ہے۔

آیت 14 إِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۔ (الزخرف: ۳)

ترجمہ ہم نے اسے عربی زبان کا قرآن بنایا ہے، تا کہ تم سمجھو۔

اس کا معنی ہے: ہم نے اس کا نام قرآن عربی رکھا ہے اور اس کو ہم نے فرشتہ کے ذریعہ اتارا ہے، اس کے ذریعہ ہم نے اس کو سنایا ہے یہاں تک کہ وہ عربی زبان میں نازل کیا گیا ہے تا کہ اہلِ عرب اس کے معنی کو سمجھیں۔ اور وہ وہی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

آیت 15 وَيَجْعَلُونَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُونَ۔ (النحل: ۶۲)

ترجمہ اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے وہ چیزیں گھڑ رکھی ہیں جنہیں خود ناپسند کرتے ہیں۔

یعنی اللہ تعالیٰ کے لیے وہ چیزیں بیان کرتے ہیں جنہیں وہ خود بھی ناپسند کرتے ہیں۔

اور اس سے ان کی مراد مخلوق نہیں ہوتی۔

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

آیت 16 مَا يَأْتِيهِمْ مِنْ ذِكْرٍ مِنْ رَبِّهِمْ مُحْدَثٍ إِلَّا اسْتَمَعُوهُ وَهُمْ يَلْعَبُونَ۔ (الانبیاء: ۲)

ترجمہ جب کبھی ان کے پروردگار کی طرف سے نصیحت کی کوئی نئی بات ان کے پاس آتی ہے تو وہ اسے مذاق بنا بنا کر سنتے ہیں۔

اس کا احتمال یہ بھی ہے کہ اس کا معنی قرآن کے علاوہ کوئی اور نصیحت کی بات ہو اور وہ جناب رسول اللہ ﷺ کا کلام ہو اور وہ ان کافروں کو وعظ کی صورت میں سنایا گیا ہو۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

آیت 17 وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَىٰ تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِينَ۔ (الذاریات: ۵۵)

ترجمہ اور نصیحت کرتے رہو، کیونکہ نصیحت ایمان والوں کو فائدہ دیتی ہے۔

اور اس لیے بھی کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا: نہیں آتی ان کے پاس کوئی نصیحت مگر وہ نئی ہی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو یوں ہی فرمایا ہے:

آیت 18 مَا يَأْتِيهِمْ مِنْ ذِكْرٍ مِنْ رَبِّهِمْ مُحْدَثٍ إِلَّا اسْتَمَعُوهُ وَهُمْ يَلْعَبُونَ۔ (الانبیاء: ۲)

ترجمہ جب کبھی ان کے پروردگار کی طرف سے نصیحت کی کوئی نئی بات ان کے پاس آتی ہے

تو وہ اسے مذاق بنا بنا کر سنتے ہیں۔

پس یہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ''ذکر'' مخلوق نہیں ہے۔ پھر ان کے لیے یہاں قرآن کے ذکر سے مراد اس کی تلاوت اور اس کا علم ہے۔ اور یہ سب محدث ہیں۔ اور مذکور، متلوّ، معلوم محدث نہیں ہیں، جیسا کہ عبد کا ذکر اللہ تعالیٰ کے لیے، اس کا علم اور اس کی عبادت اللہ تعالیٰ کے لیے مخلوق ہے۔ اور مذکور، معلوم، معبود مخلوق نہیں ہے۔

اور جس وقت اسی بات کی دلیل حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے سامنے پیش کی گئی۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا: اس بات کا احتمال ہے کہ اس کی تنزیل ہماری طرف محدث (مخلوق) ہو، نہ کہ ذکر (قرآن) محدث ہو۔

حضرت شیخ علامہ بیہقیؒ فرماتے ہیں: یہ وہ جواب ہے جس کا جواب حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے دیا ہے وہ آیت کے ظاہر سے بالکل واضح ہے۔ اس کا آنا اس فرشتے کی زبان سے نازل ہونا ہے جو اس کو لے کر آیا ہے۔ اور تنزیل تو مُحدَث (مخلوق) ہے۔

حضرت احمد بن حنبلؒ نے جو جواب دیا ہے وہ جواب اوّل ہے۔

رہا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کلمۃ اللہ سے موسوم کرنا، تو وہ اس معنی میں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے کلمہ سے بغیر باپ کے پیدا ہو گئے تھے جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام بھی بغیر باپ اور ماں کے اللہ تعالیٰ کے کلمہ سے پیدا ہو گئے تھے۔ اس چیز کو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان کر دیا ہے:

آیت 19 إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ آدَمَ۔ خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ۔ (آل عمران: ۵۹)

ترجمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مثال حضرت آدم علیہ السلام جیسی ہے: اللہ تعالیٰ نے انہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر اُن سے کہا: ''ہو جاؤ''۔ بس وہ ہو گئے۔

☆ ہم نے حدیثِ صحیح میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ وہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اور اللہ تعالیٰ نے ذکر میں ہر چیز کو لکھ دیا ہے''۔

اور قرآن بھی ان چیزوں میں سے ہے جن کو ذکر میں لکھا گیا ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ

ہے:

آیت 20 بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَّجِيدٌ۔ فِي لَوْحٍ مَّحْفُوظٍ۔ (البروج:۲۱،۲۲)

ترجمہ بلکہ یہ بڑی عظمت والا قرآن ہے جو لوحِ محفوظ میں درج ہے۔

اس میں اس بات پر دلالت ہے کہ قرآن مجید قدیم ہے اور اس کا وجود اس کی حاجت اور ضرورت سے پہلے کا ہے۔اسی بات پر یہ صحیح حدیث بھی دلالت کرتی ہے:

حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیان رب تعالیٰ کی بارگاہ میں مناظرہ ہوا۔تو حضرت آدم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ گئے۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ''آپ ہی وہ ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا۔اور آپ کے اندر اللہ تعالیٰ نے اپنی روح پھونکی۔اور فرشتوں سے تجھے سجدہ کروایا۔ جنت میں تجھے ٹھکانا عطا فرمایا۔پھر تو نے اپنی غلطی کی وجہ سے لوگوں کو زمین پر اتار دیا''۔حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا: ''تو ہی وہ موسیٰ (علیہ السلام) ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے رسالت اور اپنے کلام سے مشرف فرمانے کے لیے منتخب فرمایا۔اور تجھے تورات تختیوں پر لکھی ہوئی عطا فرمائی،جس میں ہر چیز کا بیان تھا۔اللہ تعالیٰ نے تجھ سے سرگوشی کرنے کے لیے اپنے قریب کیا۔پس میرے پیدا ہونے سے کتنے سال پہلے تورات وجود میں آئی؟''۔تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ''چالیس سال پہلے''۔تو حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا: ''کیا تو نے اس میں یہ آیت نہیں پائی؟:

آیت 21 وَعَصَىٰ آدَمُ رَبَّهُ فَغَوَىٰ۔ (طہٰ:۱۲۱)

ترجمہ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے ربّ کا کہا ٹالا،اور بھٹک گئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ''ہاں''۔تو حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا: ''کیا آپ مجھے ایسی بات پر ملامت کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے میرے پیدا کرنے سے چالیس سال پہلے ہی اپنے علم سے لکھ دی تھی؟''۔جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تو اس طرح حضرت آدم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ گئے''۔

حضرت شیخ علامہ بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ وہ تاریخ ہے جو حضرت آدم علیہ السلام کی فرشتوں

پر شان وعظمت کے ظہور کو بیان کرتی ہے۔اس کے ساتھ آیت کے مضمون کو ملانے سے اس بات پر دلالت ہوتی ہے کہ کلام اللہ کا وجود حضرت آدم علیہ السلام سے خطا کے ظہور سے بھی پہلے کا ہے۔اللہ تعالیٰ کا کلام ہمیشہ سے موجود رہا ہے اور ہمیشہ موجود رہے گا۔اللہ تعالیٰ اپنے کلام کو فرشتوں، رسولوں اور اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے اور جب چاہے سنا دیتا ہے۔اللہ تعالیٰ کا کلام بلا کیف ہی مسموع ہوتا (سنا جاتا) ہے۔اس کا سنا جانے والا وہی کلام ہے جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا،وہ اس کی ذات کے ساتھ متصف ہے۔اس کا کلام مخلوق کے کلام کے مشابہ نہیں ہے۔ جیسا کہ اس کی ساری صفات مخلوقات کی صفات کے مشابہ نہیں ہیں۔

3 بَابُ الْقَوْلِ فِي الِاسْتِوَاءِ

قَالَ اللهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَىٰ: ''اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَىٰ'' (طه:٥)، وَالْعَرْشُ هُوَ السَّرِيرُ الْمَشْهُورُ فِيمَا بَيْنَ الْعُقَلَاءِ، قَالَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ: ''وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ'' (هود:٧)، وَقَالَ: ''وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ'' (التوبة:١٢٩)، وَقَالَ: ''ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيدُ'' (البروج:١٥)، وَقَالَ: ''وَتَرَى الْمَلَائِكَةَ حَافِّينَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ'' (الزمر:٧٥)، وَقَالَ: ''اَلَّذِينَ يَحْمِلُونَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهُ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ'' (غافر:٧) الْآيَةَ، وَقَالَ: ''وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمَانِيَةٌ'' (الحاقة:١٧)، وَقَالَ: ''إِنَّ رَبَّكُمُ اللهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ'' (الأعراف:٥٤)، وَقَالَ: ''اَللهُ الَّذِي رَفَعَ السَّمَاوَاتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ'' (الرعد:٢)، وَقَالَ: ''ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ'' (الأعراف:٥٤)، وَقَالَ: ''وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ'' (الأنعام:١٨)، وَقَالَ: ''يَخَافُونَ رَبَّهُمْ مِنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ'' (النحل:٥٠)، وَقَالَ: ''إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ'' (فاطر:١٠)، إِلَىٰ

سَائِرِ مَا وَرَدَ فِي هٰذَا الْمَعْنٰى، وَقَالَ: "أَأَمِنْتُمْ مَنْ فِي السَّمَآءِ". (الملك:١٦)، وَأَرَادَ مَنْ فَوْقَ السَّمَآءِ، كَمَا قَالَ: "وَلَأُصَلِّبَنَّكُمْ فِي جُذُوْعِ النَّخْلِ" (طه:٧١)، يَعْنِيْ عَلٰى جُذُوْعِ النَّخْلِ، وَقَالَ: "فَسِيْحُوْا فِي الْأَرْضِ" (التوبة:٢)، يَعْنِي عَلَى الْأَرْضِ، وَكُلُّ مَا عَلَا فَهُوَ سَمَآءٌ، وَالْعَرْشُ أَعْلَى السَّمَاوَاتِ، فَمَعْنَى الْآيَةِ: وَاللهُ أَعْلَمُ: أَأَمِنْتُمْ مَنْ عَلَى الْعَرْشِ، كَمَا صَرَّحَ بِهٖ فِي سَائِرِ الْآيَاتِ.

وَأَخْبَرَنَا أَبُو عَبْدِ اللهِ الْحَافِظُ، أنا أَبُوبَكْرِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ حَمْدَانَ، ثنا مُحَمَّدُ بْنُ غَالِبٍ، ثنا سَعْدُ بْنُ عَبْدِ الْحَمِيدِ بْنِ جَعْفَرٍ، ثنا فُلَيْحُ بْنُ سُلَيْمَانَ، عَنْ هِلَالِ بْنِ عَلِيٍّ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَدِيثٍ ذَكَرَهُ: فَإِنَّ فِي الْجَنَّةِ مِائَةَ دَرَجَةٍ أَعَدَّهَا اللهُ لِلْمُجَاهِدِينَ فِي سَبِيلِهِ مَا بَيْنَ كُلِّ دَرَجَتَيْنِ كَمَا بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْأَرْضِ، فَإِذَا سَأَلْتُمُ اللهَ فَاسْأَلُوْهُ الْفِرْدَوْسَ، فَإِنَّهُ وَسَطُ الْجَنَّةِ وَأَعْلَى الْجَنَّةِ، وَفَوْقَهُ عَرْشُ الرَّحْمٰنِ وَمِنْهُ تَتَفَجَّرُ أَنْهَارُ الْجَنَّةِ.

أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْحَافِظُ، ثنا أَبُو الْعَبَّاسِ مُحَمَّدُ بْنُ يَعْقُوبَ، ثنا مُحَمَّدُ بْنُ خَالِدِ بْنِ خَلِيٍّ، ثنا بِشْرُ بْنُ شُعَيْبِ بْنِ أَبِي حَمْزَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَمَّا قَضَى اللهُ الْخَلْقَ كَتَبَ فِي كِتَابٍ فَهُوَ عِنْدَهُ فَوْقَ الْعَرْشِ: إِنَّ رَحْمَتِي غَلَبَتْ غَضَبِي".

قَالَ الْأُسْتَاذُ الْإِمَامُ رَحِمَهُ اللهُ: وَالْأَخْبَارُ فِي مِثْلِ هٰذَا كَثِيرَةٌ، وَفِيمَا كَتَبْنَا مِنَ الْآيَاتِ دَلَالَةٌ عَلَى إِبْطَالِ قَوْلِ مَنْ زَعَمَ مِنَ الْجَهْمِيَّةِ أَنَّ اللهَ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى بِذَاتِهِ فِي كُلِّ مَكَانٍ، وَقَوْلُهُ عَزَّ وَجَلَّ: "وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ" (الحديد:٤)، إِنَّمَا أَرَادَ بِهِ بِعِلْمِهِ لَا بِذَاتِهِ.

ثُمَّ الْمَذْهَبُ الصَّحِيحُ فِي جَمِيعِ ذٰلِكَ الْاِقْتِصَارُ عَلَى مَا وَرَدَ بِهِ التَّوْقِيفُ دُوْنَ التَّكْيِيفِ. وَإِلٰى هٰذَا ذَهَبَ الْمُتَقَدِّمُوْنَ مِنْ

أَصْحَابِنَا وَمَنْ تَبِعَهُمْ مِنَ الْمُتَأَخِّرِينَ، وَقَالُوا: الْاِسْتِوَاءُ عَلَى الْعَرْشِ قَدْ نَطَقَ بِهِ الْكِتَابُ فِي غَيْرِ آيَةٍ، وَوَرَدَتْ بِهِ الْأَخْبَارُ الصَّحِيحَةُ، فَقَبُوْلُهُ مِنْ جِهَةِ التَّوْقِيفِ وَاجِبٌ، وَالْبَحْثُ عَنْهُ وَطَلَبُ الْكَيْفِيَّةِ لَهُ غَيْرُ جَائِزٍ.

أَخْبَرَنَا أَبُو بَكْرٍ أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَارِثِ الْفَقِيهُ، أنا أَبُو مُحَمَّدِ بْنُ حَيَّانَ، ثنا أَبُو جَعْفَرٍ أَحْمَدُ بْنُ زِيْرَكَ الْيَزْدِيُّ قَالَ: سَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ عَمْرِو بْنِ النَّضْرِ النَّيْسَابُوْرِيَّ، يَقُوْلُ: سَمِعْتُ يَحْيَى بْنَ يَحْيَى، يَقُوْلُ: كُنَّا عِنْدَ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ، فَجَاءَ رَجُلٌ فَقَالَ: يَا أَبَا عَبْدِ اللهِ! "الرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى" (طه:٥)، كَيْفَ اسْتَوٰى؟ قَالَ: فَأَطْرَقَ مَالِكٌ رَأْسَهُ، حَتّٰى عَلَاهُ الرُّحَضَاءُ، ثُمَّ قَالَ: الْاِسْتِوَاءُ غَيْرُ مَجْهُوْلٍ، وَالْكَيْفُ غَيْرُ مَعْقُوْلٍ، وَالْإِيمَانُ بِهِ وَاجِبٌ، وَالسُّؤَالُ عَنْهُ بِدْعَةٌ، وَمَا أَرَاكَ إِلَّا مُبْتَدِعًا، فَأَمَرَ بِهِ أَنْ يُخْرَجَ.

قَالَ الشَّيْخُ: وَعَلٰى مِثْلِ هٰذَا دَرَجَ أَكْثَرُ عُلَمَائِنَا فِي مَسْأَلَةِ الْاِسْتِوَاءِ وَفِي مَسْأَلَةِ الْمَجِيءِ وَالْإِتْيَانِ وَالنُّزُوْلِ. قَالَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ: "وَجَاءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا" (الفجر:٢٢). وَقَالَ: "هَلْ يَنْظُرُوْنَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَهُمُ اللهُ فِي ظُلَلٍ مِنَ الْغَمَامِ" (البقرة:٢١٠).

أَخْبَرَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ بِشْرَانَ، ثنا أَحْمَدُ بْنُ سَلْمَانَ، قَالَ: قُرِئَ عَلَى سُلَيْمَانَ بْنِ الْأَشْعَثِ، وَأَخْبَرَنَا أَبُو عَلِيٍّ الرُّوذْبَارِيُّ، أنا أَبُو بَكْرِ بْنُ دَاسَةَ، ثنا أَبُو دَاوُدَ، ثنا الْقَعْنَبِيُّ، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، وَعَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ الْأَغَرِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "يَنْزِلُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ كُلَّ لَيْلَةٍ إِلَى سَمَآءِ الدُّنْيَا حِيْنَ يَبْقٰى ثُلُثُ اللَّيْلِ الْآخِرِ فَيَقُوْلُ: مَنْ يَدْعُوْنِيْ فَأَسْتَجِيْبَ لَهُ، مَنْ يَسْأَلُنِيْ فَأُعْطِيَهُ، مَنْ يَسْتَغْفِرُنِيْ فَأَغْفِرَ لَهُ".

قَالَ رَحِمَهُ اللهُ: وَهٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ رَوَاهُ جَمَاعَةٌ مِنَ الصَّحَابَةِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَصْحَابُ الْحَدِيثِ فِيمَا وَرَدَ بِهِ الْكِتَابُ وَالسُّنَّةُ مِنْ أَمْثَالِ هٰذَا، وَلَمْ يَتَكَلَّمْ أَحَدٌ مِنَ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِينَ فِي تَأْوِيلِهِ، ثُمَّ إِنَّهُمْ عَلٰى قِسْمَيْنِ: مِنْهُمْ مَنْ قَبِلَهُ وَآمَنَ بِهِ وَلَمْ يُؤَوِّلْهُ وَوَكَلَ عِلْمَهُ إِلَى اللهِ وَنَفَى الْكَيْفِيَّةَ وَالتَّشْبِيهَ عَنْهُ۔ وَمِنْهُمْ مَنْ قَبِلَهُ وَآمَنَ بِهِ وَحَمَلَهُ عَلٰى وَجْهٍ يَّصِحُّ اسْتِعْمَالُهُ فِي اللُّغَةِ وَلَا يُنَاقِضُ التَّوْحِيدَ۔ وَقَدْ ذَكَرْنَا هَاتَيْنِ الطَّرِيقَتَيْنِ فِي كِتَابِ الْأَسْمَاءِ وَالصِّفَاتِ فِي الْمَسَائِلِ الَّتِي تَكَلَّمُوا فِيهَا مِنْ هٰذَا الْبَابِ۔

وَفِي الْجُمْلَةِ يَجِبُ أَنْ يُعْلَمَ أَنَّ اسْتِوَاءَ اللهِ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى لَيْسَ بِاسْتِوَاءِ اعْتِدَالٍ عَنِ اعْوِجَاجٍ، وَلَا اسْتِقْرَارٍ فِي مَكَانٍ، وَلَا مُمَاسَّةٍ لِشَيْءٍ مِنْ خَلْقِهِ، لَكِنَّهُ مُسْتَوٍ عَلٰى عَرْشِهِ كَمَا أَخْبَرَ، بِلَا كَيْفٍ بِلَا أَيْنَ، بَائِنٌ مِنْ جَمِيعِ خَلْقِهِ، وَأَنَّ إِتْيَانَهُ لَيْسَ بِإِتْيَانٍ مِنْ مَكَانٍ إِلٰى مَكَانٍ، وَأَنَّ مَجِيئَهُ لَيْسَ بِحَرَكَةٍ۔ وَأَنَّ نُزُولَهُ لَيْسَ بِنَقْلَةٍ۔ وَأَنَّ نَفْسَهُ لَيْسَ بِجِسْمٍ، وَأَنَّ وَجْهَهُ لَيْسَ بِصُورَةٍ، وَأَنَّ يَدَهُ لَيْسَتْ بِجَارِحَةٍ، وَأَنَّ عَيْنَهُ لَيْسَتْ بِحَدَقَةٍ۔ وَإِنَّمَا هٰذِهِ أَوْصَافٌ جَاءَ بِهَا التَّوْقِيفُ، فَقُلْنَا بِهَا وَنَفَيْنَا عَنْهَا التَّكْيِيفَ۔ فَقَدْ قَالَ: "لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ" (الشورى:۱۱)۔ وَقَالَ: "وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ" (الإخلاص:۴)۔ وَقَالَ: "هَلْ تَعْلَمُ لَهُ سَمِيًّا" (مريم:۶۵)۔

أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْحَافِظُ، أنا أَبُو بَكْرٍ مُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ بَالَوَيْهِ، ثنا مُحَمَّدُ بْنُ بِشْرِ بْنِ مَطَرٍ، ثنا الْهَيْثَمُ بْنُ خَارِجَةَ، حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ، قَالَ: سُئِلَ الْأَوْزَاعِيُّ وَمَالِكٌ وَسُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ وَاللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ هٰذِهِ الْأَحَادِيثِ فَقَالُوا: أَمِرُّوهَا كَمَا جَاءَتْ بِلَا كَيْفِيَّةٍ۔

أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْحَافِظُ، أَخْبَرَنِي مُحَمَّدُ بْنُ يَزِيدَ، سَمِعْتُ أَبَا يَحْيَى الْبَزَّارَ، يَقُولُ: سَمِعْتُ الْعَبَّاسَ بْنَ حَمْزَةَ، يَقُولُ: سَمِعْتُ أَحْمَدَ

بْنَ أَبِي الْحَوَارِي، يَقُولُ: سَمِعْتُ سُفْيَانَ بْنَ عُيَيْنَةَ، يَقُولُ: كُلُّ مَا وَصَفَ اللهُ مِنْ نَفْسِهِ فِي كِتَابِهِ فَتَفْسِيرُهُ تِلَاوَتُهُ، وَالسُّكُوتُ عَلَيْهِ۔

قَالَ الشَّيْخُ: وَإِنَّمَا أَرَادَ بِهِ، وَاللهُ أَعْلَمُ، فِيمَا تَفْسِيرُهُ يُؤَدِّي إِلٰى تَكْيِيفٍ، وَتَكْيِيفُهُ يَقْتَضِي تَشْبِيهًا لَهُ بِخَلْقِهِ فِي أَوْصَافِ الْحَدَثِ۔

(الاعتقاد والهداية إلى سبيل الرشاد على مذهب السلف وأصحاب الحديث ص ۱۱۲ تا ۱۱۸۔ المؤلف: أحمد بن الحسين بن علی بن موسى الخُسْرَوْجِردی الخراسانی، أبو بكر البيهقی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۴۵۸ھ)۔ المحقق: أحمد عصام الكاتب۔ الناشر: دار الآفاق الجديدة، بيروت۔ الطبعة: الأولى، ۱۴۰۱ھ)

ترجمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

آیت ۱ أَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰی۔ (سورت طٰہٰ:۵)

ترجمہ وہ بڑی رحمت والا عرش پر استواء فرمائے ہوئے ہے۔

عرش کے لغوی معنی تو سریر، تخت کے ہیں۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:

آیت ۲ وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَآءِ۔ (ھود:۷)

ترجمہ اور اس کا عرش پانی پر تھا۔

آیت ۳ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ۔ (التوبة:۱۲۹)

ترجمہ اور وہ عرشِ عظیم کا مالک ہے۔

آیت ۴ ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيدُ۔ (البروج:۱۵)

ترجمہ عرش کا مالک ہے، بزرگی والا ہے۔

آیت ۵ وَتَرَى الْمَلَآئِكَةَ حَآفِّينَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ۔ (الزمر:۷۵)

ترجمہ اور تم فرشتوں کو دیکھو گے کہ عرش کے گرد حلقہ بنائے ہوئے ہیں۔

آیت ۶ أَلَّذِينَ يَحْمِلُونَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهُ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ۔ (غافر:۷)

ترجمہ وہ (فرشتے) جو عرش کو اُٹھائے ہوئے ہیں، اور جو اس کے گرد موجود ہیں، وہ سب اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ اُس کی تسبیح کرتے رہتے ہیں۔

آیت ۷ إِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ. (الاعراف: ۵۴)

ترجمہ یقیناً تمہارا پروردگار وہ اللہ ہے جس نے سارے آسمان اور زمین چھ دن میں بنائے۔ پھر اس نے عرش پر استواء فرمایا۔

آیت ۸ اَللّٰهُ الَّذِي رَفَعَ السَّمَاوَاتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ. كُلٌّ يَجْرِي لِأَجَلٍ مُّسَمًّى. يُدَبِّرُ الْأَمْرَ يُفَصِّلُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُم بِلِقَاءِ رَبِّكُمْ تُوقِنُونَ. (الرعد: ۲)

ترجمہ اللہ وہ ہے جس نے ایسے ستونوں کے بغیر آسمانوں کو بلند کیا جو تمہیں نظر آسکیں۔ پھر اس نے عرش پر اِستواء فرمایا۔ اور سورج اور چاند کو کام پر لگادیا۔ ہر چیز ایک معین میعاد تک کے لیے رواں دواں ہے۔ وہی تمام کاموں کی تدبیر کرتا ہے۔ وہی ان نشانیوں کو کھول کھول کر بیان کرتا ہے، تاکہ اس بات کا یقین کرلو کہ (ایک دن) تمہیں اپنے پروردگار سے جاملنا ہے۔

آیت ۹ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ. (الأعراف: ۵۴)

ترجمہ پھر اس نے عرش پر استواء فرمایا۔

آیت ۱۰ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ. (الانعام: ۱۸، ۶۱)

ترجمہ وہی اپنے بندوں پر مکمل اقتدار رکھتا ہے۔

آیت ۱۱ يَخَافُونَ رَبَّهُم مِّن فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ. (النحل: ۵۰)

ترجمہ وہ اپنے اُس پروردگار سے ڈرتے ہیں جو اُن کے اوپر ہے، اور وہی کام کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے۔

آیت ۱۲ إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ. (فاطر: ۱۰)

ترجمہ پاکیزہ کلمہ اُسی کی طرف چڑھتا ہے، اور نیک عمل اُس کو اُوپر اٹھاتا ہے۔

اور دوسری آیات جو اس معنی میں وارد ہیں۔

آیت ۱۳ أَأَمِنتُم مَّن فِي السَّمَاءِ أَن يَخْسِفَ بِكُمُ الْأَرْضَ فَإِذَا هِيَ تَمُورُ.
(الملک: ۱۶)

ترجمہ کیا تم آسمان والے کی اس بات سے بے خوف ہو بیٹھے ہو کہ وہ تمہیں زمین میں دھنسا دے، تو وہ ایک دم تھرتھرانے لگے؟

اس سے مراد جو آسمان کے اوپر ہے۔

آیت ۱۴ فَلَأُقَطِّعَنَّ أَيْدِيَكُمْ وَأَرْجُلَكُم مِّنْ خِلَافٍ وَلَأُصَلِّبَنَّكُمْ فِي جُذُوعِ النَّخْلِ. (طٰہٰ: ۷۱)

ترجمہ اب میں نے بھی پکا ارادہ کرلیا ہے کہ تمہارے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹوں گا، اور تمہیں کھجور کے تنوں پر سولی چڑھاؤں گا۔

آیت ۱۵ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ.
(النحل: ۳۶)

ترجمہ تو ذرا زمین میں چل پھر کر دیکھو کہ (پیغمبروں کو) جھٹلانے والوں کا انجام کیسا ہوا؟ یعنی زمین پر۔

جو بھی چیز بلندی پر ہو، اسے آسمان کہتے ہیں۔ عرش آسمانوں سے بھی بہت بلند ہے۔

لہٰذا آیت کا معنی یہ ہوگا (واللہ اعلم!): کیا تم اس سے امن میں ہو جو عرش پر ہے۔ جیسا کہ ساری آیات میں اس کی تصریح ہے۔

حدیث ۱ حضرت ابوہریرہ ؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ایک حدیث میں ذکر فرمایا: ”جنت میں سو درجات مجاہدین فی سبیل اللہ کے لیے تیار کیے ہیں۔ ہر دو درجات کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا آسمان اور زمین کے درمیان ہے۔ لہٰذا جب بھی تم اللہ تعالیٰ سے سوال کرو تو جنت الفردوس مانگا کرو؛ اس لیے کہ وہ جنت کا عمدہ اور اعلیٰ حصہ ہے اور اس سے اوپر رحمٰن کا عرش ہے اور اسی سے جنت کی نہریں پھوٹتی ہیں۔

حدیث ۲ حضرت ابوہریرہ ؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا تو ایک کتاب میں لکھ دیا تو وہ کتاب عرش کے اوپر اس کے پاس ہے: بے شک میری رحمت میرے غضب پر غالب آگئی“۔

حضرت استاذ الامامؒ فرماتے ہیں: اس بارے میں بہت سی احادیث وآثار موجود ہیں

اور جو آیات ہم نے اوپر ذکر کی ہیں وہ جہمیہ کے اس عقیدہ کے باطل کرنے کے لیے کافی ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے ساتھ ہر مکان اور جگہ میں موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان:

آیت ۱۶ وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ۔ (الحدید: ۴)

ترجمہ وہ اللہ تمہارے ہی ساتھ ہے جہاں کہیں بھی تم ہو۔

میں اللہ تعالیٰ کا علم مراد ہے، نہ کہ اس کی ذات۔

☆ پھر اس بارے میں صحیح مذہب یہ ہے کہ اس بارے میں توقیف کا طریقہ اختیار کیا جائے، نہ کہ تکییف کا یعنی کیفیت کے بیان کرنے کا۔ اسی مذہب کی طرف ہمارے اصحاب میں سے متقدمین اور ان کی پیروی کرنے والے متاخرین گئے ہیں۔ ان کا فرمان یہ ہے: استواء علی العرش کے بارے میں کتاب اللہ کی بہت سی آیات اور بہت سے احادیثِ صحیحہ وارد ہوئی ہیں۔ جن کو توقیف کے لحاظ سے ماننا واجب ہے، اور اس بارے میں بحث وتمحیص کرنا اور اس کی کیفیت کے درپے ہونا جائز نہیں ہے۔

حضرت امام بیہقیؒ نے اپنی سند سے بیان کیا ہے کہ حضرت یحییٰ بن یحییٰؒ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت امام مالکؒ کے پاس تھے کہ ایک شخص آیا تو اس نے کہا: اے ابوعبداللہ! قرآن مجید میں ہے: اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى۔ (طٰہٰ:۵) (وہ بڑی رحمت والا عرش پر استواء فرمائے ہوئے ہے)۔ حق تعالیٰ عرش پر کیسے مستوی ہے؟ اور اس کا استواء کیسا ہے؟ تو حضرت امام مالکؒ نے (حق تعالیٰ کی عظمت اور ہیبت کی بنا پر) سر نیچے جھکا لیا اور خوف سے پسینہ پسینہ ہوگئے۔ پھر فرمایا: ''استواء مجہول نہیں ہے اور کیفیت غیر معقول (سمجھ میں نہ آنے والی) ہے اور اس پر ایمان لانا واجب ہے اور اس بارے میں سوال کرنا بدعت ہے۔ اے سائل تو بلا شبہ ایک برا آدمی اور بدعتی شخص ہے''۔ پھر اپنے اصحاب سے فرمایا: ''اس کو یہاں سے نکال دو''۔

حضرت شیخ علامہ بیہقیؒ فرماتے ہیں: اسی قاعدہ سے ہمارے اکثر علمائے کرامؒ نے مسئلہ استواء علی العرش کو بیان کیا ہے۔ اسی طرح مسئلۂ نزولِ باری تعالیٰ اور مسئلۂ آمد باری تعالیٰ کو بیان کیا ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

آیت ۱۷ وَجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا (الفجر: ۲۲)

ترجمہ اور تمہارا پروردگار اور قطاریں باندھے ہوئے فرشتے (میدانِ حشر میں) آئیں گے۔

آیت ۱۸ هَلْ يَنْظُرُوْنَ إِلَّآ أَنْ يَّأْتِيَهُمُ اللهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلَآئِكَةُ وَقُضِيَ الْأَمْرُ ۔ وَإِلَى اللهِ تُرْجَعُ الْأُمُوْرُ۔ (البقرہ: ۲۱۰)

ترجمہ یہ (کفار ایمان لانے کے لیے) اس کے سوا کس بات کا انتظار کر رہے ہیں کہ اللہ خود بادل کے سائبانوں میں ان کے سامنے آموجود ہو، اور فرشتے بھی (اس کے ساتھ ہوں) اور سارا معاملہ ابھی چکا دیا جائے؟ حالانکہ آخر کار سارے معاملات اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹ کر رہیں گے۔

حدیث ۳ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "يَنْزِلُ رَبُّنَا تَبَارَكَ وَتَعَالَى كُلَّ لَيْلَةٍ إِلَى السَّمَآءِ الدُّنْيَا حِينَ يَبْقَى ثُلُثُ اللَّيْلِ الْآخِرُ يَقُولُ: مَنْ يَدْعُونِي فَأَسْتَجِيبَ لَهُ مَنْ يَسْأَلُنِي فَأُعْطِيَهُ، مَنْ يَسْتَغْفِرُنِي فَأَغْفِرَ لَهُ"۔

(بخاری رقم ۱۱۴۵، ۷۴۹۴؛ مسلم رقم ۷۵۸ (۱۶۸) کتاب صلوۃ المسافرین، بَاب: (۲۴) التَّرْغِيبِ فِي الدُّعَاءِ وَالذِّكْرِ فِي آخِرِ اللَّيْلِ، وَالْإِجَابَةِ فِيهِ)

ترجمہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہمارا رب ہر رات کو آسمانِ دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے جب رات کا آخری ثلث (1/3) باقی رہ جاتا ہے، تو وہ کہتا ہے: کون ہے جو مجھے پکارے؟ تو میں اس کی پکار کو قبول کروں۔ کون ہے جو سوال کرے؟ تو میں اسے عطا کروں۔ اور کون ہے جو مجھ سے بخشش طلب کرے؟ میں اسے بخش دوں۔

حضرت امام بیہقیؒ فرماتے ہیں: ان آیات واحادیث کو جو صفات متشابہات کے بارے میں وارد ہوئی ہیں اور ان کے بارے میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظامؒ نے ان کی تفسیر بیان نہیں کی ہے، محدثین کرامؒ کے ہاں دوطرح سے اس کا بیان ملتا ہے:

١ بعض حضرات ان کو حق اور سچ جان کر ایمان لائے، اور ان کی کسی بھی قسم کی تفسیر بیان نہیں کی ہے اور اس کا علم اللہ تعالیٰ کی ذات کے سپرد کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات سے کیفیت اور تشبیہ کی کامل طور پر نفی کرتے ہیں۔

٢ کچھ حضرات وہ ہیں جو ان آیات واحادیث صفات کو قبول کر کے ان پر ایمان لائے ہیں اور ان کو ایسے معانی پر محمول کرتے ہیں جن کا استعمال لغت عرب کے مطابق درست اور صحیح ہو اور وہ توحید باری کے بھی منافی نہ ہوں۔

ہم نے اپنی کتاب ''الاسماء والصفات'' میں ان دونوں طریقوں کے مطابق ان آیات واحادیث صفات کے معانی بیان کیے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہ جاننا واجب ہے کہ عرش پر اللہ تعالیٰ کا استواء اعتدال کے ساتھ بیٹھنے کا نہیں ہے، نہ کسی مکان یا جگہ میں قرار پکڑنے کا ہے، نہ اپنی مخلوق میں سے کسی بھی چیز سے مماست (چھونے) کا ہے۔ لیکن یہ استواء عرش پر ایسا ہے جیسا کہ اس نے خبر دی ہے، بغیر کیف (کیفیت) کے، بغیر أَیْنَ (جگہ) کے، تمام مخلوق سے جدا۔ اللہ تعالیٰ کا آنا ایسا نہیں ہے جیسا کہ ایک مکان سے دوسرے مکان میں آنا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا آنا حرکت کے ساتھ نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا نزول حرکت وانتقال والا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات جسم نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا چہرہ شکل وصورت والا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ اعضائے جارحہ نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی آنکھ حلقہ اور عدسہ والی نہیں ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں جن میں تفویض وتوقیف کا عقیدہ رکھنا ہے۔ ہم نے ان آیات واحادیث کو پڑھا اور اللہ تعالیٰ سے کَیْفَ (کیفیت) کی نفی کا عقیدہ رکھا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

آیت ١٩ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ (الشوریٰ:١١)

ترجمہ کوئی چیز اُس کے مثل نہیں ہے، اور وہی ہے جو ہر بات سنتا، سب کچھ دیکھتا ہے۔

آیت ٢٠ قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ ۚ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۚ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ۚ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا أَحَدٌ ۚ (سورت اخلاص:١ تا ٤)

ترجمہ کہہ دو: ''بات یہ ہے کہ اللہ ہر لحاظ سے ایک ہے۔ اللہ ہی ایسا ہے کہ سب اُس کے محتاج ہیں، وہ کسی کا محتاج نہیں۔ نہ اس کی کوئی اولاد ہے، اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے۔ اور اس کے جوڑ کا کوئی بھی نہیں''۔

٢١ هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا (مریم:٦٥)

ترجمہ کیا تمہارے علم میں کوئی اور ہے جو اُس جیسی صفات رکھتا ہو؟

حضرات امام اوزاعیؒ، امام مالکؒ، سفیان ثوریؒ اور لیث بن سعدؒ سے ان احادیث جن میں بظاہر تشبیہ معلوم ہوتی ہے، کے بارے میں پوچھا گیا۔ تو انہوں نے فرمایا: ان کو ایسے ہی بلا کیفیت جیسے وہ وارد ہوئی ہیں، بیان کرو۔

یعنی حضرت سفیان بن عیینہؒ تابعی نے جو فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جن صفات سے خود کو متصف کیا ہے۔ ان کی ''تفسیر'' ان کو پڑھنا ہی ہے۔ ان کے متعلق کچھ کہنے سے سکوت ہی اس کی تفسیر ہے۔

حضرت شیخ علامہ بیہقیؒ فرماتے ہیں: اس سے مراد وہ صفات ہیں جن کی تفسیر بیان کرنے سے ان کی کیفیت بیان ہوتی ہو۔ کیفیت بیان کرنے سے ان کی مخلوق کے ساتھ تشبیہ لازم آتی ہے، جن سے حدوث ثابت ہوتا ہے۔

تشریح امام بیہقیؒ کہتے ہیں یہ محتمل نقص وکمال اور موہم تشبیہ صفات کا حکم ہے۔۔۔۔۔ اور جن صفات کی تفسیر سے تشبیہ لازم نہیں آتی، ان کی تفسیر درست اور جائز ہے۔ تلاوت پر اکتفاء ضروری نہیں ہے۔ امام بیہقیؒ نے یہ بھی بتا دیا کہ مخلوق کے ساتھ ایسی تشبیہ جس سے اللہ تعالیٰ کے لیے حدوث ثابت ہوتا ہے، یہ ممنوع ہے اور اس سے اجتناب لازم ہے۔

4 کتاب الاسماء والصفات میں استواء علی العرش کی تحقیق

1 آیاتِ استواء علی العرش

آیت 1 إِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِيْ سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ۔ يُغْشِي اللَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهُ حَثِيْثاً وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرَاتٍ بِأَمْرِهِ۔ أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ۔ تَبَارَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ۔ (الاعراف: ۵۴)

ترجمہ یقیناً تمہارا پروردگار وہ اللہ ہے جس نے سارے آسمان اور زمین چھ دن میں بنائے۔ پھر اس نے عرش پر استواء فرمایا۔ وہ دن کو رات کی چادر اُڑھا دیتا ہے، جو تیز رفتاری سے چلتی ہوئی اُس کو آدبوچتی ہے۔ اور اُس نے سورج، چاند اور ستارے پیدا کیے ہیں جو سب اُس کے حکم کے آگے رام ہیں۔ یاد رکھو کہ پیدا کرنا اور حکم دینا سب اُسی کا کام ہے۔ بڑی برکت والا ہے اللہ جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے!

آیت 2 إِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِيْ سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ۔ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ۔ مَا مِنْ شَفِيْعٍ إِلَّا مِنْ بَعْدِ إِذْنِهِ۔ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ۔ أَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ۔ (یونس: ۳)

ترجمہ حقیقت یہ ہے کہ تمہارا پروردگار اللہ ہے جس نے سارے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا۔ پھر اُس نے عرش پر اس طرح استواء فرمایا کہ وہ ہر چیز کا انتظام کرتا ہے۔ کوئی اس کی اجازت کے بغیر (اُس کے سامنے) کسی کی سفارش کرنے والا نہیں وہی اللہ ہے تمہارا پروردگار! لہٰذا اس کی عبادت کرو۔ کیا تم پھر بھی دھیان نہیں دیتے؟

آیت 3 اَللّٰهُ الَّذِيْ رَفَعَ السَّمَاوَاتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ۔ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِأَجَلٍ مُّسَمًّى۔ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ۔

يُفَصِّلُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَآءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ۔ (الرعد: ۲)

ترجمہ اللہ وہ ہے جس نے ایسے ستونوں کے بغیر آسمانوں کو بلند کیا جو تمہیں نظر آسکیں۔ پھر اس نے عرش پر اِستواء فرمایا۔ اور سورج اور چاند کو کام پر لگا دیا۔ ہر چیز ایک معین میعاد تک کے لیے رواں دواں ہے۔ وہی تمام کاموں کی تدبیر کرتا ہے۔ وہی ان نشانیوں کو کھول کھول کر بیان کرتا ہے، تاکہ اس بات کا یقین کر لو کہ (ایک دن) تمہیں اپنے پروردگار سے جا ملنا ہے۔

آیت 4 اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى۔ (سورت طٰہٰ: ۵)

ترجمہ وہ بڑی رحمت والا عرش پر استواء فرمائے ہوئے ہے۔

آیت 5 اَلَّذِيْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ۔ اَلرَّحْمٰنُ فَاسْئَلْ بِهِ خَبِيْراً۔ (الفرقان: ۵۹)

ترجمہ وہ ذات جس نے چھ دن میں سارے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ پھر اُس نے عرش پر استواء فرمایا۔ وہ رحمٰن ہے، اس لیے اس کی شان کسی جاننے والے سے پوچھو۔

آیت 6 اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ۔ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا شَفِيْعٍ۔ أَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ۔ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ إِلَى الْأَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ إِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ أَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ۔ (سورت الم سجدہ: ۴،۵)

ترجمہ اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو اور اُن کے درمیان ساری چیزوں کو چھ دن میں پیدا کیا۔ پھر اس نے عرش پر استواء فرمایا۔ اُس کے سوا نہ تمہارا کوئی رکھوالا ہے، نہ کوئی سفارشی ہے۔ کیا پھر بھی تم کسی نصیحت پر کان نہیں دھرتے؟ وہ آسمان سے لے کر زمین تک ہر کام کا انتظام خود کرتا ہے۔ پھر وہ کام ایک ایسے دن میں اُس کے پاس اُوپر پہنچ جاتا ہے جس کی مقدار تمہاری گنتی کے حساب سے ایک ہزار سال ہوتی ہے۔

آیت 7 هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِيْ سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ۔ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْأَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا۔ وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ۔ وَاللّٰهُ بِمَا

تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ۔ (الحدید:۴)

ترجمہ: وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا۔ پھر عرش پر اِستواء فرمایا۔ وہ ہر اس چیز کو جانتا ہے جو زمین میں داخل ہوتی ہے، اور جو اس سے نکلتی ہے۔ اور ہر اُس چیز کو جو آسمان سے اترتی ہے اور جو اس میں چڑھتی ہے۔ اور تم جہاں کہیں ہو، وہ تمہارے ساتھ ہے۔ اور جو کام بھی تم کرتے ہو، اللہ اُس کو دیکھتا ہے۔

2 حضرت امام بیہقیؒ فرماتے ہیں:

فَأَمَّا الِاسْتِوَاءُ فَالْمُتَقَدِّمُونَ مِنْ أَصْحَابِنَا رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ كَانُوا لَا يُفَسِّرُونَهُ وَلَا يَتَكَلَّمُونَ فِيهِ كَنَحْوِ مَذْهَبِهِمْ فِي أَمْثَالِ ذٰلِكَ۔

(الأسماء والصفات للبيهقي، ج۲ص ۳۰۳ ،۳۰۴۔المؤلف:أحمد بن الحسين بن علي بن موسى الخُسْرَوْجِردي الخراساني، أبو بكر البيهقي رحمه الله (المتوفى ۴۵۸ھ)۔حققه وخرج أحاديثه وعلق عليه:عبد الله بن محمد الحاشدي۔ قدم له:فضيلة الشيخ مقبل بن هادي الوادعي۔ الناشر:مكتبة السوادي، جدة، المملكة العربية السعودية۔ الطبعة:الثانية، ۱۴۱۳ھ)

ترجمہ: استواء کی تفسیر متقدمین نہیں کرتے تھے اور صفات میں کسی قسم کی بات کو پسند نہیں کرتے تھے، جیسا کہ ان کا دوسری صفات میں یہی مؤقف ہے۔

3 أَخْبَرَنَا أَبُو عَبْدِ اللهِ الْحَافِظُ، قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبُو عَبْدِ اللهِ مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيٍّ الْجَوْهَرِيُّ بِبَغْدَادَ، ثنا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْهَيْثَمِ، ثنا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ الْمِصِّيصِيُّ، قَالَ: سَمِعْتُ الْأَوْزَاعِيَّ، يَقُولُ: كُنَّا وَالتَّابِعُونَ مُتَوَافِرُونَ نَقُولُ: إِنَّ اللهَ تَعَالَى ذِكْرُهُ فَوْقَ عَرْشِهِ، وَنُؤْمِنُ بِمَا وَرَدَتِ السُّنَّةُ بِهِ مِنْ صِفَاتِهِ جَلَّ وَعَلَا۔

(کتاب الاسماء والصفات رقم ۸۶۵ طبع جدہ)

ترجمہ: حضرت امام اوزاعیؒ فرماتے ہیں کہ ہم بے شمار تابعینؒ موجود تھے کہ ہم کہتے تھے: ''اللہ تعالیٰ نے عرش کے اوپر ہونے کا ذکر فرمایا ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ کی ان صفات پر ایمان رکھتے ہیں جن کا ذکر سنت میں آیا ہے''۔

4 أَخْبَرَنَا أَبُو عَبْدِ اللهِ الْحَافِظُ، أَخْبَرَنِي أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْمَاعِيلَ بْنِ مِهْرَانَ، ثنا أَبِي، حَدَّثَنَا أَبُو الرَّبِيعِ ابْنُ أَخِي رِشْدِينَ بْنِ سَعْدٍ قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ وَهْبٍ، يَقُولُ: كُنَّا عِنْدَ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ فَدَخَلَ رَجُلٌ، فَقَالَ: يَا أَبَا عَبْدِ اللهِ! "أَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى" (طه:۵)۔ كَيْفَ اسْتِوَاؤُهُ؟ قَالَ: فَأَطْرَقَ مَالِكٌ وَأَخَذَتْهُ الرُّحَضَاءُ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ فَقَالَ: "أَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى" (طه:۵) كَمَا وَصَفَ نَفْسَهُ، وَلَا يُقَالُ: كَيْفَ، وَكَيْفٌ عَنْهُ مَرْفُوعٌ، وَأَنْتَ رَجُلُ سُوءٍ صَاحِبُ بِدْعَةٍ، أَخْرِجُوهُ۔ قَالَ: فَأُخْرِجَ الرَّجُلُ۔

(کتاب الاسماء والصفات رقم ۸۶۶ طبع جدہ)

ترجمہ: حضرت امام بیہقیؒ نے سند جید کے ساتھ بیان کیا ہے (جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں بیان کیا ہے) کہ حضرت عبداللہ بن وہبؒ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت امام مالکؒ کے پاس موجود تھے۔ پھر ایک شخص آیا تو اس نے کہا: اے ابوعبداللہ! قرآن مجید میں ہے: أَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى (سورت طٰہٰ:۵) (وہ بڑی رحمت والا عرش پر استواء فرمائے ہوئے ہے)۔ حق تعالیٰ عرش پر کیسے مستوی ہیں؟ اور اس کا استواء کیسا ہے؟ تو حضرت امام مالکؒ نے (حق تعالیٰ کی عظمت اور ہیبت کی بنا پر) سر نیچے جھکا لیا اور خوف سے پسینہ پسینہ ہوگئے۔ پھر سر اُٹھایا اور فرمایا: ''وہ بڑی رحمت والا عرش پر استواء فرمائے ہوئے ہے جیسا کہ خود اس نے اپنی اس صفت کو بیان کیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں "کیف" (کیفیت) کا سوال نہیں کیا جا سکتا۔ اور کیف (کیفیت) تو اللہ تعالیٰ کی ذات سے مرفوع ہے۔ اے سائل تو بلا شبہ ایک برا آدمی اور بدعتی شخص ہے''۔ پھر اپنے اصحاب سے فرمایا: ''اس کو یہاں سے نکال دو''۔ اس شخص کو وہاں سے نکال دیا گیا۔

5 أَخْبَرَنَا أَبُو بَكْرٍ أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَارِثِ الْفَقِيهُ الْأَصْفَهَانِيُّ، أنا أَبُو مُحَمَّدٍ عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ جَعْفَرِ بْنِ حَيَّانَ الْمَعْرُوفُ بِأَبِي الشَّيْخِ، ثنا أَبُو جَعْفَرٍ أَحْمَدُ بْنُ زَيْرَكَ الْيَزْدِيُّ، سَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ عَمْرِو بْنِ

النَّضْرِ النَّيْسَابُورِيَّ، يَقُولُ: سَمِعْتُ يَحْيَى بْنَ يَحْيَى، يَقُولُ: كُنَّا عِنْدَ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ فَجَاءَ رَجُلٌ فَقَالَ: يَا أَبَا عَبْدِ اللهِ! "أَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى" (طه:٥). فَكَيْفَ اسْتَوٰى؟ قَالَ: فَأَطْرَقَ مَالِكٌ بِرَأْسِهٖ حَتّٰى عَلَاهُ الرُّحَضَاءُ ثُمَّ قَالَ: "اَلْاِسْتِوَاءُ غَيْرُ مَجْهُوْلٍ، وَالْكَيْفُ غَيْرُ مَعْقُوْلٍ، وَالْإِيْمَانُ بِهٖ وَاجِبٌ، وَالسُّؤَالُ عَنْهُ بِدْعَةٌ، وَمَا أَرَاكَ إِلَّا مُبْتَدِعًا". فَأَمَرَ بِهٖ أَنْ يُخْرَجَ. (کتاب الاسماء والصفات رقم ۸۶۷ طبع جدہ)

ترجمہ حضرت یحییٰ بن یحییٰؒ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت امام مالکؒ کے پاس موجود تھے پھر ایک شخص آیا تو اس نے کہا: اے ابوعبداللہ! قرآن مجید میں ہے: أَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى (سورت طٰہٰ:۵) (وہ بڑی رحمت والا عرش پر استواء فرمائے ہوئے ہے)۔ حق تعالیٰ کا عرش پر استواء کیسا ہے؟ توحضرت امام مالکؒ نے (حق تعالیٰ کی عظمت اور ہیبت کی بنا پر) سر نیچے جھکا لیا اور خوف سے پسینہ پسینہ ہو گئے۔ پھر سر اُٹھایا اور فرمایا: ''استواء تو مجہول نہیں ہے، اور ''کیف'' (کیفیت) عقل میں نہیں سکتا۔ اس پر ایمان لانا واجب ہے اور اس کے بارے میں سوال کرنا بدعت ہے اور میں تو تجھے بدعتی ہی خیال کرتا ہوں''۔ پھر اپنے اصحاب سے فرمایا: ''اس کو یہاں سے نکال دو''۔

6 وَرُوِيَ فِي ذٰلِكَ أَيْضًا عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أُسْتَاذِ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا.

أَخْبَرَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ الْحَارِثِ، أَنَا أَبُو الشَّيْخِ، ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ مَعْدَانَ، ثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَهْدِيٍّ، ثَنَا مُوسَى بْنُ خَاقَانَ، ثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ صَالِحِ بْنِ مُسْلِمٍ، قَالَ: سُئِلَ رَبِيعَةُ الرَّأْيِ عَنْ قَوْلِ اللهِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى: "أَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى" (طه:٥)، كَيْفَ اسْتَوٰى؟ قَالَ: "اَلْكَيْفُ مَجْهُوْلٌ، وَالْاِسْتِوَاءُ غَيْرُ مَعْقُوْلٍ، وَيَجِبُ عَلَيَّ وَعَلَيْكُمُ الْإِيْمَانُ بِذٰلِكَ كُلِّهٖ". (کتاب الاسماء والصفات رقم ۸۶۸ طبع جدہ)

ترجمہ حضرت امام مالکؒ کے استاذ حضرت ربیعہ بن عبدالرحمٰنؒ سے اللہ تعالیٰ کے قول:

أَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى (سورت طٰہٰ:۵) (وہ بڑی رحمت والا عرش پر استواء فرمائے ہوئے ہے) کے بارے میں سوال کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کا عرش پر کیسے استواء ہے؟ تو انہوں نے فرمایا: ''کیف'' (کیفیت) مجہول ہے اور استواء معقول (عقل میں آنے والا) نہیں ہے۔ میرے اور تمہارے لیے اس پر ایمان لانا واجب ہے''۔

7 أَخْبَرَنَا أَبُو عَبْدِ اللهِ الْحَافِظُ، أَخْبَرَنِي مُحَمَّدُ بْنُ يَزِيدَ، سَمِعْتُ أَبَا يَحْيَى الْبَزَّازَ، يَقُولُ: سَمِعْتُ الْعَبَّاسَ بْنَ حَمْزَةَ، يَقُولُ: سَمِعْتُ أَحْمَدَ بْنَ أَبِي الْحَوَارِيِّ، يَقُولُ: سَمِعْتُ سُفْيَانَ بْنَ عُيَيْنَةَ، يَقُولُ: "كُلُّ مَا وَصَفَ اللهُ تَعَالٰى مِنْ نَفْسِهٖ فِي كِتَابِهٖ فَتَفْسِيرُهٗ تِلَاوَتُهٗ، وَالسُّكُوتُ عَلَيْهِ.

(کتاب الاسماء والصفات رقم ۸۶۹ طبع جدہ)

ترجمہ حضرت سفیان بن عیینہؒ فرماتے ہیں: ''ہر وہ صفت جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بارے میں اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے، تو اس کی تفسیر وتشریح اس کی تلاوت کرنا ہی ہے اور اس کے بارے میں سکوت کرنا ہے''۔

8 أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْحَافِظُ، قَالَ: هٰذِهٖ نُسْخَةُ الْكِتَابِ الَّذِي أَمْلَاهُ الشَّيْخُ أَبُو بَكْرٍ أَحْمَدُ بْنُ إِسْحَاقَ بْنِ أَيُّوبَ فِي مَذْهَبِ أَهْلِ السُّنَّةِ فِيمَا جَرَى بَيْنَ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ بْنِ خُزَيْمَةَ وَبَيْنَ أَصْحَابِهٖ، فَذَكَرَهَا وَذَكَرَ فِيهَا: "أَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى" (طه:٥) بِلَا كَيْفٍ، وَالْآثَارُ عَنِ السَّلَفِ فِي مِثْلِ هٰذَا كَثِيرَةٌ.

(کتاب الاسماء والصفات ج ۲ ص ۳۰۸ رقم ۸۷۰ طبع مکتبۃ السوادی للتوزیع، جدہ)

ترجمہ حضرت شیخ ابوبکر احمد بن ایوبؒ نے اہل سنّت کا مذہب بیان کرتے ہوئے، اس گفتگو میں جو حضرت محمد بن اسحٰق بن خزیمہؒ اور ان کے ساتھیوں کے درمیان ہوئی، اس میں یہ بات بھی فرمائی: اللہ تعالیٰ نے عرش پر بلا کیف استواء فرمایا ہے۔

9 اس بارے میں سلفؒ کے بہت سے آثار مروی ہیں۔

١ وَعَلٰى هٰذِهِ الطَّرِيقِ يَدُلُّ مَذْهَبُ الشَّافِعِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، وَإِلَيْهَا

ذَهَبَ أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ وَالْحُسَيْنُ بْنُ الْفَضْلِ الْبَجَلِيُّ. وَمِنَ الْمُتَأَخِّرِينَ أَبُو سُلَيْمَانَ الْخَطَّابِيُّ.

٢ وَذَهَبَ أَبُو الْحَسَنِ عَلِيُّ بْنُ إِسْمَاعِيلَ الْأَشْعَرِيُّ إِلَى أَنَّ اللهَ تَعَالَى جَلَّ ثَنَاؤُهُ فَعَلَ فِي الْعَرْشِ فِعْلًا سَمَّاهُ اسْتِوَاءً، كَمَا فَعَلَ فِي غَيْرِهِ فِعْلًا سَمَّاهُ رِزْقًا أَوْ نِعْمَةً أَوْ غَيْرَهُمَا مِنْ أَفْعَالِهِ. ثُمَّ لَمْ يُكَيِّفِ الْاِسْتِوَاءَ إِلَّا أَنَّهُ جَعَلَهُ مِنْ صِفَاتِ الْفِعْلِ لِقَوْلِهِ: "اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى" (طه:٥). وَثُمَّ لِلتَّرَاخِي، وَالتَّرَاخِي إِنَّمَا يَكُونُ فِي الْأَفْعَالِ، وَأَفْعَالُ اللهِ تَعَالَى تُوجَدُ بِلَا مُبَاشَرَةٍ مِنْهُ إِيَّاهَا وَلَا حَرَكَةٍ.

٣ وَذَهَبَ أَبُو الْحَسَنِ عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ مَهْدِيٍّ الطَّبَرِيُّ فِي آخَرِينَ مِنْ أَهْلِ النَّظَرِ إِلَى أَنَّ اللهَ تَعَالَى فِي السَّمَآءِ فَوْقَ كُلِّ شَيْءٍ مُسْتَوٍ عَلَى عَرْشِهِ بِمَعْنَى أَنَّهُ عَالٍ عَلَيْهِ، وَمَعْنَى الْاِسْتِوَاءِ: الْاِعْتِلَاءُ، كَمَا يَقُولُ: اسْتَوَيْتُ عَلَى ظَهْرِ الدَّابَّةِ، وَاسْتَوَيْتُ عَلَى السَّطْحِ، بِمَعْنَى عَلَوْتُهُ، وَاسْتَوَتِ الشَّمْسُ عَلَى رَأْسِي، وَاسْتَوَى الطَّيْرُ عَلَى قِمَّةِ رَأْسِي، بِمَعْنَى عَلَا فِي الْجَوِّ، فَوُجِدَ فَوْقَ رَأْسِي.

٤ وَالْقَدِيمُ سُبْحَانَهُ عَالٍ عَلَى عَرْشِهِ لَا قَاعِدٌ وَلَا قَائِمٌ وَلَا مُمَاسٌّ وَلَا مُبَايِنٌ عَنِ الْعَرْشِ، يُرِيدُ بِهِ: مُبَايَنَةَ الذَّاتِ الَّتِي هِيَ بِمَعْنَى الْاِعْتِزَالِ أَوِ التَّبَاعُدِ، لِأَنَّ الْمُمَاسَّةَ وَالْمُبَايَنَةَ الَّتِي هِيَ ضِدُّهَا، وَالْقِيَامُ وَالْقُعُودُ مِنْ أَوْصَافِ الْأَجْسَامِ، وَاللهُ عَزَّ وَجَلَّ أَحَدٌ صَمَدٌ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ، فَلَا يَجُوزُ عَلَيْهِ مَا يَجُوزُ عَلَى الْأَجْسَامِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى.

٥ وَحَكَى الْأُسْتَاذُ أَبُو بَكْرِ بْنُ فُورَكٍ هٰذِهِ الطَّرِيقَةَ عَنْ بَعْضِ أَصْحَابِنَا أَنَّهُ قَالَ: اسْتَوَى بِمَعْنَى: عَلَا، ثُمَّ قَالَ: وَلَا يُرِيدُ بِذٰلِكَ عُلُوًّا بِالْمَسَافَةِ وَالتَّحَيُّزِ وَالْكَوْنِ فِي مَكَانٍ مُتَمَكِّنًا فِيهِ، وَلٰكِنْ يُرِيدُ مَعْنَى قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ: "أَأَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ" (الملك:١٦) أَيْ: مَنْ

فَوْقَهَا عَلَى مَعْنَى نَفْيِ الْحَدِّ عَنْهُ، وَأَنَّهُ لَيْسَ مِمَّا يَحْوِيهِ طَبَقٌ أَوْ يُحِيطُ بِهِ قُطْرٌ، وَوُصِفَ اللهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى بِذٰلِكَ بِطَرِيقَةِ الْخَبَرِ، فَلَا نَتَعَدَّى مَا وَرَدَ بِهِ الْخَبَرُ.

٦ قُلْتُ: وَهُوَ عَلَى هٰذِهِ الطَّرِيقَةِ مِنْ صِفَاتِ الذَّاتِ، وَكَلِمَةُ ثُمَّ تَعَلَّقَتْ بِالْمُسْتَوٰى عَلَيْهِ، لَا بِالْاِسْتِوَاءِ، وَهُوَ كَقَوْلِهِ: "ثُمَّ اللهُ شَهِيدٌ عَلٰى مَا يَفْعَلُونَ" (یونس:٤٦)، يَعْنِي: ثُمَّ يَكُونُ عَمَلُهُمْ فَيَشْهَدُهُ.

٧ وَقَدْ أَشَارَ أَبُو الْحَسَنِ عَلِيُّ بْنُ إِسْمَاعِيلَ إِلَى هٰذِهِ الطَّرِيقَةِ حِكَايَةً، فَقَالَ: وَقَالَ بَعْضُ أَصْحَابِنَا: إِنَّهُ صِفَةُ ذَاتٍ، وَلَا يُقَالُ: لَمْ يَزَلْ مُسْتَوِيًا عَلَى عَرْشِهِ، كَمَا أَنَّ الْعِلْمَ بِأَنَّ الْأَشْيَاءَ قَدْ حَدَثَتْ مِنْ صِفَاتِ الذَّاتِ، وَلَا يُقَالُ: لَمْ يَزَلْ عَالِمًا بِأَنْ قَدْ حَدَثَتْ، وَلَمَّا حَدَثَتْ بَعْدُ.

٨ قَالَ: وَجَوَابِي هُوَ الْأَوَّلُ وَهُوَ أَنَّ اللهَ مُسْتَوٍ عَلَى عَرْشِهِ وَأَنَّهُ فَوْقَ الْأَشْيَاءِ بَائِنٌ مِنْهَا، بِمَعْنَى أَنَّهَا لَا تَحُلُّهُ وَلَا يَحُلُّهَا، وَلَا يَمَسُّهَا وَلَا يُشْبِهُهَا، وَلَيْسَتِ الْبَيْنُونَةُ بِالْعُزْلَةِ. تَعَالَى اللهُ رَبُّنَا عَنِ الْحُلُولِ وَالْمُمَاسَّةِ عُلُوًّا كَبِيرًا.

(کتاب الاسماء والصفات ج ٢ ص ٣٠٨، ٣٠٩، تحت رقم ٨٧٠ طبع جده)

ترجمہ: حضرت امام بیہقیؒ فرماتے ہیں:

١ اسی طریق کے مطابق حضرت امام شافعیؒ کا مذہب بھی ہے۔ اسی طرف حضرت امام احمد بن حنبلؒ اور حضرت حسین بن فضل بجلیؒ اور متاخرین میں سے امام ابوسلیمان خطابیؒ بھی گئے ہیں۔

٢ حضرت امام ابوالحسن علی بن اسماعیل اشعریؒ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے عرش میں ایک ایسا عمل کیا جس کو استواء کا نام دیا، جیسا اس نے اس کے علاوہ بھی افعال سرانجام دیئے جن کو رزق، نعمت وغیرہ کا نام دیا ہے۔ پھر صفت استواء کی کیفیت بیان نہیں کی سوائے اس کے کہ اس کو صفاتِ فعل میں سے بتلایا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

"اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى"۔ (طٰهٰ:۵)

ترجمہ وہ بڑی رحمت والا عرش پر استواء فرمائے ہوئے ہے۔

"ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ" میں لفظ "ثُمَّ" تراخی (تاخیر) کے لیے آتا ہے۔ تراخی تو افعال میں ہی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے افعال تو بغیر کسی چیز کے چھونے اور بغیر حرکت کے ہوتے ہیں۔

۳ اہل علم ونظر میں سے حضرت ابوالحسن علی بن محمد بن مہدی طبریؒ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ آسمان میں ہر چیز کے اوپر عرش پر مستوی ہیں، اس معنی کے لحاظ سے کہ وہ ہر چیز سے عالی ہیں۔ استواء کا معنی عالی (بلند) ہونا ہے۔ جیسا کہ کوئی کہے: میں سواری کی پشت پر سوار ہوا۔ میں مکان کی چھت پر چڑھا۔ اس کا معنی ہوتا ہے: میں بلندی پر چڑھا۔ سورج میرے سر پر بلند ہوا۔ پرندہ میرے سر کی چوٹی پر بلند ہوا، یعنی فضا میں بلند ہوا، تو وہ میرے سر کے اوپر پایا گیا۔

۴ اللہ تعالیٰ کی قدیم ذات عرش سے بہت بلند ہے۔ وہ عرش پر نہ بیٹھی ہے، نہ کھڑی ہے، نہ اس کو چھو رہی ہے، نہ عرش سے جدا ہے۔ مباینت کا معنی ذات کی جدائی اور دوری ہے، وہ الگ ہونے اور دور ہونے کے معنی میں ہے۔ اس لیے کہ مماست (چھونا) اور مباینت (جدا ہونا) دونوں اضداد میں سے ہیں۔ اسی طرح قیام اور قعود تو اجسام کی صفات ہیں۔ ''اللہ تعالیٰ کی ذات ہر لحاظ سے ایک ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ایسی ہے کہ سب اس کے محتاج ہیں، وہ کسی کی محتاج نہیں۔ نہ اس کی کوئی اولاد ہے، اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے۔ اور اس کے جوڑ کا کوئی بھی نہیں''۔ پس جو صفات اجسام کی ہیں اللہ تعالیٰ پر ان کا اطلاق جائز نہیں۔

۵ حضرت استاذ ابوبکر بن فورکؒ کا اپنے بعض ساتھیوں سے اسی طریقہ سے بیان کرنا روایت کیا گیا ہے: استویٰ کا معنی ہے: بلند ہونا۔ پھر فرمایا: اس بلند ہونے سے مراد مسافت اور تحیز کے لحاظ سے بلند ہونا، اور کسی خاص مکان میں متمکن ہونا مراد نہیں۔ لیکن اس کا معنی اللہ تعالیٰ کے اس قول: "ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ" (الملک:۱۶) (کیا تم آسمان والے سے بے خوف ہو بیٹھے ہو؟) کے مطابق ہے، یعنی جو اس کے

اوپر ہے۔ اس میں ''حد'' کے معنی کی نفی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ایسی نہیں ہے کہ اس کو کسی حصے، گوشے، جانب وغیرہ نے احاطہ کیا ہو۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کی توصیف ویسے ہی بیان کریں گے جیسے قرآن وحدیث نے اس کو بیان کیا ہے۔ ہم اس سے آگے تجاوز نہیں کریں گے۔

۶ حضرت امام بیہقیؒ فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: اس طریقے سے یہ صفتِ ذات ہوگی۔ "ثُمَّ" کلمے کا تعلق مستوی ہونے سے ہوگا، نہ کہ استواء سے۔ یہ ایسے ہوگا جیسا کہ اس آیت میں فرمایا گیا ہے: "ثُمَّ اللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ" (یونس:۴۶) (پھر جو کچھ یہ کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ اس کا پورا پورا مشاہدہ کر رہا ہے)۔ یعنی ان کے اعمال کا مشاہدہ کر رہا ہے۔

۷ امام ابوالحسن اشعریؒ نے اس طریقہ کو حکایت کے انداز سے بیان فرمایا ہے۔ تو فرمایا: ہمارے بعض ساتھی کہتے ہیں: یہ صفت ذات ہے۔ ایسا نہیں کہا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہی عرش پر مستوی رہا ہے۔ جیسا کہ صفتِ علم کہ اشیاء صفات ذات سے پیدا ہوئیں۔ ایسا نہیں کہا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہی عالم رہا ہے، اس معنی میں کہ صفت علم حاصل ہوئی، حالانکہ بعد میں یہ صفت حاصل نہیں ہوئی بلکہ اللہ تعالیٰ کو ہمیشہ سے صفت علم حاصل رہی ہے (یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات قدیم ہے اس کی صفت علم بھی قدیم ہے)۔

۸ پھر انہوں نے فرمایا: میرا جواب پہلی بات کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہیں، وہ ہر چیز سے بلند وبالا ہیں۔ وہ تمام اشیاء سے جدا ہیں، اس معنی میں کہ اس نے کسی چیز میں حلول نہیں کیا ہے، نہ اس میں کوئی چیز حلول کیے ہوئے ہے، نہ اس نے کسی چیز کو چھوا ہے، نہ اس کے کوئی چیز مشابہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا جدا ہونا، الگ الگ ہونا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ جو ہمارا رب ہے، وہ حلول اور مماست سے پاک ہے۔ وہ اس سے بہت بلند ہے۔

10 حضرت امام بیہقیؒ فرماتے ہیں:

وَفِيمَا كَتَبَ إِلَيَّ الْأُسْتَاذُ أَبُو مَنْصُورِ بْنُ أَبِي أَيُّوبَ: أَنَّ كَثِيرًا مِنْ

مُتَأَخِّرِيْ أَصْحَابِنَا ذَهَبُوْا إِلٰى أَنَّ الِاسْتِوَاءَ: هُوَ الْقَهْرُ وَالْغَلَبَةُ، وَمَعْنَاهُ: أَنَّ الرَّحْمٰنَ غَلَبَ الْعَرْشَ وَقَهَرَهٗ. وَفَائِدَتُهُ الْإِخْبَارُ عَنْ قَهْرِهٖ مَمْلُوْكَاتِهٖ، وَأَنَّهَا لَمْ تَقْهَرْهُ، وَإِنَّمَا خَصَّ الْعَرْشَ بِالذِّكْرِ لِأَنَّهٗ أَعْظَمُ الْمَمْلُوْكَاتِ، فَنَبَّهَ بِالْأَعْلٰى عَلَى الْأَدْنٰى. قَالَ: وَالِاسْتِوَاءُ: بِمَعْنَى الْقَهْرِ وَالْغَلَبَةِ شَائِعٌ فِي اللُّغَةِ، كَمَا يُقَالُ: اسْتَوٰى فُلَانٌ عَلَى النَّاحِيَةِ إِذَا غَلَبَ أَهْلَهَا. وَقَالَ الشَّاعِرُ فِيْ بِشْرِ بْنِ مَرْوَانَ:

قَدِ اسْتَوٰى بِشْرٌ عَلَى الْعِرَاقِ   مِنْ غَيْرِ سَيْفٍ وَدَمٍ مُهْرَاقٍ

يُرِيْدُ: أَنَّهٗ غَلَبَ أَهْلَهٗ مِنْ غَيْرِ مُحَارَبَةٍ. قَالَ: وَلَيْسَ ذٰلِكَ فِي الْآيَةِ بِمَعْنَى الِاسْتِيْلَاءِ، لِأَنَّ الِاسْتِيْلَاءَ غَلَبَةٌ مَعَ تَوَقُّعِ ضَعْفٍ، قَالَ: وَمِمَّا يُؤَيِّدُ مَا قُلْنَاهُ قَوْلُهٗ عَزَّ وَجَلَّ: "ثُمَّ اسْتَوٰى إِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ". (فصلت:١١). وَالِاسْتِوَاءُ إِلَى السَّمَاءِ: هُوَ الْقَصْدُ إِلٰى خَلْقِ السَّمَآءِ، فَلَمَّا جَازَ أَنْ يَكُوْنَ الْقَصْدُ إِلَى السَّمَآءِ اسْتِوَاءً، جَازَ أَنْ تَكُوْنَ الْقُدْرَةُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتِوَاءً.

(کتاب الاسماء والصفات ج ۲ ص ۳۰۹، ۳۱۰، تحت رقم ۸۷۰ طبع جدہ)

ترجمہ حضرت امام بیہقیؒ فرماتے ہیں:

''حضرت استاذ ابومنصور بن ابی ایوبؒ نے ہماری طرف لکھ کر ارسال کیا: ہمارے اصحاب میں متاخرین علماءؒ میں سے بہت سے اس طرف گئے ہیں کہ استواء کا معنی: قہر اور غلبہ ہے۔ اس آیت کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ، جو رحمٰن ہے، کا عرش پر غلبہ اور قہر ہے۔ اس آیت میں اس بات کا بیان ہے کہ تمام مخلوقات پر اللہ تعالیٰ کا غلبہ ہے۔ صرف عرش پر ہی منحصر نہیں ہے۔ اس آیت میں عرش کا ذکر خصوصیت سے اس لیے ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی مخلوق اور مملوک ہے۔ لہٰذا آیت میں اعلیٰ کا ذکر کر کے ادنیٰ پر تنبیہ کر دی ہے۔

استواء بمعنی قہر اور غلبہ لغت میں مشہور و معروف ہے، جیسا کہ کہا جاتا ہے: فلاں شخص فلاں شہر اور علاقہ پر مستوی ہو گیا جب وہ اس کے باشندوں پر غالب ہو گیا۔ شاعر

نے بشر بن مروانؒ کے بارے میں کہا ہے:

؎ قَدِ اسْتَوٰى بِشْرٌ عَلَى الْعِرَاقِ   مِنْ غَيْرِ سَيْفٍ وَدَمٍ مُهْرَاقٍ

بشر نے عراق پر بغیر تلوار اُٹھائے اور خون بہائے غلبہ حاصل کر لیا۔

اس کی مراد یہ ہے کہ اس نے بغیر لڑائی کے وہاں کے باشندوں پر غلبہ حاصل کر لیا ہے۔

اس آیت میں استیلاء کا وہ معنی مراد نہیں ہے، جس میں استیلاء میں غلبہ، ضعف کی امید سے ہوتا ہے۔ جو ہم نے کہا اس کی تائید میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی ہے:

"ثُمَّ اسْتَوٰى إِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ". (فصلت:١١)

ترجمہ پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا، جب کہ وہ اُس وقت دھویں کی شکل میں تھا۔

استواء کی نسبت آسمان کی طرف ہو تو اس کا معنی آسمان کی طرف پیدائش کا ارادہ کرنا ہے۔ جب استواء کا معنی قصد و ارادہ درست ہے، تو اس کا معنی عرش پر قدرت و غلبہ بھی درست اور صحیح ہے۔

9 امام الحرمین ،ابوالمعالی عبد الملک بن عبد اللہ بن یوسف الجوینیؒ (المتوفی ۴۷۸ھ) کے عقائد

حضرت عبد الملك بن عبد الله بن يوسف بن محمد الجويني، أبو المعالي، ركن الدين، الملقب بإمام الحرمين رحمه الله ۴۱۹ھ کو نیشاپور کے نواحی علاقہ جوین میں پیدا ہوئے۔ پھر آپؒ بغداد تشریف لے گئے۔ بعد ازاں آپؒ مکہ مکرمہ میں تشریف لے گئے۔ پھر آپؒ مدینہ منورہ چلے گئے اور درس وتدریس اور افتاء کے شعبہ سے منسلک رہے۔ حرمین شریفین میں آپؒ کا قیام چار سال رہا۔ اسی وجہ سے آپؒ کا لقب امام الحرمین مشہور ہوا۔ پھر آپ واپس اپنے وطن نیشاپور تشریف لے آئے۔ وہاں آپؒ کے لیے وزیر نظام الملک نے مدرسہ نظامیہ کو قائم کیا۔ وہاں آپؒ کے درس وتدریس کا سلسلہ شروع ہوا تو بڑے بڑے اکابر علماءؒ اس میں شریک ہونے لگے۔ نیشاپور میں ہی آپؒ کا انتقال ۴۷۸ھ میں ہوا۔

ان کی کتاب اصول وعقائد کے بیان میں: "الارشاد الی قواطع الأدلة فی اصول الاعتقاد" بہت مشہور ہوئی ہے۔ یہ کتاب مؤسسة الكتب الثقافية، بیروت سے شائع ہوئی ہے۔ اس میں آپ نے کرامیہ کے عقیدۂ تجسیمِ باری تعالیٰ کے خلاف خوب لکھا ہے۔ محمد بن کرام (المتوفی ۲۵۵ھ) بانی فرقہ کا رد کیا ہے۔ صفات باری تعالیٰ کی بھی اچھی مدلل تفصیل بیان کی ہے۔ رؤیت باری تعالیٰ، استواء علی العرش، اور جبر وقدر کی بحث بھی لائق مطالعہ ہے۔

ان کی کتاب "العقيدة النظامية فى الأركان الاسلامية"، جو مكتبة الازهرية، مصر ۱۴۱۲ھ سے شائع ہوئی ہے۔ عقائد کے بارے میں بہت ہی مستند اور معروف کتاب ہے۔

1:۔ اللہ تعالیٰ بغیر جہت اور مکان کے موجود ہیں

1 امام الحرمینؒ فرماتے ہیں:

أن الرب تَعَالٰى متقدس عَن الِاخْتِصَاص بالجهات والاتصاف بالمحاذاة لَا تحيط بِهِ الأقطار وَلَا تكتنفه الأقتار ويجل عَن قبُول الْحَد والمقدار... فَإِن سئلنا عَن قَوْله تَعَالٰى: "أَلرَّحْمٰن على الْعَرْش اسْتَوٰى".

قُلْنَا الْمُرَاد ب"الاسْتوَاء": الْقَهْر وَالْغَلَبَة والعلو۔

وَمِنْه قَول الْعَرَب اسْتَوٰى فلَانٌ على المملكة أَي: استعلى عَلَيْهَا واطردت لَهٗ۔

وَمِنْه قَول الشَّاعِر:

قد اسْتَوٰى بشر على الْعرَاق   من غير سيف وَدم مهراق

(لمع الأدلة فى قواعد عقائد أهل السنة والجماعة۔ ص۱۰۷، ۱۰۸۔ المؤلف: عبد الملك بن عبد الله بن يوسف بن محمد الجويني، أبو المعالي، ركن الدين، الملقب بإمام الحرمين رحمه الله (المتوفى ۴۷۸ھ)۔ المحقق: فوقية حسين محمود الناشر: عالم الكتب، لبنان۔ الطبعة: الثانية، ۱۴۰۷ھ)

ترجمہ: اللہ رب العزت جہت کے ساتھ مختص ہونے اور محاذات کے ساتھ متصف ہونے سے پاک ہیں۔ اطراف اس کا احاطہ نہیں کرسکتیں اور وہ حدود اور مقدار سے وراء ہے ...... پھر اگر ہم سے سوال کیا جائے کہ اس آیت: أَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى۔ (سورت طٰہٰ: ۵) (وہ بڑی رحمت والا عرش پر استواء فرمائے ہوئے ہے) کی تفسیر کیا ہے؟ تو ہم کہیں گے کہ یہاں استواء سے مراد قہر، غلبہ اور علو ہے۔ اسی معنی میں اہل عرب کا قول ہے: "اسْتَوٰى فلَانٌ على المملكة"، یعنی: "وہ اس ملک پر غالب ہو گیا اور اس کا حکم چلنے لگا"۔ اور اسی معنی میں شاعر کا قول بھی ہے:

ب قَدِ اسْتَوٰى بِشْرٌ عَلَى الْعِرَاقِ   مِنْ غَيْرِ سَيْفٍ وَّدَمٍ مُّهْرَاقِ

بشر نے عراق پر بغیر تلوار اُٹھائے اور خون بہائے غلبہ حاصل کرلیا۔

2 الاستواء: القهر والغلبة۔ وذٰلك شائع فى اللغة اذ العرب تقول: استوى فلان على الممالك اذا احتوى على مقاليد الملك واستعلى على الرقاب۔

(الارشاد الى قواطع الأدلة فى اصول الاعتقاد ص۵۹۔ المؤلف: عبد الملك بن عبد الله بن يوسف بن محمد الجوينى، أبو المعالى، ركن الدين، الملقب بإمام الحرمين (المتوفى ۴۷۸ھ)۔ مؤسسة الكتب الثقافية، بيروت)

ترجمہ: استواء کا معنی قہر اور غلبہ ہے۔ یہ معنی لغتِ عرب میں مشہور ومعروف ہے جیسا کہ اہل عرب کہتے ہیں: "استوى فلان على الممالك" جب اس کے پاس ملک کے خزانوں کی چابیاں آجائیں اور لوگوں پر اس کا غلبہ ہوجائے۔

3 حضرت امام الحرمین جوینیؒ (المتوفى: ۴۷۸ھ) فرماتے ہیں:

أن الرب تعالىٰ متقدس عن الاختصاص بالجهات والاتصاف بالمحاذاة لا تحيط به الأقطار ولا تكتنفه الأقتار ويجل عن قبول الحد والمقدار۔ والدليل على ذٰلك:

أن كل مختص بجهة شاغل لها متحيز وكل متحيز قابل لملاقاة الجواهر ومفارقتها وكل ما يقبل الاجتماع والافتراق لا يخلو عنهما وما لا يخلو عن الاجتماع والافتراق حادث كالجواهر۔

فإذا ثبت تقدس البارى عن التحيز والاختصاص بالجهات فيرتب على ذٰلك تعاليه عن الاختصاص بمكان وملاقاة أجرام وأجسام۔

فإن سئلنا عن قوله تعالىٰ: "الرحمٰن على العرش استوىٰ"۔

قلنا المراد ب"الاستواء": القهر والغلبة والعلو۔

ومنه قول العرب استوىٰ فلان على المملكة أى استعلى عليها واطردت له۔ ومنه قول الشاعر:

قد استوىٰ بشر على العراق — من غير سيف ودم مهراق

(لمع الأدلة فى قواعد عقائد أهل السنة والجماعة، ص۱۰۷، ۱۰۸۔ المؤلف: عبد الملك بن عبد الله بن يوسف بن محمد الجوينى، أبو المعالى، ركن الدين، الملقب بإمام الحرمين علیہ الرحمۃ (المتوفى: ۴۷۸ھ)۔ المحقق: فوقية حسين محمود۔ الناشر: عالم الكتب، لبنان۔ الطبعة: الثانية، ۱۴۰۷ھ)

ترجمہ: اللہ رب العزت جہت کے ساتھ مختص ہونے اور محاذات کے ساتھ متصف ہونے سے پاک وبرتر ہیں۔ اطراف اس کا احاطہ نہیں کرسکتیں اور وہ حدود اور مقدار سے وراء اور بلند وبرتر ہے۔ اس پر دلیل یہ ہے:

ہر وہ چیز جو جہت کے ساتھ مختص ہوگی۔ اور جو اس کو بھرنے والی ہوگی، وہ مُتَحَیِّز ہوگی۔ اور ہر مُتَحَیِّز جواہر کے ساتھ ملنے والی یا اس سے جدا ہونے والی ہے۔ اور جو اجتماع اور افتراق کو قبول کرنے والی ہو، وہ اس سے خالی نہیں ہوسکتی اور جو اجتماع اور افتراق سے خالی نہیں ہوگی، وہ حادث ہوگی جیسے جواہر۔

جب یہ بات ثابت ہوگئی تو اللہ تعالیٰ تحیز اور جہت کے ساتھ مختص ہونے سے پاک ہیں۔ تو اس سے یہ بات بھی ثابت ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ کسی بھی مکان کے ساتھ مختص ہونے، اور اجرام واجسام سے اتصال ہونے سے پاک اور بلند وبرتر ہیں۔

پھر اگر ہم سے یہ سوال کیا جائے کہ اس آیت: اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى۔ (سورت طٰہٰ: ۵) (وہ بڑی رحمت والا عرش پر استواء فرمائے ہوئے ہے) کی تفسیر کیا ہے؟ تو ہم کہیں گے کہ یہاں استواء سے مراد قہر، غلبہ اور علو ہے۔ اسی معنی میں اہل عرب کا قول ہے: "اسْتَوٰى فلانٌ على المملكة" یعنی وہ اس ملک پر غالب ہوگیا اور اس کا حکم چلنے لگا۔ اور اسی معنی میں شاعر کا قول بھی ہے:

ب قَدِ اسْتَوٰى بِشْرٌ عَلَى الْعِرَاقِ — مِنْ غَيْرِ سَيْفٍ وَدَمٍ مُهْرَاقِ

بشر نے عراق پر بغیر تلوار اُٹھائے اور خون بہائے غلبہ حاصل کرلیا۔

4 مشہور مفسر ابو عبد اللہ القرطبیؒ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں:

وَقَالَ أَبُو الْمَعَالِي: قَوْلُهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا تُفَضِّلُونِي عَلٰى

یُونُسَ بْنِ مَتّٰی»، الْمَعْنٰی: فَإِنِّی لَمْ أَكُنْ وَأَنَا فِی سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰی بِأَقْرَبَ إِلَى اللّٰهِ مِنْهُ، وَهُوَ فِی قَعْرِ الْبَحْرِ فِی بَطْنِ الْحُوتِ. وَهٰذَا يدل على أن البارى سبحانه وتعالى لَيْسَ فِی جِهَةٍ.

(الجامع لأحكام القرآن = تفسير القرطبی سورت انبیاء: ۸۷، ۸۸، ج۱۱ ص۳۳۳، ۳۳۴؛ المؤلف: أبو عبد الله محمد بن أحمد بن أبی بكر بن فرح الأنصاری الخزرجی شمس الدين القرطبی رحمہ اللہ (المتوفی ۶۷۱ھ)۔ تحقيق: أحمد البردونی وإبراهيم أطفيش۔ الناشر: دار الكتب المصرية، القاهرة۔ الطبعة: الثانية، ۱۳۸۴ھ)

ترجمہ: امام ابوالمعالی امام الحرمینؒ فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ کا فرمان: «لاتُفَضِّلُونِی عَلٰی یُونُسَ بْنِ مَتّٰی» کا معنی یہ ہے کہ جب میں سدرۃ المنتہیٰ میں تھا تو اس وقت بھی میں اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب نہیں تھا بہ نسبت حضرت یونس علیہ السلام کے، جب وہ مچھلی کے پیٹ میں سمندر کی اتھاہ گہرائیوں میں تھے۔ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی بھی خاص جہت میں نہیں ہیں“۔

5 اسی مضمون کو ذرا تفصیلی انداز میں سورت صافات میں بیان کیا گیا ہے۔

وَقَالَ ابْنُ الْعَرَبِیِّ: أَخْبَرَنِی غَيْرُ وَاحِدٍ مِنْ أَصْحَابِنَا عَنْ إِمَامِ الْحَرَمَيْنِ أَبِی الْمَعَالِی عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ يُوسُفَ الْجُوَيْنِیِّ: أَنَّهُ سُئِلَ عَنِ الْبَارِی فِی جِهَةٍ؟ فَقَالَ: لَا، هُوَ يَتَعَالٰی عَنْ ذٰلِكَ. قِيلَ لَهُ: مَا الدَّلِيلُ عَلَيْهِ؟ قَالَ: الدَّلِيلُ عَلَيْهِ قَوْلُ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَا تُفَضِّلُونِی عَلٰی يُونُسَ بْنِ مَتّٰی». فَقِيلَ لَهُ: مَا وَجْهُ الدَّلِيلِ فِی هٰذَا الْخَبَرِ؟ فَقَالَ: لَا أَقُولُهُ حَتّٰی يَأْخُذَ ضَيْفِی هٰذَا أَلْفَ دِينَارٍ يَقْضِی بِهَا دَيْنًا. فَقَامَ رَجُلَانِ فَقَالَا: هِیَ عَلَيْنَا. فَقَالَ: لَا يَتْبَعُ بِهَا اثْنَيْنِ، لِأَنَّهُ يَشُقُّ عَلَيْهِ. فَقَالَ وَاحِدٌ: هِیَ عَلَیَّ. فَقَالَ: إِنَّ يُونُسَ بْنَ مَتّٰی رَمٰی بِنَفْسِهِ فِی الْبَحْرِ فَالْتَقَمَهُ الْحُوتُ، فَصَارَ فِی قَعْرِ الْبَحْرِ فِی ظُلُمَاتٍ ثَلَاثٍ. وَنَادٰی: «لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّی كُنْتُ

مِنَ الظَّالِمِينَ» (الأنبياء: ۸۷) كَمَا أَخْبَرَ اللّٰهُ عَنْهُ، وَلَمْ يَكُنْ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ جَلَسَ عَلَى الرَّفْرَفِ الْأَخْضَرِ وَارْتَقٰی بِهِ صُعُدًا، حَتّٰی انْتَهٰی بِهِ إِلٰی مَوْضِعٍ يَسْمَعُ فِيهِ صَرِيفَ الْأَقْلَامِ، و مناجاه رَبُّهُ بِمَا نَاجَاهُ بِهِ، وَأَوْحٰی إِلَيْهِ مَا أَوْحٰی بِأَقْرَبَ إِلَى اللّٰهِ تَعَالٰی مِنْ يُونُسَ فِی بَطْنِ الْحُوتِ فِی ظُلْمَةِ الْبَحْرِ.

(الجامع لأحكام القرآن = تفسير القرطبی سورت الصافات: آيات ۱۳۹ تا ۱۴۴، ج۱۵ ص۱۲۴؛ المؤلف: أبو عبد الله محمد بن أحمد بن أبی بكر بن فرح الأنصاری الخزرجی شمس الدين القرطبی رحمہ اللہ (المتوفی ۶۷۱ھ)۔ تحقيق: أحمد البردونی وإبراهيم أطفيش۔ الناشر: دار الكتب المصرية، القاهرة۔ الطبعة: الثانية، ۱۳۸۴ھ)

ترجمہ: حضرت امام ابن العربیؒ فرماتے ہیں کہ میرے بہت سے ساتھیوں نے حضرت امام الحرمینؒ سے یہ نقل کیا ہے کہ ان سے سوال کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ جہت میں ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا: ”نہیں! وہ کسی بھی جہت میں نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ جہت سے پاک اور منزہ ہیں“۔ ان سے عرض کیا گیا: ”اس کی کیا دلیل ہے؟“۔ تو انہوں نے فرمایا: ”اس کی دلیل جناب رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث ہے:

«لاتُفَضِّلُونِی عَلٰی یُونُسَ بْنِ مَتّٰی»

ترجمہ: مجھے حضرت یونس بن متی علیہ السلام پر فضیلت نہ دو۔

آپؒ سے عرض کیا گیا: اس حدیث میں دلیل کس طرح سے بیان کی جا سکتی ہے؟ تو امام الحرمینؒ نے فرمایا: ”میں اس کو بیان نہیں کروں گا یہاں تک میرا یہ مہمان ایک ہزار دینار نہ لے لے تا کہ وہ اپنا قرضہ ادا کر سکے“۔ تو دو شخص کھڑے ہو گئے اور انہوں نے کہا: ”یہ ہمارے ذمہ ہو گئے“۔ تو امام الحرمینؒ نے فرمایا: ”یہ دو آدمیوں کے پیچھے نہیں جا سکتا، اس لیے کہ یہ اس شخص پر مشکل ہوگا“۔ تو پھر ایک شخص نے کہا: ”یہ مجھ پر لازم ہیں“۔ پھر حضرت امام الحرمینؒ نے فرمایا: ”حضرت یونس بن متی علیہ السلام نے اپنے آپ کو سمندر کی گہرائی میں پھینک دیا تو اس کو حوت مچھلی نے نگل لیا۔ تو

اب وہ سمندر کی گہرائی میں تین اندھیروں میں ہو گئے۔ تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کو پکارا:
"لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ"۔ (الأنبيآء:۸۷)

ترجمہ (یا اللہ!) تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو ہر عیب سے پاک ہے۔ بیشک میں قصوروار ہوں۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس بارے خبر دی ہے۔ حضرت محمد مصطفی ﷺ جب سبز رنگ کے قالین پر بیٹھ کر بلندیوں کی طرف پرواز کرتے جاتے تھے، یہاں تک کہ آپ ﷺ اس مقام تک تشریف لے گئے جہاں قلم (تقدیر) کے چلنے کی آواز آپ ﷺ سن رہے تھے، اور آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ مناجات بھی کی جو اللہ تعالیٰ نے چاہی۔ آپ ﷺ کی طرف وحی بھی نازل فرمائی جو اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمانا چاہی۔ اس وقت بھی حضرت محمد مصطفی ﷺ اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب نہیں تھے بہ نسبت حضرت یونس بن متی علیہ السلام کے، جب کہ وہ مچھلی کے پیٹ میں سمندر کے اندھیروں میں تھے۔

2:۔صفاتِ متشابہات میں تفویض وتاویل

6 وقد اختلفت مسالك العلماء فی الظواهر التی وردت فی الكتاب و السنة. وامتنع أهل الحق اعتقاد فحواها، وإجراؤها على موجب ما تبتدره أفهام أرباب اللسان منها، فرأى بعضهم تأويلها و التزام هذا المنهج فی آی الكتاب، و ما يصح من سنن الرسول صلى الله عليه وآله وسلم۔

و ذهب أئمة السلف إلى الانكفاف عن التأويل، و إجراء الظواهر على مواردها، و تفويض معانيها إلى الرب تعالى۔ والذی نرتضيه رأيا: و ندين الله به عقلا: اتباع سلف الأمة۔ فالأول الاتباع، و ترك الابتداع و الدليل السمعی القاطع فی ذلك: أن إجماع الأمة حجة متبعة، وهو مستند معظم الشريعة۔

وقد درج صحب رسول الله صلى الله عليه و سلم، و رضی عنهم على ترك التعرض لمعانيها و درك ما فيها، و هم صفوة الإسلام، و المستقلون بأعباء الشريعة۔ وكانوا لا يألون جهدا فی ضبط قواعد الملة۔ والتواصی بحفظها، و تعليم الناس ما يحتاجون إليه منها۔ فلو كان تأويل هذه الآی و الظواهر مسوغا، و محتوما، لأوشك أن يكون اهتمامهم بها فوق اهتمامهم بفروع الشريعة۔

وإذا انصرم عصرهم، وعصر التابعين على الإضراب عن التأويل كان ذلك قاطعا بأنه الوجه المتبع۔ فحق على ذی دين: أن يعتقد تنزه الباری عن صفات المحدثين، و لا يخوض فی تأويل المشكلات، و يكل معناها إلى الرب تبارك و تعالى۔

وعَدَّ إمام القراء و سيدهم: الوقوف على قوله تبارك و تعالى: "و ما يعلم تأويله إلا الله" من العزائم، ثم الابتداء: "و الراسخون فی العلم" (آل عمران:۷)۔ ومما استحسن من كلام إمام دار الهجرة رضی الله عنه هو مالك بن أنس رضی الله عنه۔ أنه سئل عن قوله تبارك و تعالى: "الرحمٰن على العرش استوى" (طه:۵)۔ فقال: "الاستواء معلوم، و الكيفية مجهولة، و السؤال عنه بدعة"۔ فلتجری آية الاستواء و المجئ۔ و قوله: "لما خلقت بيدی" (ص: ۷۵)، و "يبقى وجه ربك" (الرحمن :۲۷)، و قوله: "تجری بأعيننا" (القمر:۱۴)۔ و ما صح من أخبار الرسول صلى الله عليه و سلم كخبر النزول و غيره، على ما ذكرناه۔

فهذا بيان ما يجب لله تبارك و تعالى۔

(العقيدة النظامية فی الأركان الاسلامية ص ۳۲ تا ۳۴۔ المؤلف: عبد الملك بن عبد الله بن يوسف بن محمد الجوينی، أبو المعالی، ركن الدين، الملقب بإمام الحرمين رحمہ اللہ (المتوفی ۴۷۸ھ)۔ المحقق: محمد زاهد الكوثری۔ الناشر:

المکتبة الأزهرية للتراث، مصر، ۱۴۱۲ھ)

ترجمہ

☆ صفات متشابہات جو قرآن وسنّت میں ظاہر آیات واحادیث میں وارد ہوئی ہیں، ان کے بارے میں علمائے کرامؒ کے مسالک مختلف ہیں۔ اہل حق نے اس کے ظاہر معنی پر اعتقاد رکھنے سے منع کیا ہے، اور ان کے ان معانی کے لینے سے منع کیا ہے جن کی طرف اہل زبان کے فہم چلے جاتے ہیں۔ لہٰذا بعض علمائے کرامؒ نے ان کی تاویل کی ہے۔ اس طریقے کو انہوں نے کتاب اللہ کی آیاتِ مبارکہ اور احادیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں، جو صحیح سند سے مروی ہیں، اختیار کیا ہے۔

☆ ائمۂ سلف تاویل سے اپنے آپ کو بچاتے تھے۔ اور آیات کے ظواہر کو ان کے موارد پر ہی رکھتے تھے۔ ان کے معانی کو اللہ رب العزت کی طرف تفویض کرتے تھے۔

تشریح

علامہ زاہد الکوثریؒ اس کے حاشیہ میں فرماتے ہیں:

اس کا حاصل یہ ہے کہ ان الفاظ کا اطلاق اسی طرح کرتے ہیں جس طرح قرآن و سنت میں وارد ہیں۔ ان کے معانی میں جو ابہام پایا جاتا ہے، اس میں غور وخوض نہیں کرتے۔ ''ظاہر'' کا لفظ یہاں ''غریب'' (نادر) کے مقابل ہے جیسا کہ حضرت امام مالکؒ کے اس قول میں ہے: "خير العلم الظاهر، وشره الغريب"

ترجمہ: ظاہر کا علم سب سے بہتر ہے، اور غریب (انوکھی چیز) کا علم برا ہے۔

یہاں اس سے مراد وہ معنی نہیں ہے: ظاہر وہ ہے جو وضوح کی قسم ہے۔ اس لیے کہ یہ اس سے عام ہے کہ وہ دو احتمالوں میں سے کسی ایک جانب راجح ہو جس کے لیے وہ معنی وضع کیا گیا ہو، یا دلیل کے لحاظ سے ہو۔ اور نہ یہاں ظاہر سے مراد یہ ہے کہ وضع کے لحاظ سے کسی ایک معنی کی جانب راجح ہو جب اس کے ساتھ کسی دلیل کا ناقص ہو۔ اس لیے کہ یہاں ظہور کا یہ معنی مراد نہیں کہ یہاں اسی معنی کا احتمال ہو۔ (زاہد الکوثری)

☆ جس رائے کو ہم پسند کرتے ہیں اور از روئے عقل بھی ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں: سلفِ اُمت کا اتباع۔ لہٰذا سب سے پہلے اُمت کی اتباع ہی ہے، اور بدعت کو چھوڑ

دینا ہے۔ اس بارے میں یقینی دلیل نقلی یہ ہے: اجماعِ اُمت ہی وہ دلیل ہے جس کی پیروی لازم ہے اور یہ شریعت کی بہت بڑی اور مستند دلیل ہے۔

☆ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان کے معانی کے درپے نہیں ہوتے تھے اور اس کے مقاصد کو سمجھتے تھے۔ وہی اسلام کے منتخب اور پسندیدہ تھے۔ وہی شریعت کی اعباء کو اُٹھانے والے تھے۔ وہی ملّت اسلام کے قواعد کے ضبط کرنے والے، اس کی حفاظت کی وصیت کرنے والے، اور لوگوں کی ضروریاتِ دین کی تعلیم کرنے والے تھے۔ اگر ان آیات اور ان کے ظواہر میں تاویل کرنا پسندیدہ اور حتمی ہوتا تو لازماً وہ ان کا بہت زیادہ اہتمام کرتے۔

☆ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا دور ختم ہوا۔ دورِ تابعینؒ بھی تاویل سے دور ہی رہا۔ یہ قطعی دلیل ہے کہ یہی طریقہ اتباع کے قابل ہے۔ لہٰذا اہلِ دین پر یہ بات لازم ہے: وہ اللہ تعالیٰ کو مخلوق کی صفات سے منزہ جانیں۔ متشابہات اور مشکلات کی تاویل کرنے میں غور وخوض نہ کریں۔ ان کے معانی کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کردیں۔

☆ قرآن پاک کی آیت:

هُوَ الَّذِيٓ أَنزَلَ عَلَيۡكَ الۡكِتَابَ مِنۡهُ آيَاتٌ مُّحۡكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الۡكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ ۖ فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمۡ زَيۡغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنۡهُ ابۡتِغَآءَ الۡفِتۡنَةِ وَابۡتِغَآءَ تَأۡوِيلِهِ ۗ وَمَا يَعۡلَمُ تَأۡوِيلَهُٓ إِلَّا اللَّهُ ۗ وَالرَّاسِخُونَ فِي الۡعِلۡمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِّنۡ عِندِ رَبِّنَا ۗ وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّآ أُولُوا الۡأَلۡبَابِ ۔ (آل عمران: ۷)

ترجمہ: (اے رسول!) وہی اللہ ہے جس نے تم پر کتاب نازل کی ہے جس کی کچھ آیتیں تو محکم ہیں جن پر کتاب کی اصل بنیاد ہے اور کچھ دوسری آیتیں متشابہ ہیں۔ اب جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ ان متشابہ آیتوں کے پیچھے پڑے رہتے ہیں تاکہ فتنہ پیدا کریں اور ان آیتوں کی تاویلات تلاش کریں، حالانکہ ان آیتوں کا ٹھیک ٹھیک مطلب اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا، اور جن لوگوں کا علم پختہ ہے وہ یہ کہتے ہیں کہ: ''ہم اس (مطلب) پر ایمان لاتے ہیں (جو اللہ کو معلوم ہے)۔ سب کچھ

ہمارے پروردگار ہی کی طرف سے ہے''۔اور نصیحت وہی لوگ حاصل کرتے ہیں جو عقل والے ہیں۔

اُمت کے امام القراء اور سید القراء نے اس آیت میں "وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللّٰهُ" پر ہی وقف کرنا صحیح شمار کیا ہے۔اور پھر ''الرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ'' پر ابتداء کرنا ہی بہتر ہے۔

☆ امام دارالہجرت حضرت امام مالک بن انسؒ کا کیسا عمدہ کلام ہے۔ان سے اس آیت: أَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى (سورت طٰہٰ:۵)(وہ بڑی رحمت والا عرش پر استواء فرمائے ہوئے ہے) کے بارے میں سوال کیا گیا؟ تو انہوں نے فرمایا: ''استواء تو معلوم ہے، اور کیفیت مجہول ہے۔اس کے بارے میں سوال کرنا بدعت ہے''۔

تنبیہ امام الحرمینؒ نے حضرت امام مالکؒ کی اس روایت کے الفاظ کے بارے میں زیادہ تحقیق وتفتیش نہیں کی ہے۔اس روایت کے صحیح الفاظ یہ ہیں:

أَخْرَجَ الْبَيْهَقِيُّ بِسَنَدٍ جَيِّدٍ كما قال الحافظ في الفتح، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ وَهْبٍ قَالَ: كُنَّا عِنْدَ مَالِكٍ فَدَخَلَ رَجُلٌ. فَقَالَ: يَا أَبَا عَبْدِ اللّٰهِ! أَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى، كَيْفَ اسْتَوٰى؟ فَأَطْرَقَ مَالِكٌ فَأَخَذَتْهُ الرُّحَضَاءُ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ، فَقَالَ: أَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى كَمَا وَصَفَ بِهِ نَفْسَهُ وَلَا يُقَالُ كَيْفَ؟ وَكَيْفَ عَنْهُ مَرْفُوعٌ. وَمَا أَرَاكَ إِلَّا صَاحِبَ بِدْعَةٍ، أَخْرِجُوهُ.

(فتح الباری ج ۱۳ ص ۴۹۸ طبع دارالسلام، ریاض؛ کتاب الاسماء والصفات رقم ۸۶۶)

ترجمہ حضرت امام بیہقیؒ نے سند جید کے ساتھ بیان کیا ہے (جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں بیان کیا ہے) کہ حضرت عبداللہ بن وہبؒ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت امام مالکؒ کے پاس موجود تھے۔پھر ایک شخص آیا تو اس نے کہا: اے ابوعبداللہ! قرآن مجید میں ہے: أَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى (سورت طٰہٰ:۵)(وہ بڑی رحمت والا عرش پر استواء فرمائے ہوئے ہے)۔حق تعالیٰ عرش پر کیسے مستوی ہیں؟

اور اس کا استواء کیسا ہے؟ تو حضرت امام مالکؒ نے (حق تعالیٰ کی عظمت اور ہیبت کی بنا پر) سر نیچے جھکا لیا اور خوف سے پسینہ پسینہ ہوگئے۔پھر سر اُٹھایا اور فرمایا: ''وہ بڑی رحمت والا عرش پر استواء فرمائے ہوئے ہے جیسا کہ خود اس نے اپنی اس صفت کو بیان کیا ہے۔اور اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں ''کیف'' (کیفیت) کا سوال نہیں کیا جاسکتا۔اور كَيْفَ (کیفیت) تو اللہ تعالیٰ کی ذات سے مرفوع ہے۔اے سائل تو بلاشبہ ایک برا آدمی اور بدعتی شخص ہے''۔پھر اپنے اصحاب سے فرمایا: ''اس کو یہاں سے نکال دو''۔

اس روایت سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت امام مالکؒ نے صفت ''استویٰ'' کو اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت کرکے تفصیل سے سکوت فرمایا اور صرف ان الفاظ پر اکتفاء کیا: ''كَمَا وَصَفَ بِهِ نَفْسَهُ''۔اور کیفیت کو جو اجسام کی صفت ہے، اللہ تعالیٰ سے منفی کیا۔

☆ لہٰذا آیتِ استواء اور نزولِ باری تعالیٰ کو اسی طرح بیان کرنا چاہیے۔یہی طریقہ ہے ان آیات میں:

آیت ۱ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ۔ (ص:۷۵)

ترجمہ جس کو میں نے اپنے دونوں ہاتھوں (اور قدرتِ خاصہ) سے بنایا۔

آیت ۲ وَيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ۔(الرحمن:۲۷)

ترجمہ بس باقی رہے گی ذات تیرے پروردگار کی جو بزرگی اور عظمت والا ہے۔

آیت ۳ تَجْرِي بِأَعْيُنِنَا۔ (القمر:۱۴)

ترجمہ وہ ہماری آنکھوں کے سامنے چلتی ہے۔

اور اسی طرح وہ احادیثِ مبارکہ جو جناب رسول اللہ ﷺ سے صحیح سند کے ساتھ مروی ہیں۔

پس یہی بیان کرنا چاہیے ان صفات کے بارے میں جن کا وجوب جناب باری تعالیٰ کے لیے ثابت ہے۔

تشریح علامہ زاہد الکوثریؒ اس کے حاشیہ میں فرماتے ہیں:

اس فصل کو سونے کے پانی سے لکھا جانا چاہیے، خصوصاً اس لیے بھی کہ یہ کتاب امام الحرمینؒ کی آخری تصنیف ہے، جیسا کہ کتاب: ''اللمعۃ'' کے مصنفؒ نے اس کا ذکر کیا ہے۔ اس کتاب کی اس فصل سے بعض حشویہ بے جا خوش فہمی کا شکار ہیں کہ امام الحرمینؒ آخر کار اپنے مذہب سے رجوع کر کے ان کی طرف مائل ہو گئے تھے۔ حالانکہ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ حضرت امام الحرمینؒ نے اس کتاب کی کئی فصول میں اللہ تعالیٰ کی حوادث اور صفاتِ حوادث سے قطعی طور پر تنزیہ بیان کی ہے۔

۱ رہی استواء کی صفت، تو ممکن ہے کہ اس کی مراد یہ ہو: اس سے اللہ تعالیٰ کی بادشاہی اور سلطنت مراد ہو کہ اللہ تعالیٰ نے استعارۂ تمثیلیہ کے طریق سے آسمان وزمین اور اپنے بندوں کو پیدا کرنے کے بعد ان پر امر ونہی کا حکم جاری کرنا شروع کر دیا ہو۔ جیسا کہ تو اس کی تفصیل کتاب: ''لفت اللحظ'' (ص ۴۱) میں دیکھ سکتا ہے۔

۲ صفت مجيء (آمد)۔ اس کے بارے میں علامہ ابن حزمؒ نے اپنی کتاب: ''الفصل'' میں فرمایا ہے:

ہم نے حضرت امام احمدؒ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے سورت فجر کی آیت ۲۲: ''وَجَاءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا'' کا معنی ''جَاءَ أَمْرُ رَبِّكَ'' سے کیا ہے جیسا کہ سورت نحل آیت نمبر ۳۳: ''هَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا أَن تَأْتِيَهُمُ الْمَلَائِكَةُ أَوْ يَأْتِيَ أَمْرُ رَبِّكَ'' میں ہے۔ قرآن کی بعض آیات دوسری آیات کی تفسیر بیان کرتی ہیں۔ ایسا ہی مضمون علامہ ابن جوزیؒ نے اپنی کتاب: ''زاد المسیر'' میں بیان کیا ہے۔

۳ آیت: لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ۔ (ص: ۷۵) میں عنایتِ خاصہ مراد ہے۔ عرب کہتے ہیں: ''يداك أوكتا'' سے مراد ہاتھوں سے عنایتِ خاصہ لیتے ہیں۔

۴ آیت: وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ۔ (الرحمن: ۲۷) میں وجہ سے مراد ذاتِ عالی، باری تعالیٰ لیتے ہیں۔ اس کی دلیل: ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ کا مرفوع ہونا ہے۔

۵ آیت: تَجْرِي بِأَعْيُنِنَا۔ (القمر: ۱۴) کا معنی ہے: ہمارے علم کے تحت۔

یہی معانی اہل زبان کے فہم کے عین مطابق ہیں۔ لہٰذا اس فہم ومراد سے خروج ممکن نہیں۔

۶ صفتِ نزول سے مراد قطعی طور پر اوپر سے نیچے کی حرکت کرنا نہیں ہے۔ اس لیے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں محال ہے۔ لہٰذا یہاں اس سے مراد استعارہ ہے جس کا معنی: اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر متوجہ ہونا ہے جیسا کہ حضرت حماد بن زیدؒ نے فرمایا ہے۔ یا اس سے اسنادِ مجازی مراد ہے۔ اس معنی کی تعیین نسائی کی اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں فرشتہ کے بھیجنے کا ذکر ہے: ''ایک فرشتہ ندا کرے گا''۔

پس حدیثِ نزول کے اس معنی کے لحاظ یہ حدیث، احادیث صفات میں نہ رہی کہ اس حدیث میں قائل کی مراد متعین ہوگئی۔

مؤلف کتاب حضرت امام الحرمینؒ نے یہاں نزاع کو ختم کرنے اور دونوں اقوال کے درمیان مطابقت کرنے کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا ہے۔ یقین وایقان سے یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب سے منزہ ہے جن سے تشبیہ کا وہم ہو سکتا ہے۔

(حاشیہ: العقیدۃ النظامیۃ فی الأرکان الاسلامیۃ ص ۳۴۔ المؤلف: عبد الملك بن عبد الله بن يوسف بن محمد الجويني، أبو المعالي، ركن الدين، الملقب بإمام الحرمينؒ (المتوفی ۴۷۸ھ)۔ المحقق: محمد زاهد الكوثري الناشر: المكتبة الأزهرية للتراث، مصر ۱۴۱۲ھ)

3:۔ اللہ تعالیٰ کی صفتِ کلام

7 مما يجب لله تعالى: الاتصاف بالكلام، و قد تقطعت المهرة في إثبات العلم بوجوب وصف الباري سبحانه بالكلام، و هو خارج عن القاعدة التي هي مستند هذه العقيدة. فنقول: كما نعلم بعقولنا أن تردد الخلق على صنوف التغاير، من الجائزات. فكذلك تصرفهم تحت أمر مطاع، و نهي متبع، ليس من المستحيلات. وإذا قطع بجواز ذلك، كما قضى بجواز جريان

الخلائق على اختلاف الأحوال و الطرائق، فكل جائز من صفات الخلق يستدل إلى صفة واجبة للخالق، فيجب جواز انسلاكهم فى الأوامر و الزواجر، اتصاف ربهم بالأمر و النهى و الوعد و الوعيد، و هو الملك حقاً۔ و لا يتم وصف الملك دون الاتصاف بالاقتدار على تغيير الخلق قهرا، و إمكان توجيه الأمر و النهى عليهم تعبدا و تكليفا: فنقرر بذلك وجوب كونه تعالى و تقدس:متكلما۔ فظن من لم يحصل علم هذا الباب أن القدرية وصفوا الرب تبارك و تعالى بكونه متكلما۔ و زعموا أن كلامه مخلوق، و ليس هذا مذهب القوم بل حقيقة معتقدهم: أن الكلام فعل من أفعال الله عز و جل كخلقه الجواهر و أعراضها، و لا يرجع إلى حقيقة وجوده حكم من الكلام فمحصول أصلهم :أنه ليس- تعالى عن قولهم - كلام و ليس قائلا آمرا ناهيا۔ و إنما يخلق أصواتا فى جسم من الأجسام دالة على إرادته،و ليس يخفى على ذى بصيرة: أن آيات القرآن نصوص فى اتصاف الرب تبارك و تعالى بالقول فكم فى سياق الآى، من أخبار الرب عن نفسه بالاتصاف بالقول،كما قال تعالى:"قال الله هذا يوم ينفع الصادقين صدقهم"۔(المائدة:۱۱۹)۔ و قال تبارك و تعالى:"يا نار كونى بردا و سلاما۔(الأنبياء:۶۹)۔وقال جل وعز:"و قال ربكم ادعونى أستجب لكم" (غافر:۶۰)۔و من لزم الإنصاف،

وجانب الاعتساف تبين أن هذه الآيات مصرحة بإنصاف الرب بقوله، و من أحدث أصواتا فى جسم دالة على غرض له، لا يقال قال: كذا و كذا، و مما يوضح الحق فى ذلك أن من أصل هؤلاء: أنه لا معنى لكون المتكلم متكلما إلا أنه فاعل للكلام، و مساق هذا يقتضى أن من لا يعلم كون المتكلم فاعلا لكلامه لا يعلمه

متكلما۔ و نحن على اضطرار نعلم أن من نراه يتكلم متكلما، قبل أن يخطر ببالنا كونه فاعلا، و لو لم يكن لكونه متكلما معنى إلا أنه فاعل للكلام لما علمه متكلما من لم يعلمه فاعلا۔ و ليس الأمر كذلك، فإن سبيل معرفة الله تبارك و تعالى متكلما أو سبيل معرفة المتحرك متحركا، و من رأى جسما يتحرك اعتقد أنه متحرك و لم يتوقف عقله على النظر فى أنه فاعل للحركة۔ كذلك من سمع رجلا اعتقد متكلما ثم نظر فى كونه فاعلا للكلام أو غير فاعل۔ وإذا تقرر أن الكلام صفة للمتكلم و ليس المراد به: كونه فاعلا، فما كان صفة لله تعالى لم تخل إما أن تكون حادثة أو قديمة فإن كانت قديمة فهو الحق الذى انتحله أهل الحق۔

وإن كانت حادثة لم تخل، إما إن تقوم به - تعالى الله عن قول المبطلين - فيؤدى هذا إلى القول بأنه محل الحوادث۔ و ما قبل الحوادث كالأجسام۔ وإما أن تقوم بجسم - و هو مذهب المخالف- فكل صفة قامت بجسم رجع الحكم منها إلى ذلك الجسم كالحركة و السكون و ما عداهما من الأعراض۔ و لو كان الرب تعالى بخلق كلام فى جسم متكلما، لكان بخلق الصوت فيه مصوتا۔

(العقيدة النظامية فى الأركان الاسلامية۔ ص ۲۵ تا ۲۷۔ المؤلف: عبد الملك بن عبد الله بن يوسف بن محمد الجوينى، أبو المعالى، ركن الدين، الملقب بإمام الحرمين علیہ الرحمۃ (المتوفى ۴۷۸ھ)۔ المحقق: محمد زاهد الكوثرى۔ الناشر: المكتبة الأزهرية للتراث، مصر، ۱۴۱۲ھ)

ترجمہ ان صفات سے جو اللہ تعالیٰ کے لیے واجب ہیں، ان میں صفتِ کلام بھی ہے۔ علمِ کلام کے ماہرین نے پختہ طریق سے یہ بات ثابت کی ہے کہ باری تعالیٰ کا صفتِ کلام

سے موصوف ہونا واجب ہے۔ یہ اس قاعدہ سے نکل جاتا ہے جو اس عقیدے کا مستند ہے۔ تو ہم کہتے ہیں کہ جیسے ہم جانتے ہیں کہ تبدیلی کی مختلف صورتوں میں آنا جانا ممکنات میں سے ہے۔ ایسے ہی ان کا تصرف کرنا کسی امر مطاع کے نیچے اور نہی متبع کے نیچے محال نہیں ہے۔

جب اس کے امکان کا یقین ہو جیسا کہ مخلوقات کے چلنے سے فیصلہ دیا جاتا ہے، احوال اور طرق کے اختلاف پر۔ تو مخلوق کی صفات سے جو ممکن ہے اس سے خالق کی صفت واجبہ پر استدلال کیا جائے گا۔ تو ثابت ہو گیا ان مخلوقات کے اوامر و زواجر لڑی میں داخل ہونے کے امکان سے ان کے رب کا موصوف ہونا امر و نہی اور وعدہ و وعید کے ساتھ ہے۔ اور وہ سچا بادشاہ ہے۔

بادشاہت کی صفت پوری نہیں ہوتی مخلوق کی تبدیلی کے اختیار اور ان پر امر و نہی کے متوجہ کیے بغیر۔ علاوہ اس کے وہ اس کے بندے اور اس کے حکم کے مکلف ہیں۔ تو اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے متکلم ہونے کا وجوب ثابت ہو گیا۔

تو جن لوگوں کو اس موضوع کی بصیرت حاصل نہ ہوئی انہوں نے سمجھا کہ قدریہ نے اللہ تعالیٰ کو متکلم ہونے سے موصوف کیا ہے۔ انہوں نے سمجھا کہ اس کا کلام مخلوق ہے۔ اور یہ قوم کا مذہب نہیں ہے بلکہ ان کے اس عقیدہ کی حقیقت یہ ہے کہ کلام جو ہے وہ اللہ تعالیٰ کے افعال میں سے ایک فعل ہے۔ جیسے اس کا جواہر و اعراض کو پیدا کرنا۔ اور اس کے وجود کی حقیقت کی طرف کلام میں سے کوئی حکم نہیں لوٹتا۔

تو ان کے اس عقیدے کا حاصل یہ ہے کہ نہ اللہ تعالیٰ کے لیے کلام ہے اور نہ وہ اپنے قول سے امر و نہی کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی باتوں سے بہت بلند ہے۔ وہ جسموں میں سے کسی جسم میں ایسی آوازیں پیدا کر دیتا ہے جو اس کے ارادہ پر دلالت کرنے والی ہوں۔

کسی بھی اہل عقل و بصیرت پر یہ بات مخفی نہیں ہے کہ قرآن مجید کی آیات اس کی تصریح کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ قول سے موصوف ہے۔ کتنی ہی آیات کے سیاق میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بارے میں قول سے موصوف ہونے پر خبر دینا ہے۔ جیسے:

صفتِ باری تعالیٰ اکابر علمائے اُمت کے عقائد

قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ ۔ (المائدہ:۱۱۹)

ترجمہ اللہ تعالیٰ کہے گا کہ: ’’یہ وہ دن ہے جس میں سچے لوگوں کو ان کا سچ فائدہ پہنچائے گا‘‘۔

قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِىْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ۔ (الانبیاء:۶۹)

ترجمہ ہم نے کہا: ’’اے آگ! ٹھنڈی ہو جا، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے سلامتی بن جا‘‘۔

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِىْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ۔ (المؤمن:۶۰)

ترجمہ اور تمہارے پروردگار نے کہا ہے کہ: ’’مجھے پکارو، میں تمہاری دعائیں قبول کروں گا‘‘۔

جو انصاف کو لازم کرے، ظلم سے اجتناب کرے، اس کو نظر آئے گا کہ یہ آیات اس کی تصریح کرتی ہیں کہ رب تعالیٰ اپنے قول سے موصوف ہے اور جو کوئی آوازوں کو کسی جسم میں پیدا کرے، جو آوازیں اس کی کسی غرض پر دلالت کریں، اس کے بارے میں نہیں کہا جاتا: قال کذا و کذا۔

وہ چیز جو اس بارے میں حق کو واضح کرتی ہے، وہ یہ ہے کہ ان کا ایک ضابطہ ہے کہ متکلم کے متکلم ہونے کا یہی معنی ہے کہ وہ کلام کا فاعل ہے۔ اس کا سیاق یہ تقاضا کرتا ہے کہ جو شخص یہ نہیں جانتا کہ متکلم اپنے کلام کا فاعل ہوتا ہے، وہ اس کو متکلم نہ جانے گا۔ حالانکہ ہم بداہت سے جانتے ہیں کہ جس کو ہم کلام کرتا دیکھیں، ہم جانتے ہیں کہ وہ متکلم ہے، اس سے قبل کہ ہمارے خیال میں اس کا فاعل ہونا آئے۔ اور اگر متکلم کا معنی یہی ہو کہ وہ کلام کا فاعل ہے۔ اس کو وہ شخص متکلم نہ جانے گا جو اس کو فاعل نہیں جانتا۔ معاملہ اس طرح نہیں ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کا طریقہ اس کو متکلم جاننا ہی ہے۔ یا متحرک کی معرفت کا طریقہ اس کو متحرک جاننا ہی ہے۔ جو کوئی کسی جسم کو حرکت کرتا دیکھے، وہ اعتقاد رکھے گا کہ یہ متحرک ہے۔ اس کی عقل اس نظر پر موقوف نہ ہوگی کہ وہ فاعلِ حرکت ہے۔ اسی طرح جو شخص کسی آدمی کی بات سنے وہ اس کو متکلم سمجھے گا۔ پھر دیکھے گا کہ وہ فاعلِ کلام ہے یا نہیں۔

جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ کلام متکلم کی صفت ہے اور اس سے اس کا فاعل ہونا مراد

نہیں ہے۔تو جو اللہ تعالیٰ کی صفت ہوگی وہ اس سے خالی نہیں کہ حادث ہوگی یا قدیم۔
اگر وہ قدیم ہو تو یہی وہ حق ہے جس کا اعتقاد اہل حق رکھتے ہیں۔
اگر وہ حادث ہے تو وہ دو احوال سے باہر نہیں ہے: وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم ہے (اللہ تعالیٰ جھوٹوں کی بات سے بہت بلند ہے)۔تو یہ بات اس کی طرف پہنچائے گی کہ اللہ تعالیٰ محلِ حوادث ہے (اور یہ محال ہے)۔اور جو حوادث کو قبول کرے وہ اجسام کی طرح ہے۔اور یا جسم کے ساتھ قائم ہو اور یہ مذہب مخالف کا ہے۔تو ہر صفت جو جسم کے ساتھ قائم ہو، حکم کے لحاظ سے اس جسم سے متعلقہ حکم پر ہوگا، جیسے حرکت، سکون اور اس کے علاوہ عوارض۔اگر اللہ تعالیٰ کسی جسم میں کلام کے پیدا کرنے سے متکلم ہو تو اس میں آواز کے پیدا کرنے کی وجہ سے آواز والا ہوگا۔

4:۔قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام، غیر مخلوق ہے

8 ثم معتقد أهل الحق: أن كلام الله تعالى ليس بحروف منتظمة، و لا أصوات منقطعة و إنما هو صفة قائمة بذاته تعالى يدل عليها قراءة القرآن كما يدل قول القائل: على الوجود الأزلي، و يعتبر المسمى: أصوات. والمفهوم منه: الرب تبارك وتعالى. فإن قيل: إذا قضيتم بأن كلام الله تبارك و تعالى أزلي. لزمكم أن تصفوه بكونه، آمرا ناهيا قبل وجود المخاطبين، وثبوت الأمر قبل وجود المأمورين: محال. قلنا: ما لبس به المخالف يدرأه ضرب مثال. و هو: أن من يعزم على مفاوضة صاحب له بعد شهر، فالمعاني التي سيوردها عند جريان الجواز يجدها بأعيانها قائمة في نفسه، ثم إذا حان الوقت أداها، فأنهاها والعالم بأنه سيكلم فلانا لا تخلو نفسه عن وجود ثبوت ذلك الكلام على تقدير وجوده في العبارات من حين المفاوضة تبلغ تلك المعاني و الرب في أزله كان عالما بأنه يتعبد عباده إذا وجدوا و هو العالم المقدس عن

أن يسهو أو يهفو، فلا يخلو وجوده الأزلي عن معنى ما سيصل إلى العباد إذا وجدوا. وسبيل ذلك الكلام القائم بنفسه. كسبيل قدرته القديمة و لم تزل.
وإن كان يستحيل وجود مقدوراتها. أراد فإن المقدور حادث مستفتح و لكنه كان منعوتا أزلا بصفة صالحه لتعلق القدرة بالمقدورات فيما لا يزال.
(العقيدة النظامية في الأركان الاسلامية۔ ص۲۷ تا۲۸۔ المؤلف: عبدالملك بن عبدالله بن يوسف بن محمد الجويني، أبو المعالي، ركن الدين، الملقب بإمام الحرمين رحمہ اللہ (المتوفى ۴۷۸ھ)۔ المحقق: محمد زاهد الكوثري رحمہ اللہ۔ الناشر: المكتبة الأزهرية للتراث، مصر، ۱۴۱۲ھ)

ترجمہ پھر اہل حق کا اعتقاد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام مرکب حروف یا کٹ جانے والی آوازیں نہیں ہے۔وہ ایک صفت ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہے۔اس پر قرآن مجید کی قراءت دلالت کرتی ہے، جیسے قائل کا قول وجودِ ازلی پر دلالت کرتا ہے اور مسمیٰ کا اعتبار کیا جائے گا جو اصوات ہیں۔جو اس سے مفہوم ہے وہ ربّ تعالیٰ ہے۔
اگر یہ کہا جائے کہ جب تم نے یہ بات مان لی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام ازلی ہے تو تم کو یہ لازم ہے کہ تم اس کو اس سے موصوف کرو کہ وہ مخاطبین کے وجود سے پہلے آمر اور ناہی ہو۔امر کا ثبوت مامورین کے وجود کے بغیر محال ہے۔ہم کہتے ہیں کہ جو مخالف کو التباس ہوا ہے، ایک مثال اس کو دور کرتی ہے: جو ارادہ کر کے اپنے ساتھی سے ایک ماہ کے بعد بات کرنے کا، تو وہ معانی جو لائے گا بات کرتے وقت، ان کو بذات خود اپنی ذات میں موجود پائے گا۔پھر جب وقت آئے گا تو ان کو بیان کر کے پورا کرے گا۔
اور جو اس کو جانتا ہے کہ وہ فلاں سے بات کرے گا تو اس کی ذات اس کلام کے ثبوت کی عبارات کے پائے جانے سے خالی نہیں۔بات چیت کے وقت وہ معانی ادا ہوں

گے۔ رب تعالیٰ ازل سے جانتا ہے کہ وہ اپنے بندوں کو حکم دے گا جب وہ موجود ہوں گے۔ وہ ایسا عالم ہے جو سہو اور غلطی سے پاک ہے، تو اس کا وجود ازل سے ہی اس سے خالی نہیں، اس (امر و نہی) کے جو بندوں تک پہنچے جب وہ موجود ہوں۔ اور اس (پہنچانے) کا راستہ وہ کلام ہے جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے جیسا اس کی قدرتِ قدیمہ دائمہ کا راستہ۔ اور اگر اس کی مقدورات کا وجود پہلے سے ممتنع ہو تو مقدور حادث ہے، نئے سرے سے پیدا ہونے والا، لیکن وہ ہمیشہ سے اس صفت سے موصوف ہے جو اس کی صلاحیت رکھتی ہے کہ مستقبل میں قدرت کا مقدورات سے تعلق ہو۔

9 يجب إطلاق القول بأن كلام الله تبارك و تعالى مسموع، و ليس المراد بذلك تعلق الإدراك بالكلام الأزلي القائم بالبا ری تعالى. و لكن المدرك صوت القارئ. والمفهوم عند قراء ته كلام الله سبحانه، ولا بعد في تسمية المفهوم عند مسموع: مسموعا. فهذا بمثابة ما لو بلغ مبلغ رسالة ملك فيحسن ممن بلغته الرسالة أن يقول: سمعت الملك و رسالته. و كلام الملك حديث نفسه و أصواته و من بلغ الرسالة لم ينقل صوت مرسله، ولا حديث نفسه.

و من زعم أنه سمع كلام الله تعالى من غير واسطة، فلا فرق بينه و بين موسى عليه السلام الذي خصصه الله تبارك و تعالى من بين عالمي زمانه بتكليمه. و اصطفاه باستماعه عزيز كلامه.

(العقيدة النظامية في الأركان الاسلامية. ص٢٨ تا٢٩. المؤلف: عبد الملك بن عبد الله بن يوسف بن محمد الجويني، أبو المعالي، ركن الدين، الملقب بإمام الحرمين رحمه الله (المتوفى ٤٧٨هـ). المحقق: محمد زاهد الكوثري رحمه الله. الناشر: المكتبة الأزهرية للتراث، مصر، ١٤١٢هـ)

ترجمہ یہ کہنا واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام مسموع ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ادراک کا تعلق کلام ازلی کے ساتھ ہو جو باری تعالیٰ کے ساتھ قائم ہے لیکن مُدرَک پڑھنے والے قاری کی آواز ہے۔ اس کی قراءت سے جو مفہوم ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا کلام

ہے۔ اس میں کوئی بعد نہیں کہ مفہوم کا نام مسموع کے وقت مسموع رکھا جائے تو یہ ایسے ہی ہے کہ اگر کسی کو بادشاہ کا خط پہنچے تو جس کو خط ملے، بہتر یہ ہے کہ وہ کہے میں نے بادشاہ کو یا اس کے پیغام کو سنا۔ اور بادشاہ کا کلام اس کی اپنی بات اور آواز ہے اور جس نے پیغام پہنچایا، اس نے پیغام دینے والے کی آواز اور اس کے جی کی بات نقل نہ کی۔

جو کہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ کا کلام بلا واسطہ سنا ہے تو اس میں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام میں کوئی فرق نہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے زمانے میں اہل جہان کے درمیان اپنے کلام کے لیے خاص کیا اور اپنے معزز کلام کے سماع کے لیے پسند کیا۔

10 كلام الله تبارك و تعالى مكتوب في المصاحف، مقروء بالألسنة، محفوظ في الصدور و لا يحل الكلام هذه المحال حلول الأعراض الجواهر. فإن كلام الله الأزلي لا يفارق الذات و لا يزايلها و من شد طرفا من قضايا العقول لم يسترب في أن التحول و الانتقال و الزوال من صفات الأجسام، و من الغوائل التي بلي الخلق بها، أن القول في قدم كلام الله تبارك و تعالى، و كونه مكتوبا في المصاحف أشبع في زمن الإمام أحمد بن حنبل - رحمه الله - من جهلة العوام و الرعاع الهمج فسمعوا مطلقا: أن كلام الله في المصاحف فسبقوا إلى اعتقاد ثبوت وجود الكلام الأزلي في الدفاتر، و ارتبكوا في جهالات لا يبوء بها محصل. ثم تطاول الدهر، و تمادى العصر، فرسخ هذا الكلام في قلوب الحشوية، و لولا ذلك لما خفي على من معه مسكة من عقل: أن الكلام لا ينتقل من متكلم إلى دفتر. و لا ينقلب معنى النفس الأصوات سطورا رسوما و أشكالا و رقوما، فإذن نقول -بعد الإحاطة بحقيقة هذه الفصول- كلام الله تبارك و تعالى في المصاحف مكتوب، وعلى ألسنة القراء مقروء، والصدور محفوظ، و هو قائم بذات الباري وجودا.

(العقیدة النظامیة فی الأرکان الاسلامیة۔ ص۲۹ تا ۳۱۔ المؤلف: عبد الملک بن عبد اللہ بن یوسف بن محمد الجوینی، أبو المعالی، رکن الدین، الملقب بإمام الحرمین علیہ الرحمۃ (المتوفی ۴۷۸ھ)۔ المحقق: محمد زاهد الکوثری علیہ الرحمۃ الناشر: المکتبة الأزهریة للتراث، مصر، ۱۴۱۲ھ)

ترجمہ اللہ تعالیٰ کا کلام مصاحف میں مکتوب ہے، زبانوں سے پڑھا جاتا ہے، سینوں میں محفوظ ہے۔ یہ کلام ان چیزوں میں ایسے حلول نہیں کرتا جیسے اعراض، جواہر میں حلول کرتے ہیں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام ازلی ہے۔ وہ نہ ذات سے جدا ہوتا ہے، نہ اس کو چھوڑتا ہے۔ جس نے عقل کے فیصلوں سے کسی کنارے کو مضبوط پکڑا، اس کو اس میں شک نہیں کہ پھرنا، آنا، جانا، زائل ہونا اجسام کی صفات میں سے ہے۔

ان مصائب میں سے جن کے ساتھ مخلوق مبتلا ہوئی ہے، یہ بھی ہے کہ قول: اللہ تعالیٰ کے کلام کے قدیم ہونے میں اور مصاحف میں اس کے مکتوب ہونے کا حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے زمانے میں جاہل اور بے سمجھ عوام کی طرف سے اور کچھ ایسے لوگوں کی طرف سے جن کو اس بارے میں کچھ سمجھ نہیں، پھیلا۔ ان لوگوں نے محض یہ بات سنی کہ کلام اللہ مصاحف میں ہے، تو وہ اس اعتقاد کی طرف چلے گئے کہ کلام ازلی کے وجود کا ثبوت دفاتر میں ہے۔ یہ لوگ ایسی جہالتوں میں پڑے جن سے کچھ نتیجہ نہ نکلا۔ پھر زمانہ طویل ہوا، وقت دراز ہوا، تو یہ بات حشویہ کے دلوں میں جم گئی۔

اگر یہ بات نہ ہوتی تو کسی ایسے شخص پر جس کو کچھ بھی عقل ہو، یہ بات مخفی نہیں کہ کلام متکلم سے دفتر کی طرف منتقل نہیں ہوتا، اور نفس یعنی جی کے معنی نہیں بدل جاتے اصوات کی طرف، سطور، رسوم، اشکال (رسم الخط) اور رقوم (نمبر، عدد) میں۔

تو ہم ان بحثوں کے احاطہ کے بعد کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا کلام مصاحف میں مکتوب ہے، قراء (قاریوں) کی زبانوں پر پڑھا جاتا ہے اور سینوں میں محفوظ ہے اور وجود کے لحاظ سے باری تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہے۔

10 حضرت امام غزالیؒ (المتوفی ۵۰۵ھ) کے عقائد

امام الحرمینؒ کے تلمیذِ خاص تھے۔ علامہ شبلی نعمانیؒ نے امام غزالیؒ کے حالات پر تحقیقی کتاب لکھی ہے۔ علامہ شبلیؒ نے لکھا ہے: ''آج تقریباً تمام دنیا میں الٰہیات، نبوات اور معاد کے جو معتقدات اور مسلّمات ہیں، وہی ہیں جو حضرت امام غزالیؒ کے مقرر کردہ عقائد ہیں''۔ اور وہی عقائد اشاعرہ اور ماتریدیہ سے منقول ہیں۔ البتہ کچھ مسائل میں انہوں نے امام اشعریؒ وغیرہ سے اختلاف کیا ہے۔ امام غزالیؒ کی کتاب ''الاقتصاد فی الاعتقاد'' علم عقائد میں بہت مشہور و معروف ہے۔

1 علامہ شبلیؒ نے ''الغزالی'' میں لکھا:

تنزیہ کے بارے میں بڑی کھٹک یہ تھی کہ اگر اسلام کا مقصد محض تنزیہ اور تجرید تھا تو قرآن مجید اور احادیث میں کثرت سے تشبیہ کے (موہم) الفاظ کیوں آئے؟ ''خدا قیامت کو فرشتوں کے جھرمٹ میں آئے گا، آٹھ فرشتے اس کا تخت اُٹھائے ہوئے ہوں گے، دوزخ کی تسکین کے لیے خدا اپنی ران دوزخ میں ڈال دے گا''۔ اس قسم کی بیسیوں باتیں ہیں، جو قرآن مجید یا احادیث صحیحہ میں وارد ہیں جن سے یہ گمان ہوتا ہے کہ شریعتِ اسلامی خدا کی طرف سے نہیں بلکہ انسان نے اپنے خیال کے پیمانے کے موافق خدا کی ذات وصفات ٹھہرا لیے ہیں۔

امام غزالیؒ نے اس عقدے کو اس طرح حل کیا کہ بے شبہ قرآن وحدیث میں اس قسم کے الفاظ موجود ہیں، لیکن یک جا نہیں ہیں، بلکہ جستہ جستہ متفرق مقامات پر ہیں اور چونکہ تنزیہ کے مسئلہ کو شارع نے نہایت کثرت سے بار بار بیان کر کے دلوں میں جان نشین کر دیا تھا۔ اس لیے تشبیہ کے الفاظ سے حقیقی تشبیہ کا خیال نہیں پیدا ہو سکتا تھا۔ مثلاً حدیث میں آیا ہے کہ کعبہ اللہ تعالیٰ کا گھر ہے۔ اس سے کسی شخص کو یہ خیال پیدا نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ درحقیقت کعبہ میں سکونت رکھتا ہے۔ اسی طرح قرآنِ مجید کی ان آیتوں سے بھی جن میں عرش کو اللہ تعالیٰ کا مستقر کہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے استقرار علی

العرش کا خیال نہیں آ سکتا اور کسی کو آئے تو اس کی وجہ یہ ہوگی کہ اس نے تنزیہ کی آیتوں کو نظر انداز کر دیا ہے۔ رسول اکرم ﷺ ان الفاظ کو جب استعمال فرماتے تھے تو ان ہی لوگوں کے سامنے فرماتے تھے جن کے ذہنوں میں تنزیہ وتقدیس خوب جا گزیں ہو چکی تھی۔

اس جواب پر یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ شارع نے صاف صاف کیوں نہیں کہہ دیا کہ خدا نہ متصل ہے اور نہ منفصل، نہ جوہر ہے نہ عرض۔ نہ عالم ہے نہ عالم سے باہر۔ اس قسم کی تصریحات موجود ہوتیں تو کسی کو سرے سے شبہ کا خیال ہی نہ آ سکتا تھا۔ امام صاحبؒ نے اس شبہ کو یوں رفع کیا کہ اس قسم کی تقدیس عام لوگوں کے خیال میں نہیں آ سکتی تھی۔ عام لوگوں کے نزدیک کسی چیز کی نسبت یہ کہنا کہ نہ وہ عالم میں ہے نہ عالم سے باہر، گویا یہ کہنا ہے کہ وہ شے سرے سے موجود ہی نہیں۔ بے شبہ خواص کے ذہن میں یہ تقدیس آ سکتی ہے، لیکن شارع کو تمام عالم اسلام کی اصلاح مقصود تھی جن میں بڑا حصہ عوام ہی کا تھا۔

(الغزالی ،ص۹۹، ۱۰۰ مؤلف: علامہ شبلی نعمانی ؒ (المتوفی ۱۹۱۴ء)۔طبع دارالاشاعت، کراچی ۱۴۱۲ھ)

2 پھر لکھا کہ: ''حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں جس قدر مذاہب ہیں، سب میں خدا کو بالکل انسانی اوصاف کے ساتھ مانا گیا ہے۔ توراۃ میں یہاں تک ہے کہ حضرت یعقوبؑ نے ایک رات ایک پہلوان سے کشتی لڑی اور اس کو زیر کیا۔ چنانچہ پہلوان کی ران کو صدمہ بھی پہنچا۔ صبح کو معلوم ہوا کہ وہ پہلوان خود خدا تھا۔ اسلام چونکہ تمام دنیا کے تمام مذاہب سے اعلیٰ واکمل ہے۔ اس کا خدا انسانی اوصاف سے بالکل بری ہے۔ قرآن مجید میں ہے: ''لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ''۔ یعنی اس جیسی کوئی چیز نہیں ہے۔ اور ارشاد ہے:

''فَلَا تَجْعَلُوا لِلّٰهِ أَنْدَادًا''۔ (البقرہ:۲۲)۔ (پس اللہ تعالیٰ کے لیے شریک نہ بناؤ) اللہ تعالیٰ کے لیے مثالیں اور نظیریں تلاش نہ کرو۔ اس لیے جہاں کہیں اس کے خلاف تشبیہ کے الفاظ پائے جاتے ہیں، وہ حقیقت میں مجازات اور

استعارے ہیں''۔

اسی بات کو علمائے حق نے اس طرح ادا کیا کہ ایسے الفاظ متشابہات میں داخل ہیں جن کے معانی ومطالب کو بیان نہ کر کے خدا کے علم پر محمول کر دینا چاہیے۔ لیکن فرقۂ مجسّمہ کے لوگ ان سے مراد اعضاء اور جوارح انسانی لے کر کہتے ہیں کہ اس کے ہاتھ، پاؤں، چہرہ، آنکھ وغیرہ ہیں۔ گو ہمارے جیسے نہیں۔ اور وہ تشبیہ وتجسیم والے، ہم تنزیہ والوں کو معطلہ وجہمیہ اور منکرِ صفات بتلاتے ہیں۔

3 پھر لکھا: امام غزالیؒ نے زیادہ تر (امام ابوالحسن) اشعریؒ ہی کے عقائد اختیار کیے ہیں۔ لیکن بہت سے ایسے مسائل ہیں جن میں انھوں نے علانیہ اشعریؒ کی مخالفت بھی کی ہے۔ اور ان تمام مسائل میں امام صاحبؒ ہی کا مذہب تمام اشاعرہ کا مذہب بن گیا ہے۔ مثلاً استواء علی العرش کا مسئلہ۔ امام اشعریؒ نے اپنی تصنیفات میں تصریح کے ساتھ لکھا ہے کہ استواء کے معنی استیلاء، اور قدرت کے نہیں جیسا کہ معتزلہ کا خیال ہے بلکہ وہی ظاہری معنی مراد ہیں جو عام طور پر مستعمل ہیں۔ چنانچہ کتاب المقالات میں لکھتے ہیں:

وقالت المعتزلة في قول الله -عز وجل: "الرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى) (طه:٥) يعني استولى.

(مقالات الإسلاميين واختلاف المصلين، ص۱۳۱، ۱۶۸۔ المؤلف: أبو الحسن علي بن إسماعيل بن إسحاق بن سالم بن إسماعيل بن عبد الله بن موسى بن أبي بردة بن أبي موسى الأشعري رحمه الله (المتوفى ۳۲۴ھ)۔ المحقق: نعيم زرزور۔ الناشر: المكتبة العصرية۔ الطبعة: الأولى، ۱۴۲۶ھ)

ترجمہ اور معتزلہ کہتے ہیں کہ خدا کے اس قول :الرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى (طہ:۵) میں استواء کے معنی استیلاء کے ہیں۔

لیکن امام غزالیؒ نے اسی قول کو جس کو امام اشعریؒ معتزلہ کی طرف منسوب کرتے ہیں، سنیوں کا خاص عقیدہ قرار دیا۔ چنانچہ احیاء العلوم باب العقائد میں لکھتے ہیں: استواء کا لفظ ظاہری معنی میں مستعمل نہیں ہے۔ ورنہ محال لازم آتا ہے بلکہ اس کے معنی

قہر واستیلاء کے ہیں۔

4 اسی طرح قرآن مجید میں خدا کے متعلق ید، وجہ، عین، ہاتھ، منہ، آنکھ وغیرہ جو الفاظ مذکور ہیں۔ امام اشعریؒ نے اپنی تصنیفات میں صاف تصریح کی ہے کہ حقیقی معنوں میں مستعمل ہیں۔ صرف یہ فرق ہے کہ ہمارے جیسے ہاتھ، منہ اور آنکھیں نہیں ہیں۔ لیکن امام غزالیؒ نے ''الجام العوام'' وغیرہ میں صاف تصریح کی کہ ان الفاظ سے مجازی معنی مراد ہیں۔

5 ان تمام مسائل کے متعلق جو کچھ امام غزالیؒ نے کہا، وہی آج تمام اشاعرہ بلکہ تمام سنی مسلمانوں عقیدۂ مسلّمہ ہے۔

(الغزالی، ص۱۵۹، ۱۶۰ مؤلف: علامہ شبلی نعمانیؒ (المتوفی ۱۹۱۴ء) ۔طبع دارالاشاعت، کراچی ۱۴۱۲ھ)

6 امام غزالیؒ کے استواء علی العرش کے بارے میں مشہور شعر ملاحظہ ہوں:

روی أن الزمخشری سأل الإمام الغزالی عن قول القائل: "الرحمٰن علی العرش استوی"۔ فأجاب:

(۱) قل لمن يفهم عني ما أقول   أترك البحث فذا شرح يطول

ترجمہ جو شخص استواء علی العرش کی حقیت سمجھنا چاہے، اس سے کہہ دو کہ اس کی تفتیش کو چھوڑ دو، اس کی شرح بہت طویل ہے۔

(۲) ثم سر غامض من دونه   ضربت بالسيف أعناق الفحول

ترجمہ یہ ایک سربستہ راز ہے جس کے سامنے بڑے بڑے علماء کی گردنیں خم ہیں۔

(۳) أنت لا تعرف إياك ولم   تدر من أنت ولا كيف الوصول

ترجمہ اے مخاطب! تو اپنی ہی حقیقت سے واقف نہیں کہ تو کون ہے؟ اور کس طرح ہے؟

(۴) لا ولا تدری صفات ركبت   فيك حارت فی خفاياها العقول

ترجمہ اور نہ ان صفات کو جانتا ہے کہ جو تیرے میں پیوست ہیں۔ ان کے اسرار ودقائق کے ادراک میں عقلیں حیران ہیں۔

(۵) أين منك الروح فی جوهرها   هل تراها أو ترى كيف تجول

ترجمہ بتلاؤ کہ روح کہاں ہے؟ اور اس کی حقیقت کیا ہے؟ اور کیا اس کو دیکھتے ہو؟ اور کس طرح وہ حرکت کرتی ہے؟

(۶) أنت أكل الخبز لا تعرفه   كيف يجری فيك أم كيف يؤول

ترجمہ تمہیں تو یہ بھی اچھی طرح معلوم نہیں کہ کس طرح کھانا اندر پہنچتا ہے؟ اور کس طرح پیشاب آتا ہے؟

(۷) فإذا كانت طواياك التی   بين جنبيك بها أنت جهول

ترجمہ پس جب تم اپنے ہی پہلو میں موجود انتڑیوں ہی کی حقیقت اور کنہ سے بے خبر ہو۔

(۸) كيف تدری من علی العرش استوی   لا تقل كيف استوی كيف الوصول

ترجمہ تو تم استواء علی العرش اور نزول الی السماء الدنیا کی کیفیت اور حقیقت کس طرح جان سکتے ہو؟!!

(۹) فهو لا كيف ولا أين له   هو رب الكيف والكيف يحول

ترجمہ خدا تعالیٰ ''کیف'' اور ''این'' سب سے منزہ ہے۔ اس لئے کہ وہ تو ''این'' اور ''کیف'' سب کا خالق اور رب ہے۔

(۱۰) وهو فوق الفوق لا فوق له   وهو فی كل النواحی لا يزول

ترجمہ وہ فوق الفوق اور وراء الوراء ہے۔ اس کے اوپر کوئی نہیں۔ وہی سب جگہ حاضر وناظر ہے۔

(۱۱) جل ذاتاً وصفات وعلا   وتعالى ربنا عما نقول

ترجمہ حق تعالیٰ اپنی ذات وصفات میں اعلیٰ اور برتر ہے۔ جو کچھ ہم کہتے ہیں، اس سب سے برتر ہے۔

(مجانی الأدب فی حدائق العرب، ج ۴ ص ۴، ۵۔ المؤلف: رزق الله بن يوسف بن عبد المسيح بن يعقوب شيخو (المتوفى ۱۳۴۶ھ)۔ الناشر: مطبعة الآباء اليسوعيين، بيروت۔ عام النشر ۱۹۱۳ء)

1 احیاء العلوم میں بیان کردہ عقائد

عَقِيدَةُ أَهْلِ السُّنَّةِ فِي كَلِمَتَي الشَّهَادَةِ الَّتِي هي أحد مباني الإسلام فنقول: وبالله التوفيق۔

1 صفاتِ باری تعالیٰ کے بنیادی عقائد

ألحمد لله، المبدئ، المعيد، الفعال لما يريد، ذی العرش المجيد، والبطش الشديد، الهادی صفوة العبيد إلى المنهج الرشيد، و المسلك السديد، المنعم عليهم بعد شهادة التوحيد بحراسة عقائدهم عن ظلمات التشكيك والترديد، السالك بهم إلى اتباع رسوله المصطفى، واقتفاء آثار صحبه الأكرمين المكرمين بالتأييد والتسديد، المتجلی لهم فی ذاته وأفعاله بمحاسن أوصافه، التی لا يدركها إلا من ألقى السمع وهو شهيد، المعرف إياهم۔

1 أنه فی ذاته واحد، لا شريك له، فرد، لا مثيل له، صمد، لا ضد له، منفرد، لا ند له، وأنه واحد، قديم، لا أول له، أزلی، لا بداية لَهُ، مُسْتَمِرُّ الْوُجُودِ، لَا آخِرَ لَهُ، أَبَدِيٌّ، لا نهاية له، قيوم، لا انقطاع لَهُ، دَائِمٌ، لَا انْصِرَامَ لَهُ، لَمْ يَزَلْ ولا يزال، موصوفاً بنعوت الجلال۔ لَا يُقْضٰى عَلَيْهِ بِالِانْقِضَاءِ وَالِانْفِصَالِ بِتَصَرُّمِ الْآبَادِ وانقراض الآجال، بل هُوَ الْأَوَّلُ، وَالْآخِرُ، وَالظَّاهِرُ، وَالْبَاطِنُ، وَهُوَ بِكُلِّ شیء عليم۔

2 اَلتَّنْزِيهُ: وَأنه لَيْسَ بجسم مُصَور، وَلَا جَوْهَر مَحْدُود مُقَدّر، وَأنه لَا يماثل الْأَجْسَام، لَا فِي التَّقْدِير، وَلَا فِي قبُول الانقسام۔ وَأنه لَيْسَ بجوهر وَلَا تحله الْجَوَاهِر وَلَا بِعَرَض وَلَا تحله الْأَعْرَاض بل لَا يماثل

مَوْجُودا، وَلَا يماثله مَوْجُود، لَيْسَ كمثله شَيْءٌ، وَلَا هُوَ مثل شَيْء۔ وَأنه لَا يحده الْمِقْدَار، وَلَا تحويه الأقطار، وَلَا تحيط بِهِ الْجِهَات، وَلَا تكتنفه الأرضون، وَلَا السَّمٰوَات۔ وَأَنه مستوى على الْعَرْش على الْوَجْه الَّذِى قَالَه، وبالمعنى الَّذِى أَرَادَهُ اسْتِوَاء منزهاً عَن المماسة، والاستقرار، والتمكن، والحلول، والانتقال۔ لَا يحملهُ الْعَرْش بل الْعَرْش وَحَمَلَتُه محمولون بلطف قدرته، ومقهورون فِي قَبضته، وَهُوَ فَوق الْعَرْش وَالسَّمَاء، وَفَوق كل شَيْء إِلٰى تخوم الثرى فوقية لَا تزيده قرباً إِلَى الْعَرْش وَالسَّمَاء كَمَا لَا تزيده بعداً عَن الأَرْض وَالثَّرى بل هُوَ رفيع الدَّرَجَات عَن الْعَرْش وَالسَّمَاء كَمَا أَنه رفيع الدَّرَجَات عَن الأَرْض وَالثَّرى، وَهُوَ مَعَ ذٰلِك قريب من كل مَوْجُود، وَهُوَ أقرب إِلَى العَبْد من حَبل الوريد وَهُوَ على كل شَيْءٍ شَهِيد إِذا لَا يماثل قربه قرب الْأَجْسَام كَمَا لَا تماثل ذَاته ذَات الْأَجْسَام وَأنه لَا يحل فِي شَيْءٍ وَلَا يحل فِيهِ شَيْء۔ تَعَالٰى عَن أَن يحويه مَكَان كَمَا تقدس عَن أَن يحده زمَان بل كَانَ قبل أَن خلق الزَّمَان وَالْمَكَان، وَهُوَ الْآن على مَا عَلَيْهِ كَانَ وَأنه بَائِن عَن خلقه بصفاته، لَيْسَ فِي ذَاته سواهُ وَلَا فِي سواهُ ذَاته۔ وَأَنه مقدس عَن التَّغْيِير والانتقال لَا تحله الْحَوَادِث وَلَا تعتريه الْعَوَارِض بل لَا يزَال فِي نعوت جَلَاله منزهاً عَن الزَّوَال وَفِي صِفَات كَمَاله مستغنياً عَن زِيَادَة الاستكمال وَأَنه فِي ذَاته مَعْلُوم الْوُجُود بالعقول مرئى الذَّات بالأبصار نعْمَة مِنْهُ ولطفاً بالأبرار فِي دَار الْقَرار وإتماماً مِنْهُ للنعيم بِالنّظرِ إِلٰى وَجهه الْكَرِيم۔

3 الحياة والقدرة: وَأَنَّهٗ تَعَالٰى حَيٌّ، قَادِرٌ، جَبَّارٌ، قَاهِرٌ، لَا يَعْتَرِيهِ قُصُورٌ، وَلَا عَجْزٌ، وَلَا تَأْخُذُهٗ سِنَةٌ، وَلَا نَوْمٌ، وَلَا يُعَارِضُهٗ فَنَاءٌ، وَلَا مَوْتٌ، وأنه ذو الملك، والملكوت، والعزة، والجبروت، له السلطان،

والقهر، والخلق، والأمر، والسموات مطويات بيمينه، والخلائق مقهورون فى قبضته. وَأَنَّهُ الْمُنْفَرِدُ بِالْخَلْقِ وَالِاخْتِرَاعِ. الْمُتَوَحِّدُ بِالْإِيجَادِ وَالْإِبْدَاعِ. خلق الخلق وأعمالهم، وقدر أرزاقهم وآجالهم، لا يشذ عن قبضته مقدور، ولا يعزب عن قدرته تصاريف الأمور، لا تحصى مقدوراته ولا تتناهى معلوماته.

4 **العلم:** وَأَنَّهُ عَالِمٌ بِجَمِيعِ الْمَعْلُومَاتِ، مُحِيطٌ بِمَا يَجْرِي من تخوم الأرضين إلى أعلى السموات، وأنه عالم لَا يَعْزُبُ عَنْ عِلْمِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ، بَلْ يَعْلَمُ دَبِيبَ النَّمْلَةِ السَّوْدَاءِ عَلَى الصَّخْرَةِ الصَّمَّاءِ فِي اللَّيْلَةِ الظَّلْمَاءِ، وَيُدْرِكُ حَرَكَةَ الذَّرِّ فِي جَوِّ الْهَوَاءِ، وَيَعْلَمُ السِّرَّ وَأَخْفَى، وَيَطَّلِعُ عَلَى هَوَاجِسِ الضَّمَائِرِ، وَحَرَكَاتِ الْخَوَاطِرِ، وَخَفِيَّاتِ السَّرَائِرِ، بِعِلْمٍ قَدِيمٍ، أَزَلِيٍّ لَمْ يَزَلْ مَوْصُوفًا بِهِ فِي أَزَلِ الْآزَالِ، لا بعلم متجدد حاصل فى ذاته بالحلول والانتقال.

5 **الإرادة:** وأنه تعالى مريد لِلْكَائِنَاتِ، مُدَبِّرٌ لِلْحَادِثَاتِ، فَلَا يَجْرِي فِي الْمُلْكِ والملكوت، قليل أو كثير، صغير أو كبير، خير أو شر، نفع أو ضر، إيمان أو كفر، عرفان أو نكر، فوز أو خسران، زيادة أو نقصان، طاعة أو عصيان، إِلَّا بِقَضَائِهِ وَقَدَرِهِ وَحِكْمَتِهِ وَمَشِيئَتِهِ. فَمَا شَاءَ كَانَ، وَمَا لَمْ يَشَأْ لَمْ يَكُنْ، لَا يخرج عن مشيئته لفتة ناظر، ولا فلتة خاطر، بل هو المبدئ المعيد، الفعال لما يريد، لا راد لأمره، ولا معقب لقضائه، ولا مهرب لعبد عن معصيته إلا بتوفيقه ورحمته.

ولا قوة له على طاعته، إلا بمشيئته وإرادته، فلو اجتمع الإنس والجن والملائكة والشياطين على أن يحركوا فى العالم ذرة أو يسكنوها دون إرادته ومشيئته لعجزوا عن ذلك.

وأن إرادته قائمة بذاته فى جملة صفاته لم يزل كذلك موصوفاً بها. مريداً فى أزله لوجود الأشياء فى أوقاتها التى قدرها فوجدت فى أوقاتها كما أراده فى أزله من غير تقدم ولا تأخر بل وقعت على وفق علمه وإرادته من غير تبدل ولا تغير. دبر الأمور لا بترتيب أفكار ولا تربص زمان. فلذلك لم يشغله شأن عن شأن.

6 **السمع والبصر:** وأنه تعالى سميع، بصير، يسمع، ويرى، ولا يعزب عَنْ سَمْعِهِ مَسْمُوعٌ وَإِنْ خَفِيَ. وَلَا يَغِيبُ عَنْ رُؤْيَتِهِ مَرْئِيٌّ وَإِنْ دَقَّ. وَلَا يَحْجُبُ سمعه بعد ولا يدفع رؤيته ظلام. يرى من غير حدقة وأجفان، ويسمع من غير أصمخة وآذان، كما يعلم بغير قلب، ويبطش بغير جارحة، ويخلق بغير آلة، إذ لا تشبه صفاته صفات الخلق كما لا تشبه ذاته ذوات الخلق.

7 **الكلام:** وأنه تعالى متكلم، آمر، ناه، واعد، متوعد، بكلام أزلى، قديم، قائم بذاته، لا يشبه كلام الخلق. فليس بصوت يحدث من انسلال هواء، أو اصطكاك أجرام، ولا بحرف ينقطع بإطباق شفة، أو تحريك لسان.

وَأَنَّ الْقُرْآنَ وَالتَّوْرَاةَ وَالْإِنْجِيلَ وَالزَّبُورَ كُتُبُهُ الْمُنَزَّلَةُ على رسله عليهم السلام. وأن القرآن مقروء بالألسنة، مكتوب فى المصاحف، محفوظ فى القلوب. وأنه مع ذلك قديم، قائم بذات الله تعالى، لا يقبل الانفصال، والافتراق، بالانتقال إلى القلوب والأوراق. وأن موسى صلى الله عليه وسلم سمع كلام الله بغير صوت، ولا حرف، كما يرى الأبرار ذات الله تعالى فى الآخرة من غير جوهر ولا عرض.

وإذا كانت له هذه الصفات كان حياً، عالماً، قادراً، مريداً، سميعاً، بصيراً، متكلماً، بالحياة، والقدرة، والعلم، والإرادة، والسمع،

والبصر، والكلام، لا بمجرد الذات۔

8 الأفعال: وَأَنَّهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰى لَا مَوْجُودَ سِوَاهُ إِلَّا وَهُوَ حَادِثٌ بِفِعْلِهٖ وَفَائِضٌ مِنْ عَدْلِهٖ عَلٰى أَحْسَنِ الْوُجُوهِ وَأَكْمَلِهَا وَأَتَمِّهَا وَأَعْدَلِهَا ۔ وَأَنَّهُ حَكِيمٌ فی أفعاله، عادل فی أقضيته، لا يقاس عدله بعدل العباد، إذ العبد يتصور منه الظلم بتصرفه فی ملك غيره۔

ولا يتصور الظلم من الله تعالى، فإنه لا يصادف لغيره ملكاً حتى يكون تصرفه فيه ظلماً ۔ فَكُلُّ مَا سِوَاهُ مِنْ إِنْسٍ، وَجِنٍّ، وَمَلَكٍ، وشيطان، وسماء، وأَرض، وحيوان، ونبات، وجماد، وجوهر، وعرض، وَمُدْرَكٍ، وَمَحْسُوسٍ، حَادِثٌ، اخْتَرَعَهُ بِقُدْرَتِهٖ بَعْدَ الْعَدَمِ اخْتِرَاعًا، وَأَنْشَأَهُ إِنْشَاءً بَعْدَ أَنْ لَمْ يَكُنْ شيئاً، إذ كان مَوْجُودًا وَحْدَهُ، وَلَمْ يَكُنْ مَعَهُ غَيْرُهُ۔ فَأَحْدَثَ الْخَلْقَ بَعْدَ ذٰلِكَ إِظْهَارًا لِقُدْرَتِهٖ وَتَحْقِيقًا لِمَا سَبَقَ مِنْ إِرَادَتِهٖ وَلِمَا حَقَّ فِي الْأَزَلِ مِنْ كَلِمَتِهٖ، لَا لِافْتِقَارِهٖ إِلَيْهِ وَحَاجَتِهٖ۔

وَأَنَّهُ متفضل بالخلق والاختراع والتكليف لا عن وجوب وَمُتَطَوِّلٌ بِالْإِنْعَامِ وَالْإِصْلَاحِ لَا عَنْ لُزُومٍ۔ فَلَهُ الفضل والإحسان والنعمة والامتنان، إذ كان قادراً على أن يصب على عباده أنواع العذاب ويبتليهم بضروب الآلام والأوصاب۔ ولو فعل ذلك لكان منه عدلاً ولم يكن منه قبيحاً ولا ظلماً ۔

وأنه عز وجل يثبت عِبَادَهُ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الطَّاعَاتِ بِحُكْمِ الْكَرَمِ وَالْوَعْدِ لا بحكم الاستحقاق واللزوم لَهُ إِذْ لَا يَجِبُ عَلَيْهِ لِأَحَدٍ فِعْلٌ وَلَا يُتَصَوَّرُ مِنْهُ ظُلْمٌ، وَلَا يَجِبُ لِأَحَدٍ عليه حق۔

وأن حقه فی الطاعات وجب عَلَى الْخَلْقِ بِإِيجَابِهٖ عَلٰى أَلْسِنَةِ أَنْبِيَائِهٖ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ لَا بِمُجَرَّدِ الْعَقْلِ، وَلٰكِنَّهُ بَعَثَ الرُّسُلَ وَأَظْهَرَ صِدْقَهُمْ بِالْمُعْجِزَاتِ الظَّاهِرَةِ فَبَلَّغُوا أَمْرَهُ وَنَهْيَهُ ووعده ووعيده

فوجب على الخلق تصديقهم فيما جاءوا به۔

(إحياء علوم الدين، ج۱ ص۹۸ تا۱۱۱۔ المؤلف:أبو حامد محمد بن محمد الغزالی الطوسی (المتوفی ۵۰۵ھ)۔الناشر: دار المعرفة، بيروت)

ترجمہ اہل السنت والجماعت کے عقائد کے بیان میں جس کی بنیاد کلمہ طیبہ: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ ہے۔ یہ کلمہ اسلام کے بنیادی ارکان میں سے ایک ہے۔

حمد سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں، جو پیدا کرنے والا اور پھر لوٹانے والا ہے۔ جو چاہے وہی کرتا ہے۔ عظمت والے عرش کا مالک ہے اور سخت پکڑ کرنے والا ہے۔ اپنے منتخب بندوں کو راہِ ہدایت اور سیدھی راہ کی طرف چلانے والا ہے۔ توحید کی شہادت دینے والوں کو شک وشبہ کے اندھیروں سے نکالتا ہے اور ان کی حفاظت کی صورت میں ان پر انعام کرتا ہے۔ انھیں اپنے چُنے ہوئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع اور محترم ومکرم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نشانِ قدم پر چلاتا ہے۔ ان پر اپنی ذات اور افعال کو اچھی خوبیوں کے ساتھ روشن کرتا ہے۔ ان سب چیزوں کا ادراک فقط وہی کرسکتا ہے جو اس طرف دھیان کرتا ہے اور حاضر بارگاہ رہتا ہے۔ وہ انھیں اپنی ذات والا کی معرفت عطا فرماتا ہے۔

1 **عقیدۂ وحدانیت**

یعنی اس بات سے آگاہ ہونا کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں اکیلا ہے، کوئی اس کا شریک نہیں ہے۔ وہ یکتا ہے، اس جیسا کوئی نہیں۔ وہ صمد ہے، کوئی اس کا مقابل نہیں۔ نرالا ہے، کوئی اس کے جوڑ کا نہیں، وہ اکیلا، قدیم اور ازلی ہے، جس کا اول اور ابتداء نہیں، ہمیشہ کو قائم، ابدی ہے جس کا آخر اور انتہاء نہیں۔ قیوم ہے کہ اس کو انقطاع نہیں۔ اور دائم ہے جس کو کبھی فنا نہیں۔ بزرگی کی صفتوں سے موصوف ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ زمانوں اور مدتوں کے گزرنے اور طے ہوجانے سے اس کو نہیں کہہ سکتے کہ ہو چکا بلکہ وہی اول (سب سے پہلا)، وہی آخر (سب سے آخری)، وہی ظاہر اور وہی باطن ہے۔ اور وہی ہر چیز کو کامل جاننے والا ہے۔

2 تنزیہ باری تعالیٰ کا عقیدہ

اللہ تعالیٰ جسم نہیں ہے جس کی کوئی مخصوص شکل وصورت ہو۔ وہ ایسا جوہر بھی نہیں ہے جو حدود وقیود رکھتا ہو، وہ مقداری بھی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ اجسام کے مماثل نہیں ہے۔ وہ تقدیری اور حقیقی تقسیم کو قبول نہیں کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نہ تو جوہر ہے اور نہ ہی جوہر کی اصطلاح اس کے لیے جائز ہے۔ وہ نہ عرض ہے اور نہ ہی عرض کی اصطلاح اس کے لیے جائز ہے، بلکہ وہ کسی بھی وجود کے ساتھ مماثلت نہیں رکھتا اور نہ کوئی وجود اس کے ساتھ مماثلت رکھتا ہے۔ اس کی ذات: "لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ" (شوریٰ:11) (کوئی چیز اُس کے مثل نہیں ہے) ہے۔ کوئی بھی چیز اس کے مثل نہیں ہے۔ وہ نہ مقدار سے ناپا جاسکتا ہے، نہ اطراف اس کا احاطہ کرسکتی ہیں۔ جہت وسمت اس کو گھیر نہیں سکتیں۔ آسمان وزمین اس کا احاطہ نہیں کرسکتے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات عرش پر مستوی ہے جیسا کہ اس کا فرمان ہے اور جس معنی کا اس نے ارادہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا عرش پر استواء مماست (چھونے)، استقرار، تمکن، حلول اور انتقال وحرکت سے منزہ اور مبرا ہے۔ عرش اللہ تعالیٰ کی ذات کو اُٹھائے ہوئے نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ عرش اور حاملینِ عرش کو اپنی قدرت سے اُٹھائے ہوئے ہے۔ سب اس کے قبضہ وقدرت سے مجبور ومقہور ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات عرش، آسمانوں بلکہ ہر چیز یہاں تک کہ تحت الثریٰ سے بھی بہت بلندوبالا ہے۔ عرش اور آسمانوں کے قریب ہونے سے اس کی قربت میں اضافہ نہیں ہوتا ہے اور زمین اور تحت الثریٰ سے دور ہونا اس سے دوری کا سبب نہیں بنتی بلکہ وہ عرش اور آسمان سے بہت بلند درجات والا ہے جیسا کہ زمین اور تحت الثریٰ سے بھی بہت بلند درجات والا ہے۔ اس کے باوجود وہ ہر موجودات سے بہت قریب ہی ہے۔ اور وہ انسان سے اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے اور وہ ہر چیز پر حاضر وناظر بھی ہے۔ اس کی قربت اجسام کی قربت کی طرح نہیں ہے جیسا کہ اس کی ذات اجسام کی طرح نہیں ہے۔ وہ نہ تو کسی چیز میں حلول کرتا ہے اور نہ کوئی چیز اس میں حلول کرسکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے کہ کوئی مکان اس کا احاطہ کرسکے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات حدود وقیود سے پاک ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کی ذات

زمان ومکان کی پیدائش سے پہلے ہے، وہ آج بھی اسی طرح ہے جیسا کہ وہ پہلے تھی۔ وہ اپنی صفات کے لحاظ سے مخلوق سے جدا اور بائن ہے۔ اس کی ذات کے مثل کوئی نہیں ہے، نہ مثلیت میں اس کی ذات جیسا ہے۔ اللہ تعالیٰ تغیر اور انتقال سے پاک ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے حوادث نہیں ہوسکتے اور نہ ہی اس کو عوارض لاحق ہوسکتے ہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کی ذات اپنی عظمت وشان کے ساتھ ہمیشہ سے متصف ہے۔ وہ زوال سے منزہ اور بری ہے۔ وہ صفاتِ کمال کے لحاظ سے تکمیل سے مستغنی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات عقلاً معلوم الوجود ہے، وہ اپنے فضل ونعمت سے قابلِ رؤیت ہے۔ وہ دارِ قرار (جنت) میں نیک لوگوں کے ساتھ لطف وکرم کرنے والا ہے اور اتمامِ نعمت کرتے ہوئے جنتیوں کے لیے وجہ کریم کا دیدار بھی کرائے گا۔

3 صفتِ حیات وقدرت

بلاشک وشبہ اللہ تعالیٰ زندہ ہے اور قدرت رکھنے والا ہے۔ وہ جبار اور قاہر ہے۔ کوتاہی اور عاجزی اس کو لاحق نہیں ہوتی۔ نہ اسے اونگھ آتی ہے اور نہ نیند۔ نہ اس کے لیے فنا اور موت ہے۔ وہ بادشاہی اور ملکوت کا مالک ہے اور عزت وجبروت والا ہے۔ سلطنت، قہر، خلق اور امر سب اسی کا ہے۔ آسمان اس کے داہنے ہاتھ میں ہے۔ مخلوقات سب کی سب اس کی مٹھی میں ہے۔ پیدا کرنے اور ایجاد کرنے میں وہ یکتا ہے۔ کسی چیز کو ابتدائی وجود دینے اور بغیر کسی نمونہ کے پیدا کرنے میں وہ منفرد ہے۔ اس نے مخلوق اور اس کے اعمال کو پیدا کیا اور ان کے رزق اور موت کا اندازہ مقرر فرمایا۔ کوئی بھی چیز اس کے قبضۂ قدرت سے باہر نہیں ہے۔ معاملات میں تغیرات اس کی قدرت سے جدا نہیں۔ اس کے دستِ قدرت کی چیزیں نہ شمار کی جاسکتی ہیں۔ نہ ہی اس کی معلومات کی کوئی حد وانتہاء ہے۔

4 صفتِ علم

اللہ تعالیٰ سب معلومات کو جانتا ہے۔ زمین کی تہوں سے لے کر آسمان کے اوپر تک جو کچھ ہوتا ہے، سب پر محیط ہے۔ اس کے علم سے ایک ذرہ بھی آسمان اور زمین میں پوشیدہ نہیں، بلکہ کالی رات میں سخت پتھر پر چیونٹی کے رینگنے کو اور ہوا کے بیچ میں ذرہ

کے چلنے کو جانتا ہے۔ چھپی ہوئی اور کھلی ہوئی بات کو معلوم کر لیتا ہے اور ذہنوں کے وسوسوں اور دلوں کی حرکات وسکنات اور باطن کے پوشیدہ راز پر مطلع ہوتا ہے۔ اس کا علم قدیم اور ازلی ہے، جس سے وہ ازل میں موصوف رہا ہے۔ اس کا علم نیا نہیں، اور نہ ہی اس کی ذات میں آنے کی وجہ سے حاصل ہوا ہے۔

5 صفتِ ارادہ

اللہ تعالیٰ نے کائنات کو ارادہ سے بنایا اور نو پیدا چیزوں کا انتظام وتدبیر بھی وہی کرتا ہے کہ ملک اور ملکوت میں جو کچھ تھوڑا یا بہت، چھوٹا یا بڑا، خیر یا شر، نفع یا نقصان، ایمان یا کفر، معرفت یا جہالت، کامیابی یا محرومی، زیادتی یا کمی، طاعت یا معصیت ہوتی ہے، وہ سب اس کے فیصلے اور تقدیر، قدرت، حکمت اور مشیئت کے تحت ہوتی ہے۔ وہ جس چیز کو چاہتا ہے، وہ ہو جاتی ہے اور جسے نہیں چاہتا، وہ نہیں ہوتی۔ پلک کا جھپکنا ہو، دل میں خیال کا آنا، اس کی خواہش سے بغیر نہیں۔ وہی ابتدائی طور پر پیدا کرنے اور پھر قیامت کے دن لوٹانے والا ہے۔ وہ جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے۔ کسی کو اس کے حکم کو ٹالنے کی مجال نہیں۔ اس کے فیصلے کو کوئی پیچھے نہیں کر سکتا۔ اس کی رحمت اور توفیق کے بغیر اس کی نافرمانی سے بچنا محال ہے۔ اس کی اطاعت وبندگی، اس کی خواہش اور ارادے کے بغیر ممکن نہیں۔ اگر سبھی انسان، جن، فرشتے اور شیطان دنیا میں کسی ذرے کو حرکت دینے پر اتفاق کر لیں، یا اسے ٹھہرانا چاہیں تو اللہ تعالیٰ کی مشیئت اور ارادے کے بغیر وہ ایسا کرنے سے عاجز رہیں گے۔ دیگر صفات کے ساتھ ساتھ اس کا ارادہ اس کی ذات میں قائم ہے اور وہ ہمیشہ سے اس سے متصف ہے۔ اس نے اشیاء کا وجود کا ازل میں ان کے اوقات پر ہونے کا ارادہ فرمایا۔ چنانچہ ازل میں اس نے جیسا ارادہ کیا اسی ارادے کے مطابق ہر چیز بغیر کسی تقدیم وتاخیر کے اپنے وقت پر ظاہر ہوئی۔ بلکہ کسی تغیر وتبدل کے بغیر اس کے علم وارادہ کے مطابق واقع ہوئی۔ اس نے امور کی تدبیر اس طرح سے کی کہ اس میں افکار کی ترتیب کی نوبت نہ آئی اور نہ ہی کسی تاخیر کا سامنا کرنا پڑا۔ اسی بنا پر اس کا کوئی کام اسے دوسرے کام سے غافل نہیں کرتا۔

6 صفتِ سمع وبصر (سننا اور دیکھنا)

اللہ تعالیٰ سمیع اور بصیر ہے۔ سنتا اور دیکھتا ہے۔ سنی جانے والی کوئی چیز اس کی سماعت سے باہر نہیں جاتی۔ اگرچہ وہ پوشیدہ ہو۔ اور دیکھنے کی کوئی چیز کیسی ہی باریک ہو، اس کے دیکھنے سے بچ نہیں سکتی۔ دوری اس کے سننے میں حائل ہوتی، نہ ہی تاریکی اس کے دیکھنے میں رکاوٹ بنتی ہے۔ وہ آنکھوں کی پتلیوں اور پلکوں کے بغیر دیکھتا ہے۔ کانوں اور ان کے سوراخوں سے پاک ہے۔ جیسے وہ دل کے بغیر جانتا ہے اور کسی عضو کے بغیر پکڑتا ہے اور کسی آلہ کے بغیر پیدا کرتا ہے۔ اس لیے کہ جس طرح اس کی صفتیں مخلوق کی صفتوں کی طرح نہیں ہے اور جیسے اس کی ذات مخلوق کی ذات کی طرح نہیں ہے۔

7 صفتِ کلام

اللہ تعالیٰ کلام کرنے والا، حکم دینے والا اور منع کرنے والا ہے۔ اس کا کلام ازلی اور قدیم ہے جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے۔ اس کا کلام لوگوں کے کلام کے مشابہ نہیں کہ جیسے ہوا کے چلنے یا ستاروں کے ٹوٹنے یا اجسام کی رگڑ سے آواز پیدا ہوتی ہے۔ وہ کلام ہونٹوں کے کھلنے یا بند ہونے سے یا زبان کی حرکت سے پیدا نہیں ہوتا۔ وہ ان سب سے منفرد ہے۔ قرآن، تورات، انجیل اور زبور اس کی کتابیں ہیں، جو اس کے انبیاء پر نازل ہوئیں۔ قرآن مجید زبانوں سے پڑھا جاتا ہے۔ اور اوراق پر لکھا جاتا ہے۔ اور سینوں میں محفوظ کیا جاتا ہے۔ اس کے باوجود یہ کلام قدیم ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہے۔ اوراق کی طرف منتقل ہو کر اس سے جدا نہیں ہوتا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا کلام، آواز اور حروف کے بغیر سنا۔ جس طرح قیامت کے دن نیکوکار اللہ تعالیٰ کا دیدار یوں کریں گے کہ نہ تو وہ جوہر (جو خود قائم ہو) ہوگا اور نہ ہی عرض (جو دوسری چیز کے ساتھ قائم ہوتا ہے)۔ وہ جب ان صفات سے موصوف ہے تو وہ حیات اور قدرت، علم اور ارادہ، سماعت وبصارت اور کلام کی وجہ سے زندہ ہے۔ عالم وقادر ہے، ارادہ کرنے والا، سننے والا، دیکھنے والا اور کلام کرنے والا ہے۔ فقط اپنے ذات کی بنا پر نہیں۔

8 صفتِ افعال

اللہ تعالیٰ کے سوا جو کچھ موجود ہے، وہ اس کے فعل سے پیدا ہوا اور اسی کے عدل کا فیضان ہے۔ اور وہ نہایت اچھے طریقے پر، حد درجہ کامل وتمام اور منصفانہ طور پر پیدا ہوا۔ اللہ تعالیٰ اپنے افعال میں حکیم اور اپنے احکام میں عادل ہے۔ اس کے عدل کو بندوں کے عدل پر قیاس نہیں کر سکتے۔ اس لیے کہ بندے سے ظلم کا تصور بھی کیا جا سکتا ہے، اس طرح کہ غیر کے ملک میں تصرف کرے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے متعلق ظلم کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور مالک نہیں کہ اس کا تصرف ظلم بن جائے۔ اس کے سوا جو کچھ بھی ہے، چاہے انسان ہوں، جن ہوں، فرشتے ہوں، یا شیطان، آسمان ہو یا زمین، حیوانات ہوں یا نباتات، یا جمادات، یا پھر جوہر وعرض، اس چیز کا ادراک ہوتا ہو یا وہ محسوسات میں سے ہو، سب کا سب حادث ہے۔ اس نے اپنی قدرت سے اس کو عدم سے وجود عطا کیا اور اس کے بعد کہ جو کچھ نہیں تھا اسے پیدا کیا۔ کیونکہ ازل میں وہ اکیلا موجود تھا، دوسرا کوئی اس کے ساتھ نہ تھا۔ اس کے بعد اپنی قدرت کے ظاہر کرنے اور اپنے سابقہ ارادے کو ثابت کرنے کے لیے مخلوق کو پیدا کیا۔ اور اس لیے بھی کہ ازل میں یہ بات طے ہو چکی تھی۔ اس لیے نہیں کہ اس کو مخلوق کی کچھ حاجت اور ضرورت تھی۔

اس نے مخلوق کو پیدا کر کے اور اس کو مکلف بنا کر احسان فرمایا۔ اس لیے نہیں کہ یہ عمل اس پر واجب تھا بلکہ اس نے انعامات سے نوازا اور اصلاح کی اور یہ بات اس پر لازم نہ تھی۔ لہٰذا وہی فضل واحسان کرنے والا اور نعمت عطا کرنے والا ہے۔ کیونکہ

۱ وہ اپنے بندوں کو طرح طرح کے عذاب میں ڈال دینے پر قادر تھا۔

۲ وہ انھیں مختلف قسم کی تکالیف اور مصیبتوں میں مبتلا کر سکتا تھا۔

اگر اس کی طرف سے ایسا ہو جاتا تو یہ ایک عادلانہ بات ہوتی، کوئی برائی یا ظلم نہ ہوتا۔ اللہ تعالیٰ اپنے وعدے اور کرم کے مطابق اپنے مؤمن بندوں کو ان کی عبادتوں پر ثواب عطا فرماتا ہے۔ اپنی ذات پر لازم ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ بندوں کا حق ہونے کی بنا یہ عطا ہوتی ہے۔ اس لیے کہ اس پر کسی کے لیے کوئی فعل واجب نہیں اور

نہ ہی اس کے حوالے سے ظلم کا تصور کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی اس پر کسی کا کوئی حق واجب ہے۔ البتہ مخلوق پر اس کی عبادتوں کا حق واجب ہے جو اس نے اپنے نبیوں کی زبانی لازم وواجب کیا اور یہ فقط عقل کی بنا پر نہیں بلکہ اس نے اپنے رسول بھیجے اور معجزوں کے ذریعے ان کی سچائی ثابت کی۔ انھوں نے اس کے امر ونہی اور وعدہ ووعید کو لوگوں تک پہنچایا۔ چنانچہ جو کچھ انبیاء کرام علیہم السلام لائے ہیں لوگوں کے لیے وہ احکام اور انبیاء کرام علیہم السلام کو سچا ماننا واجب ہے۔

2 صفتِ استواء علی العرش

الإستواء: الْعلم بِأَنَّهُ تَعَالىٰ مستوٍ على عَرْشه بِالْمَعْنَى الَّذِي أَرَادَ الله تَعَالىٰ بالاستواء۔ وَهُوَ الَّذِي لَا يُنَافِي وصف الْكِبْرِيَاء، وَلَا يتَطَرَّق إِلَيْهِ سمات الْحُدُوث والفناء۔ وَهُوَ الَّذِي أُرِيد بالاستواء إِلَى السَّمَاء، حَيْثُ قَالَ فِي الْقُرْآن: "ثُمَّ اسْتَوٰى إِلَى السَّمَاءِ وَهِيَ دُخَانٌ"۔ وَلَيْسَ ذٰلِك إِلَّا بطرِيق الْقَهْروالاستيلاء كَمَا قَالَ الشَّاعِر:

قد اسْتَوٰى بشر على الْعِرَاق　　　من غير سيف وَدم مهراق

واضطر أهل الْحق إِلٰى هٰذَا التَّأْوِيل، كَمَا اضْطر أهل الْبَاطِل إِلٰى تَأْوِيل قَوْله تَعَالىٰ: "وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَمَا كُنْتُمْ"۔ إِذْ حُمِلَ ذٰلِك بِالِاتِّفَاقِ على الْإِحَاطَة وَالْعلم۔ وَحُمِلَ قَوْله ﷺ: "قلب الْمُؤمن بَين أصبعين من أَصَابِع الرَّحْمٰن" على الْقُدْرَة والقهر۔ وَحُمِلَ قَوْله ﷺ: "الْحجر الْأسود يَمِيْنُ الله فِيْ أَرْضِه" على التشريف وَالْإِكْرَام۔ لِأَنَّهُ لَو تُرك على ظَاهره لَلَزِمَ مِنْهُ الْمحَال۔ فَكَذَا الاسْتوَاء، لَو تُرك على الاسْتِقْرَار والتمكن، لزم مِنْهُ كَون المتمكن جسماً مماساً للعرش، إِمَّا مثله أَو أكبر مِنْهُ أَو أَصْغَر، وَذٰلِكَ مُحَال، وَمَا يُؤَدِّي إِلَى الْمحَال فَهُوَ مُحَال۔

(قواعد العقائد ص۱۶۵ تا۱۶۸۔المؤلف:أبو حامد محمد بن محمد الغزالی الطوسی (المتوفی۵۰۵ھ)۔المحقق:موسی محمد علی۔ الناشر:عالم الکتب، لبنان۔الطبعة:الثانیة،۱۴۰۵ھ؛إحیاء علوم الدین،ج۱ص۱۰۸۔ المؤلف:أبو حامد محمد بن محمد الغزالی الطوسی (المتوفی۵۰۵ھ)۔الناشر:دار المعرفة، بیروت)

ترجمہ اس بات کا جاننا کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہیں، اس معنی کے ساتھ جو اللہ تعالیٰ نے استواء سے مراد لیے ہیں۔ یعنی وہ معنی جو اللہ تعالیٰ کی صفتِ کبریائی کے منافی نہیں، اور نہ وہ معنی جس میں حدوث وفناء کی علامتوں کو دخل ہے اور وہی معنی آسمان پر مستوی ہونے سے مقصود ہیں۔ وہ معنی جس کا اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ارادہ کیا ہے:

ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْأَرْضِ ائْتِيَا طَوْعاً أَوْ كَرْهاً قَالَتَا أَتَيْنَا طَائِعِينَ۔ (حٰمٓ سجدہ:۱۱)

ترجمہ پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا، جب کہ وہ اُس وقت دھوئیں کی شکل میں تھا، اور اُس سے اور زمین سے کہا:
’’چلے آؤ، چاہے خوشی سے یا زبردستی‘‘۔ دونوں نے کہا: ’’ہم خوشی خوشی آتے ہیں‘‘۔
یہ استواء تو صرف اور صرف قہر اور غلبہ کے اعتبار سے ہو سکتے ہیں۔ جیسا کہ شاعر نے کہا ہے:

ـ قَدِ اسْتَوَىٰ بِشْرٌ عَلَى الْعِرَاقِ مِنْ غَيْرِ سَيْفٍ وَدَمٍ مُهْرَاقِ

بشر نے عراق پر بغیر تلوار اُٹھائے اور خون بہائے غلبہ حاصل کر لیا۔
اہل حق نے اس آیت میں اسی طرح تاویل کی ہے جیسا کہ اہل باطل نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: ’’وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَمَا كُنْتُمْ‘‘ میں تاویل کی ہے۔ یہاں بالاتفاق احاطہ علمی اور علمی معیت مراد ہے۔
نبی اکرم ﷺ کا فرمان:
’’قلب المؤمن بين أصبعين من أصابع الرحمٰن‘‘
ترجمہ مؤمن کا دل اللہ رحمٰن کی دو انگلیوں کے درمیان ہے۔

یہاں بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت اور غلبہ مراد ہے۔
اسی طرح نبی اکرم ﷺ کا فرمان:
’’الحجر الأسود يمين الله في أرضه‘‘
ترجمہ حجر اسود زمین میں اللہ تعالیٰ کا دایاں ہاتھ ہے۔
یہاں بھی حجر اسود کی عزت وشرف اور اکرام کا بیان ہے۔
ان دونوں حدیثوں کو بندگی اور تعظیم پر اس لیے محمول کیا کہ اگر یہاں ظاہری معنی مراد لیا جائے تو اس سے محال لازم آئے گا۔ اسی طرح ’’استواء علی العرش‘‘ کو استقرار (ٹھہرنے) اور تمکن (جگہ پکڑنے) کے معنی میں لیا جائے تو اس سے اللہ تعالیٰ کے لیے جسم متمکن اور مماس (چھونے والا) والا ثابت ہوگا، جو اس کے برابر کا ہو، اس سے بڑا ہو، خواہ اس سے چھوٹا ہو۔ اور یہ محال ہے اور جو محال کا سبب ہے، وہ بھی محال ہوتا ہے۔

3 اللہ تعالیٰ بغیر جہت اور مکان کے موجود ہیں

۱ العلم: بأن الله تعالى منزه الذات عن الاختصاص بالجهات فإن الجهة إما فوق وإما أسفل وإما يمين وإما شمال أو قدام أو خلف وهذه الجهات هو الذي خلقها وأحدثها بواسطة خلق الإنسان إذ خلق له طرفين أحدهما يعتمد على الأرض ويسمى رجلاً والآخر يقابله ويسمى رأساً۔

۲ فحدث اسم الفوق لما يلي جهة الرأس واسم السفل لما يلي جهة الرجل حتى إن النملة التي تدب منكسة تحت السقف تنقلب جهة الفوق في حقها تحتاً وإن كان في حقنا فوقاً

۳ وخلق للإنسان اليدين وإحداهما أقوى من الأخرى في الغالب فحدث اسم اليمين للأقوى واسم الشمال لما يقابله وتسمى الجهة التي تلي اليمين يميناً والأخرى شمالاً وخلق له جانبين يبصر من

أحدهما ويتحرك إليه فحدث اسم القدام للجهة التي يتقدم إليها بالحركة واسم الخلف لما يقابلها فالجهات حادثة بحدوث الإنسان ولو لم يخلق الإنسان بهذه الخلقة بل خلق مستديراً كالكرة لم يكن لهذه الجهات وجود ألبتة

٤ فكيف كان في الأزل مختصاً بجهة والجهة حادثة و كيف صار مختصاً بجهة بعد أن لم يكن له أبأن خلق العالم فوقه ويتعالى عن أن يكون له فوق إذ تعالى أن يكون له رأس والفوق عبارة عما يكون جهة الرأس أو خلق العالم تحته فتعالى عن أن يكون له تحت إذ تعالى عن أن يكون له رجل والتحت عبارة عما يلي جهة الرجل وكل ذلك مما يستحيل في العقل ولأن المعقول من كونه مختصاً بجهة أنه مختص بحيز اختصاص الجواهر أو مختص بالجواهر اختصاص العرض وقد ظهر استحالة كونه جوهراً أو عرضاً فاستحال كونه مختصاً بالجهة وإن أريد بالجهة غير هذين المعنيين كان غلطاً في الاسم مع المساعدة على المعنى ولأنه لو كان فوق العالم لكان محاذياً له وكل محاذ لجسم فإما أن يكون مثله أو أصغر منه أو أكبر وكل ذلك تقدير محوج بالضرورة إلى مقدر ويتعالى عنه الخالق الواحد المدبر۔

٥ فأما رفع الأيدي عند السؤال إلى جهة السماء فهو لأنها قبلة الدعاء۔ وفيه أيضاً إشارة إلى ما هو وصف للمدعو من الجلال والكبرياء تنبيهاً بقصد جهة العلو على صفة المجد والعلاء فإنه تعالى فوق كل موجود بالقهر والاستيلاء۔

(احياء علوم الدين ج۱ ص۱۰۷، المؤلف: ابو حامد محمد بن محمد الغزالی الطوسی علیہ الرحمۃ (المتوفی ۵۰۵ھ)، الناشر: دار المعرفة، بيروت)

ترجمہ جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات جہت کی خصوصیت سے پاک ہے۔ اس لیے کہ

اطراف چھ ہیں: اوپر، نیچے، دائیں، بائیں، آگے، پیچھے۔ یہ سب اطراف اللہ تعالیٰ ہی نے پیدا فرمائی ہیں اور ان اطراف کو انسان کی پیدائش کے واسطہ سے بنایا ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ نے انسان کی دو طرفیں ایسی بنائی ہیں کہ ایک زمین پر ٹکے، اس کو پاؤں کہتے ہیں اور دوسری اس کے بالمقابل، جس کا نام سر ہے۔ لفظ فوق اس جہت کے لیے بنا، جو سر کی طرف ہے اور تحت اس کا نام ہوا، جو پاؤں کی طرف ہے۔ یہاں تک کہ چیونٹی اگر چھت میں الٹی ہو کر چلے تو اس کے حق میں چھت کی جانب تحت ہو جائے گی۔ گو ہماری نسبت سے وہ فوق کہلاتی ہے۔

☆ انسان کے لیے دو ہاتھ اللہ تعالیٰ نے بنائے کہ اکثر ان میں سے ایک بہ نسبت دوسرے کے قوی تر ہوتا ہے۔ تو جو قوی تر تھا، اس کے لیے یمین نام ہوا، اور اس کے مقابل کا نام شمال رکھا گیا اور جو جہت دائیں ہاتھ سے ملی ہے، اس کا نام یمین اور دوسری کا نام شمال ہوا۔

☆ اور اس کے لیے دو جانب بنائے کہ ایک طرف سے دیکھتا ہے اور اس طرف کو چلتا ہے تو جس طرف کو چلتا ہے، اس کا نام قدام، اس کے مقابل کا نام خلف ٹھہرا۔

پس یہ چھ اطراف انسان کے پیدا ہونے سے پیدا ہوئیں۔ اگر انسان بالفرض اس وضع پر پیدا نہ ہوتا، بلکہ گول مثل گیند کے ہوتا تو ان جہتوں کا وجود بھی نہ ہوتا۔ پس اللہ تعالیٰ ازل میں کسی جہت سے خاص کس طرح ہوسکتا ہے؟، کہ جہتیں تو حادث ہیں۔ اور اب کس طرح کسی خاص جہت کے ساتھ مختص ہوسکتا ہے؟ انسان کی پیدائش کے وقت تو خاص کسی سمت سے نہ تھا۔ اور اللہ تعالیٰ منزہ ہے اس بات سے کہ اس کے لیے فوق ہو، کیونکہ وہ اس بات سے برتر ہے کہ اس کا سر ہو اور فوق اسی جہت کو کہتے ہیں جو سر کی جانب ہو۔ اسی طرح اس کے لیے تحت بھی نہیں کیونکہ تحت اس سمت کا نام ہے جو پاؤں کی جانب ہو، اور اللہ تعالیٰ پاؤں سے مبرا ہے۔ اور یہ سب باتیں عقل میں آنے والی نہیں بلکہ اس کے نزدیک محال ہیں۔ اور ایک وجہ یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی جہت سے مختص ہو، کہ یوں عقل میں آتا ہے، یا جوہر کی طرح اپنے حیّز سے خصوصیت رکھے، یا اعراض کی طرح جوہر سے مخصوص ہو، اور چونکہ اس کا جوہر اور

عرض ہونا دونوں محال ہو چکے کہ اس کا مختص ہونا جہت سے بھی محال ہے۔

اور اگر جہت کے معنی علاوہ ان دونوں کے کچھ اور معانی لیے جائیں تو وہ لفظ کے اعتبار سے غلط ہوں گے (یعنی اسے جہت نہیں کہا جائے گا) اگرچہ معنی درست رہتے ہوں۔

اور ایک وجہ یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ عالم کے اوپر ہوتا، تو اس کے مقابل ہوتا۔ اور جو شے کسی شے کے مُحاذی (مقابل) ہو تو اس کی مثل ہوگی یا اس سے چھوٹی ہوگی یا بڑی۔ اور یہ ساری صورتیں کسی مقدار کی محتاج ہوتی ہیں۔ جب کہ اللہ تعالیٰ کی ذات جو خالق اور واحد ہے اور تدبیر فرمانے والا ہے، وہ اس سے بلند و بالا ہے۔

ایک اشکال کی وضاحت

اب رہا یہ سوال کہ دعا کے وقت ہاتھ آسمان کی طرف کیوں اُٹھاتے ہیں؟ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ دعا کا قبلہ وہی سمت ہے۔ اور اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ جس سے دعا کی طلب ہے، اس میں صفتِ جلال اور کبریائی کی ہے۔ اس لیے کہ بلندی کی جہت بزرگی اور برتری پر دلالت کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ قہر، بزرگی اور غلبے کی جہت سے ہر ایک موجود سے بالا ہے۔

4 رؤیت باری تعالیٰ بغیر کیفیت اور صورت کے ہوگی

الأصل التاسع: العلم بأنه تعالى مع كونه منزهاً عن الصورة والمقدار مقدساً عن الجهات والأقطار مرئی بالأعين والأبصار فی الدار الآخرة، دار القرار، لقوله تعالى: "وجوه يومئذ ناضرة إلى ربها ناظرة"۔ ولا يرى فی الدنيا تصديقاً لقوله عز وجل: "لا تدركه الأبصار وهو يدرك الأبصار"۔ ولقوله تعالى فی خطاب موسى عليه السلام: "لن ترانی"۔ وليت شعری! كيف عرف المعتزل من صفات رب الأرباب ما جهله موسى عليه السلام۔ و كيف سأل موسى عليه السلام الرؤية مع كونها محالاً۔ ولعل الجهل بذوی البدع والأهواء من الجهلة الأغبياء أولى من الجهل

بالأنبياء صلوات الله عليهم۔

وأما وجه إجراء آية الرؤية على الظاهر فهو أنه غير مؤد إلى المحال فإن الرؤية نوع كشف وعلم إلا أنه أتم وأوضح من العلم فإذا جاز تعلق العلم به وليس فی جهة جاز تعلق الرؤية به وليس بجهة و كما يجوز أن يرى الله تعالى الخلق وليس فی مقابلتهم جاز أن يراه الخلق من غير مقابلة و كما جاز أن يعلم من غير كيفية وصورة جاز أن يرى كذلك۔

(احیاء علوم الدین ج۱ ص۱۰۸، المؤلف: ابو حامد محمد بن محمد الغزالی الطوسی رحمہ اللہ (المتوفی ۵۰۵ھ)، الناشر: دار المعرفة، بیروت)

ترجمہ: اس بات سے آگاہ ہونا کہ اللہ تعالیٰ اگرچہ صورت اور مقدار سے پاک ہے۔ اور جہات اور سمتوں سے بھی پاک ہے لیکن قیامت کے دن سر کی آنکھوں سے دیکھا جاسکے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وُجُوهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۔ إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۔ (قیامہ: ۲۲، ۲۳)

ترجمہ: اس دن کچھ چہرے تروتازہ ہوں گے، اپنے رب کی طرف دیکھتے ہوئے۔

لیکن اسے دنیا میں نہیں دیکھا جاسکتا، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ ۔ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ۔

(الانعام: ۱۰۳)

ترجمہ: نگاہیں اس کو نہیں پاسکتیں، اور وہ تمام نگاہوں کو پالیتا ہے۔ اس کی ذات اتنی ہی لطیف ہے، اور وہ اتنا ہی باخبر ہے۔

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خطاب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

لَنْ تَرَانِي

ترجمہ: تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکو گے۔

پوری آیت مبارکہ یوں ہے:

وَلَمَّا جَاءَ مُوسَىٰ لِمِيقَاتِنَا وَكَلَّمَهُ رَبُّهُ قَالَ رَبِّ أَرِنِي أَنظُرْ إِلَيْكَ قَالَ

لَنْ تَرَانِيْ وَلٰكِنِ انْظُرْ إِلَى الْجَبَلِ فَإِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهُ فَسَوْفَ تَرَانِيْ ۔
فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهُ لِلْجَبَلِ جَعَلَهُ دَكًّا وَّخَرَّ موسٰى صَعِقاً ۔ فَلَمَّآ أَفَاقَ قَالَ
سُبْحَانَكَ تُبْتُ إِلَيْكَ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۔ (الاعراف: ۱۴۳)

ترجمہ اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام ہمارے مقررہ وقت پر پہنچے، اور اُن کا ربّ اُن سے ہم کلام ہوا، تو وہ کہنے لگے: ''میرے پروردگار! مجھے دیدار کرادیجئے کہ میں آپ کو دیکھ لوں''۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکو گے۔ البتہ پہاڑ کی طرف نظر اُٹھاؤ۔ اس کے بعد اگر وہ اپنی جگہ برقرار رہا تو تم مجھے دیکھ لوگے''۔ پھر جب اُن کے رب نے پہاڑ پر تجلّی فرمائی تو اُس کو ریزہ ریزہ کردیا۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بیہوش ہوکر گر پڑے۔ بعد میں جب اُنھیں ہوش آیا تو انھوں نے کہا: ''پاک ہے آپ کی ذات! میں آپ کے حضور توبہ کرتا ہوں۔ اور میں سب سے پہلے ایمان لاتا ہوں''۔

اب کہنے کی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جس صفت کے بارے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو علم نہ ہوا۔ اس کی معتزلہ کو کیسے پہچان ہوگئی۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیدار کے محال ہونے کے باوجود کس طرح سے اللہ تعالیٰ کے دیدار کے لیے سوال کیا۔ اس سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ جس بات سے انبیاء علیہم السلام بے خبر رہے، اس سے خواہشوں کے پجاری اور کند ذہن اہل بدعت، بدرجۂ اولیٰ جاہل ہیں۔

اور یومِ آخرت میں اللہ تعالیٰ کے دیدار سے متعلق آیت کو ظاہر پر اس لیے محمول کیا جاتا ہے کہ اس کے دیکھنے سے محال لازم نہیں ٹھہرتا۔ اس لیے کہ دیکھنا ایک طرح کا کشف اور علم ہے۔ ان میں فرق اس قدر ہے کہ یہ علم سے زیادہ واضح ہے۔ علم کا تعلق جب اللہ تعالیٰ سے ہوسکتا ہے وہ جہت کے ساتھ مخصوص نہیں۔ اور:

☆ جس طرح یہ درست ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کو دیکھتا ہے، حالانکہ وہ ان کے مقابل نہیں ہے۔

☆ یہ بھی درست ہے کہ مخلوق اسے دیکھتی ہے حالانکہ وہ اس کے مقابل نہیں ہے۔

اور جیسے اسے کسی کیفیت اور صورت کے بغیر جانا جاسکتا ہے، ویسے ہی اسے کسی کیفیت اور صورت کے دیکھا بھی جاسکتا ہے۔

5 اللہ تعالیٰ کی صفتِ کلام

الأصل السادس: أنه سبحانه وتعالى متكلم بكلام وهو وصف قائم بذاته ليس بصوت ولا حرف بل لا يشبه كلامه كلام غيره كما لا يشبه وجوده وجود غيره۔

والكلام بالحقيقة كلام النفس۔ وإنما الأصوات قطعت حروفاً للدلالات كما يدل عليها تارة بالحركات والإشارات وكيف التبس هذا على طائفة من الأغبياء ولم يلتبس على جهلة الشعراء حيث قال قائلهم:

إن الكلام لفي الفؤاد وإنما جعل اللسان على الفؤاد دليلا

ومن لم يعقله عقله ولا نهاه نهاه عن أن يقول لساني حادث ولكن ما يحدث فيه بقدرتي الحادثة قديم فاقطع عن عقلة طمعك وكف عن خطابه لسانك۔

ومن لم يفهم أن القديم عبارة عما ليس قبله شيء ۔ وأن الباء قبل السين في قولك بسم الله فلا يكون السين المتأخر عن الباء قديماً فنزه عن الالتفات إليه قلبك فلله سبحانه سر في إبعاد بعض العباد ومن يضلل الله فما له من هاد۔ ومن استبعد أن يسمع موسى عليه السلام في الدنيا كلاماً ليس بصوت ولا حرف فليستنكر أن يرى في الآخرة موجوداً ليس بجسم ولا لون۔ وإن عقل أن يرى ما ليس بلون ولا جسم ولا قدر ولا كمية وهو إلى الآن لم ير غيره فليعقل في حاسة السمع ما عقله في حاسة البصر۔

وإن عقل على أن يكون له علم واحد هو علم بجميع الموجودات فليعقل صفة واحدة للذات هو كلام بجميع ما دل عليه من العبارات۔

وإن عقل كون السموات السبع و كون الجنة والنار مكتوبة فى ورقة صغيرة ومحفوظة فى مقدار ذرة من القلب وأن كل ذلك مرئى فى مقدار عدسة من الحدقة من غير أن تحل ذات السموات و الأرض والجنة والنار فى الحدقة والقلب والورقة۔ فليعقل كون الكلام مقروءاً بالألسنة محفوظاً فى القلوب مكتوباً فى المصاحف من غير حلول ذات الكلام فيها۔ إذ لو حلت بكتاب الله ذات الكلام فى الورق لحل ذات الله تعالى بكتابة اسمه فى الورق وحلت ذات النار بكتابه اسمها فى الورق ولاحترق۔

الأصل السابع: أن الكلام القائم بنفسه قديم۔ و كذا جميع صفاته إذ يستحيل أن يكون محلاً للحوادث داخلاً تحت التغير بل يجب للصفات من نعوت القدم ما يجب للذات فلا تعتريه التغيرات ولا تحله الحادثات بل لم يزل فى قدمه موصوفاً بمحامد الصفات ولا يزل فى أبده كذلك منزهاً عن تغير الحالات لأن ما كان محل الحوادث لا يخلو عنها وما لا يخلو عن الحوادث فهو حادث۔

وإنما ثبت نعت الحدوث للأجسام من حيث تعرضها للتغير وتقلب الأوصاف فكيف يكون خالقها مشاركاً لها فى قبول التغير وينبنى على هذا أن كلامه قديم قائم بذاته وإنما الحادث هى الأصوات الدالة عليه و كما عقل قيام طلب التعلم وإرادته بذات الوالد للولد قبل أن يخلق ولده حتى إذا خلق ولده وعقل و خلق الله له علماً متعلقاً بما فى قلب أبيه من الطلب صار مأموراً بذلك الطلب الذى قام بذات أبيه ودام وجوده إلى وقت معرفة ولده له فليعقل قيام الطلب الذى دل عليه قوله عز وجل: "اخلع نعليك" بذات الله ومصير موسى عليه السلام مخاطباً به بعد وجوده إذ خلقت له معرفة بذلك الطلب وسمع لذلك الكلام

القديم۔ (احیاء علوم الدین ج ا ص ۱۰۹، ۱۱۰)

ترجمہ اس بات سے آگاہ ہونا کہ

1 اللہ تعالیٰ کلام کرتا ہے۔ کلام کی یہ خوبی اس کی ذات سے قائم ہے جو آواز اور الفاظ کے بغیر قائم ہے بلکہ

ا اس کا کلام کسی کلام کے مشابہ نہیں۔

۲ جیسے یہ کہ اس کا وجود دوسرے وجود کی مانند نہیں۔

اصل میں کلام وہی ہے جو نفس کے ذریعے ہو۔ حروف اور آواز تو فقط بتانے والے کے لیے ہے۔ جیسے حرکات اور اشارے سے بسا اوقات بات سمجھا دی جاتی ہے۔ میں نہیں جانتا کہ یہ بات بعض پست سوچ والوں پر کیسے مشکوک ہوگئی؟!! حالانکہ جاہل کی عقل و سمجھ اسے یہ بات کہنے سے نہ روکے کہ میری زبان حادث ہے لیکن میری قدرتِ حادثہ کے باعث پیدا ہونے والا کلام قدیم ہے۔ تو اس کی عقل سے طمع ختم کر ڈال۔ اور اس کے ساتھ اپنی زبان سے سلسلۂ کلام روک دے۔ اور جو یہ بات نہ سمجھ سکے کہ قدیم تو وہ ہے جس سے پہلے کوئی شے نہ ہو۔ اور ''بسم اللہ'' میں جو ''سین'' ہے اس سے پہلے ''ب'' ہے۔ اس لیے ''سین'' ہرگز قدیم نہ کہلائے گا۔ تو ایسے شخص کی طرف دھیان دینے سے اپنے دل کو پاک کر لے۔ بعض بندوں کو (مطلب سے) دور رکھنے میں بھی اللہ تعالیٰ کی کوئی حکمت ہے، کوئی راز ہے۔ جسے وہ گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔

جو شخص اس بات کو عقل سے دور سمجھتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دنیا میں کوئی ایسا کلام سنا جو آواز اور حروف کے بغیر ہو تو وہ اس بات کا بھی انکار کر دے کہ یومِ آخرت میں ایک ذات کو دیکھے گا جس کا نہ جسم ہے، نہ کوئی رنگ۔ اس کی عقل میں اگر یہ بات آتی ہے کہ وہ ایسی ذات کو دیکھے گا جو رنگ، جسم اور مقدار اور کیفیت سے پاک ہے۔ جب کہ آج تک ایسی کوئی شے اس کے دیکھنے میں نہیں آئی۔ تو یہی بات سننے کے معاملے میں بھی سمجھنی چاہیے جو کہ دیکھنے کے معاملے میں سمجھی گئی اور اگر اس کی سمجھ میں یہ بات آ گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو جو علم ہے وہ اسی کے ساتھ سب موجودات کو جانتا ہے۔

تو اسے بھی اس کی ذات کے ساتھ ایک صفت سمجھنا چاہیے، جس کے ذریعے وہ کلام کرتا ہے۔ جس کی بدولت اس کی ساری باتیں عبارتوں سے سمجھی جاتی ہیں۔ اگر یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ساتوں آسمان وزمین اور جنت ودوزخ ایک چھوٹے سے کاغذ پر لکھے جاتے ہیں اور دل میں ذرّہ سی جگہ میں سمائے رہتے ہیں۔ اور یہ سب چیزیں آنکھ کی پتلی سے دکھائی دیتی ہیں۔ لیکن آسمان وزمین اور جنت ودوزخ آنکھ کی پتلی اور کاغذ اور دل میں نہیں سماتے۔ اسی طرح اس بات کو بھی سمجھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام زبان کے ذریعے پڑھا جاتا ہے۔ دلوں میں محفوظ ہوتا ہے اور مصاحف میں لکھا جاتا ہے۔ لیکن کلام بذاتہٖ ان چیزوں میں داخل نہیں ہوجاتا۔ اس لیے کہ لکھنے سے اگر اللہ تعالیٰ کا کلام کاغذ پر آجائے تو اللہ تعالیٰ کا نام لکھنے سے اس کی ذات بھی کاغذ پر آنی چاہیے۔ اسی طرح آگ کا نام لکھنے سے آگ بذاتہ کاغذ پر آجائے تو کاغذ کو جلا کر رکھ دے۔

2 یہ جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے اور قدیم ہے۔ اسی طرح اس کی دوسری صفات بھی ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حوادث کے لیے محل ہونا محال اور ناممکن ہے۔ کیونکہ حوادث میں تبدیلی آتی رہتی ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرح اس کی صفات کے لیے بھی قدیم ہونا واجب ہے۔ اس لیے اس میں تبدیلی نہیں آسکتی۔ اور نہ اس ذات میں کوئی حادث چیز آسکتی ہے بلکہ وہ ہمیشہ سے احسن خوبیوں کے ساتھ متصف رہا ہے۔ اور ہمیشہ کے لیے اسی طرح رہے گا۔ وہ حالات کی تبدیلی سے پاک ہے۔ اس لیے کہ جو چیز حوادث کا محل ہوگی وہ ان سے محفوظ نہ رہے گی۔ اور جو چیز حوادث سے خالی نہ ہو وہ بذاتِ خود حادث ہے۔ اجسام اسی بنا پر حادث ہیں کہ ان میں تبدیلی آتی رہتی ہے۔ اور ان کی خوبیوں میں تبدیلی آتی رہتی ہے۔ اجسام کا خالق ان کی تبدیلی کو قبول کرنے میں ان کے ساتھ کیسے شریک ہوسکتا ہے؟!! چنانچہ یہ بات ثابت ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کا کلام قدیم ہے اور اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے۔ فقط آوازیں حادث ہیں جو اس کلام پر دلالت کرتی ہیں۔ جیسے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ بچے کی پیدائش سے پہلے باپ بچے کے لیے علم کا شوق، طلب اور ارادہ رکھتا ہے حتی

کہ بچہ جب پیدا ہوتا ہے اور سمجھ بوجھ رکھنے لگتا ہے تو جو تمنا اس کے باپ کے دل میں تھی اللہ تعالیٰ اس کے لیے وہ علم پیدا کردیتا ہے۔ چنانچہ وہ علم کی طلب پر مامور ہوجاتا ہے۔ جو اس کے باپ کے ساتھ قائم تھی اور جب تک وہ بچہ اسے سیکھ نہ لے گا۔ تب تک اس امر کا وجود باقی رہے گا۔ اسی طرح اس بات کی بھی سمجھ آنی چاہیے جس پر یہ ارشاد باری تعالیٰ دلالت کرتا ہے:

فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ۔ (طٰہ:۱۲)

ترجمہ آپ اپنے جوتے اتار دیں۔

یہ بات اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ یہ خطاب آپ کے وجود کے بعد ہوا۔ یعنی پہلے آپ میں اس بات کے سمجھنے کی استعداد اور معرفت پیدا کی گئی۔ پھر اس قدیم کلام کے سننے والے کان عطا فرمادیئے۔

2 الاقتصاد فی الاعتقاد میں صفتِ استواء العرش

ندعی: أن الله تعالی منزه عن أن يوصف بالاستقرار على العرش؛ فإن كل متمكن على جسم ومستقر عليه مقدر لا محالة.

فإنه أما أن يكون أكبر منه، أو أصغرَ، أو مساوياً، وكل ذلك لا يخلو عن التقدير، وأنه لو جازَ أن يماسَّهُ جسم من هذه الجهة.... لجاز أن يماسَّهُ من سائر الجهات، فيصير محاطاً به، والخصم لا يعتقد ذلك بحال، وهو لازم على مذهبه بالضرورة.

وعلى الجملة يستقر على الجسم إلا جسم، ولا يحل فيه إلا عَرَضٌ.

وقد بان أنه تعالى ليس بجسم ولا عرض، فلا يُحتاجُ إلى إفراد هذه الدعوى بإقامة البرهان. فإن قيل فما معنى قوله تعالى: "الرحمن على العرش استوى"؟

أما الاستواء: فهو نسبةُ العرش لا محالة، ولا يمكن أن يكون للعرش إليه نسبة إلا بكونه: معلوماً، أو مراداً، أو مقدوراً عليه،

أو محلاً مثل محل العرض، أو مكاناً مثل مستقر الجسم.

ولكن بعض هذه النسبة تستحيل عقلاً، وبعضها لا يصلحُ اللفظُ للاستعارة له. فإن كان في جملة هذه النسب - مع أنه لا نسبة سواها - نسبةٌ لا يحيلها العقل، ولا ينبو عنها اللفظ.. فليعلم أنها المراد.

١ إما كونه مكاناً أو محلاً، كما كان للجوهر والعرض.. فاللفظ يصلح له، ولكن العقل يحيله كما سبق.

٢ وإما كونه معلوماً ومراداً.. فالعقل لا يحيله، ولكن اللفظ لا يصلح له.

٣ وإما كونه مقدوراً عليه، وواقعاً في قبضة القدرة ومسخراتها مع أنه أعظم المقدورات، ويصلح الاستيلاء عليه؛ لأن يمتدَّحَ به وينبَّهَ به على غيره الذي هو دونه في العظم.. فهذا مما لا يحيله العقل ويصلح له اللفظ. فأخلقُ بأن يكون هو المراد قطعاً.

٤ أما صلاح اللفظ له... فظاهر عند الخبير بلسان العرب، وإنما ينبو عن مثل هذا أفهامُ المتطفلين على لغة العرب. الناظرين إليها من بعدٍ. الملتفتين إليها التفات العرب إلى لسان الترك حيث لم يتعلموا منها إلا أوائله!

فمن المستحسن في اللغة أن يقال: استوى الأمير على مملكته؛ حتى قال الشاعر:

قد استوى بشر على العراق   من غير سيف ودم مهراقِ

ولذلك قال بعض السلف رضي الله عنهم: أفهم من قوله تعالى: "الرحمن على العرش استوى" ما فهم من قوله تعالى: "ثم استوى إلى السماء وهي دخان".

(الاقتصاد في الاعتقاد ص١٢١، ١٢٥، ١٢٦. المؤلف: أبو حامد محمد بن محمد

الغزالي الطوسي علیہ الرحمۃ (المتوفی ٥٠٥) - وضع حواشيه: أنس محمد عدنان الشرفاوي. الناشر: دار المنهاج، بيروت، لبنان. الطبعة: الأولى، ١٤٢٩ھ)

ترجمہ: ہم اس بات کا برملا اظہار کرتے ہیں: اللہ تعالیٰ اس بات سے منزہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی یہ صفت بیان کی جائے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر استقرار کیے ہوئے ہیں۔ اس لیے کہ ہر وہ جو کسی جسم پر متمکن اور مستقر ہو، لازمی طور پر وہ مقداری ہوگا۔ اور وہ تین حالتوں سے خالی نہ ہوگا: یا تو وہ اس چیز سے بڑا ہوگا، یا چھوٹا ہوگا، یا مساوی۔ یہ سب مقداری ہونے سے خالی نہیں ہیں۔ اس لیے بھی کہ اگر اس بات کو جائز مانا جائے کہ جسم اس طرف سے مس کر رہا ہے، تو اس بات کو بھی ماننا جائز ہوگا کہ تمام اطراف سے مس کر رہا ہے۔ پس وہ جسم تو محاط (محیط کیا ہوا) ہوگا۔ فریق مخالف بھی کسی صورت میں اس کا اعتقاد نہیں کرے گا، حالانکہ یہ بات تو ان کے مذہب کا لازم ملزوم ہو جائے گا۔

خلاصہ یہ کہ جسم ہی جسم پر مستقر ہوتا ہے۔ اور کسی جگہ اترنے والا ہمیشہ عرض ہی ہوتا ہے۔ یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس نہ جسم ہے اور نہ عرض۔ پس اس قسم کے دعووں پر دلیل قائم کرنے کی کوئی ضرورت بھی نہیں ہے۔

اگر کوئی کہے کہ پھر اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا کیا مطلب ہے؟

أَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى. (سورت طٰہٰ:٥)

ترجمہ: وہ بڑی رحمت والا عرش پر استواء فرمائے ہوئے ہے۔

پس ''استواء'' میں تو عرش کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے۔ عرش کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں ہوتی مگر: معلوم طریقے سے، یا معنی و مراد کے لحاظ سے، یا اللہ تعالیٰ کو اس پر قدرت و سلطنت ہو، یا اجسامِ عرض کی طرح، یا مکان کے لحاظ سے جیسے جسم کا استقرار ہوتا ہے۔

لیکن ان میں سے بعض نسبتیں تو عقلاً محال ہیں۔ بعض ایسی ہیں کہ ان کے لیے استعارہ کا لفظ بھی موزوں نہیں بنتا۔ اگر ان میں سے کوئی ایک نسبت بھی جس کو عقل محال نہیں مانتی اور الفاظ بھی اس کا ساتھ دیتے ہیں۔ پس جان لو کہ وہی یہاں مراد ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے لیے مکان اور جگہ کا ہونا جیسا کہ جوہر اور عرض کے لیے ہوتا ہے۔ لفظاً تو یہ درست ہے لیکن عقلاً محال ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے لیے معلوم و مراد ہو، تو یہ عقلاً محال نہیں ہے لیکن لفظاً درست نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کو اس پر قدرت و سلطنت ہو۔ حقیقت اور واقعہ کے لحاظ عرش اللہ تعالیٰ کے قبضہ و قدرت اور اس کے لیے مسخر و مطیع ہے حالانکہ وہ سب سے عظیم مخلوقات ہے۔

اللہ تعالیٰ کا غلبہ اور قدرت اس پر ہے، کیونکہ اس کے ساتھ اس کی تعریف کی جائے اور اسی کے ساتھ اس کی تعریف بیان کی جاتی ہے سوائے اس کے جو اس سے عظمت میں کم ہیں۔ پس یہ وہ ہے جس کو عقل محال نہیں مانتی اور لفظ بھی اس کا ساتھ دیتے ہیں۔

پس یہ اس لائق ہے کہ یہی معنی یقینی طور پر مراد ہے۔

پس لفظ کا اس کے لیے درست ہونا تو یہ عربی زبان سے واقف ہر شخص کے لیے واضح اور ظاہر ہے۔ اس سے وہی دور ہوں گے جو لغت عرب میں ابھی بچگانہ دور میں ہوں۔ وہ اس کو دور سے دیکھنے والے ہوں۔ وہ ترکی زبان کی طرح اس پر متوجہ ہونے والے ہوں، جب کہ وہ اس کی ابتدائی معلومات ہی رکھنے والے ہوں۔

لغت عرب میں اس کا مستحسن ہونا ہے۔ کہا جاتا ہے: امیر (بادشاہ) اپنی مملکت پر غالب ہے۔ ایک شاعر نے بھی کہا ہے:

قَدِ اسْتَوٰى بِشْرٌ عَلَى الْعِرَاقِ   مِنْ غَيْرِ سَيْفٍ وَدَمٍ مُهْرَاقِ

بشر نے عراق پر بغیر تلوار اُٹھائے اور خون بہائے غلبہ حاصل کرلیا۔

اسی وجہ سے بعض سلف نے کہا: میں اللہ تعالیٰ کے اس قول "الرحمن علی العرش استوی" سے وہی مراد لیتا ہوں جو اللہ تعالیٰ کے اس قول: "ثم استوى إلى السماء وهي دخان" سے مفہوم و مراد ہے۔

3 الجام العوام میں بیان کردہ عقائد

حضرت امام غزالی اپنی کتاب "اِلْجَامُ الْعَوَامِ عَنْ عِلْمِ الْكَلَامِ" میں مذہبِ سلف کی حقیقت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"مذہبِ سلف کی حقیقت یہ ہے اور وہی ہمارے نزدیک حق ہے کہ ان احادیثِ صفات میں سے جو حدیث بھی کسی عامی شخص کو پہنچے، تو اس کے لیے مندرجہ ذیل باتیں ضروری ہیں:

(۱) تقدیس، (۲) تصدیق، (۳) اعترافِ عجز، (۴) سکوت، (۵) امساک، (۶) کف، (۷) اہلِ معرفت کے لیے تسلیم و انقیاد۔

1:۔تقدیس

جسمیت اور اس کے توابع سے اللہ تعالیٰ کی تنزیہ۔

2:۔تصدیق

حضور اکرم ﷺ کے ارشاد پر ایمان، یہ کہ انہوں نے جو کچھ فرمایا ہے، وہ حق ہے۔ وہ اپنے ارشاد میں صادق ہیں۔ انہوں نے جو کچھ فرمایا اور اپنے ارشاد سے جو کچھ مراد لیا ہے، وہ سراسر حق ہے۔

3:۔اعترافِ عجز

اس بات کا اقرار کہ الفاظِ صفات سے جو مراد ہے، اس کی معرفت ہماری قدرت اور طاقت سے باہر ہے۔

4:۔سکوت

ان صفاتِ الٰہی کے بارے میں نہ سوال کرنا چاہیے، نہ غور و غوض کرنا چاہیے، کیونکہ ان صفات کے بارے میں سوال کرنا بدعت ہے اور غور و خوض سے اندیشہ ہے کہ دین خطرہ میں نہ پڑ جائے۔ لہٰذا غور و فکر کا نتیجہ کفر ہو سکتا ہے۔

5:۔امساک

ان الفاظِ صفات کی تصریف یا کسی دوسرے لغت سے تبدیلی، ان کے مفہوم میں کسی

طرح کی زیادتی یا کمی، یا جمع وتفریق سب سے گریز کرنا چاہیے، بلکہ جو لفظ وارد ہے، اس سلسلہ میں اس کے سوا کوئی دوسرا لفظ استعمال ہی نہ کرنا چاہیے۔

6:۔کف

ان الفاظ کے باطنی معنی پر بحث وگفتگو کرنے اور غور وفکر سے رکا رہنا چاہیے۔

7:۔اہلِ معرفت کے لیے تسلیم وانقیاد

اس بات کا اعتقاد نہیں کرنا ہے کہ اگر ان الفاظ کے معانی عجز کی وجہ سے ان پر مخفی ہوں تو ان کے معانی جناب رسول اللہ ﷺ، انبیاء علیہم السلام، صدیقینؓ اور اولیاء اللہؒ پر بھی مخفی ہیں۔

یہ ہیں وہ سات اُمور جن پر سب سلفِ صالحین اعتقاد رکھتے تھے، اور جملہ عوام پر ان کا اعتقاد واجب ہے۔ اور یہ بات جائز نہیں کہ سلف کے بارے میں ان امور میں سے کسی کے خلاف بھی بدگمانی کی جائے۔

تقدیس کی تفصیل

1 تقدیس کا معنی یہ ہے کہ جب وہ صفت ید، صفت اصبع اور حضورا کرم ﷺ کا ارشاد:

ان الله خمر آدم بيده وان قلب المؤمن بين اصبعين من أصابع الرحمن.

ترجمہ اللہ تعالیٰ نے آدم کا خمیر اپنے ''ہاتھ'' سے بنایا۔ اور مؤمن کا قلب اللہ تعالیٰ کی ''انگلیوں'' میں سے دو انگلیوں کے بیچ میں ہے۔

جو بھی اس حدیث کو سنے، تو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ ''ہاتھ'' دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے:

ا ایک اصلی معنی میں، جو ایک عضو مرکب ہے۔ گوشت، ہڈی، اور پٹھوں سے۔ اور گوشت، ہڈی اور پٹھے اپنا ایک مخصوص جسم اور مخصوص صفات رکھتے ہیں، یعنی جسم عبارت ہوتا ہے ایک ایسی مقدار سے جو طول، عرض اور عمق کی حامل ہوتی ہے۔ یہ چیز

کسی دوسرے جسم کے لیے اس وقت تک ممتنع ہے، جب تک وہ اپنے مکان سے جُدا نہ ہو جائے۔

۲ دوسرے یہ کہ اس لفظ کو استعارہ کے طور پر بھی استعمال کرتے ہیں، یعنی ''ید'' (ہاتھ) ایک مخصوص عضو یا جسم کے علاوہ دوسرے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ جیسے کہتے ہیں: "البلدة في يد الأمير"۔ یعنی شہر، امیر (حاکم) کے دست (اقتدار) میں ہے۔ اگرچہ وہ امیر مقطوع الید ہی کیوں نہ ہو۔

پس عامی اور غیر عامی سب کے نزدیک یہ بات ثابت شدہ اور یقینی ہے کہ حدیث بالا میں حضورا کرم ﷺ نے ہاتھ سے مراد ایک ایسا عضو نہیں لیا ہے جو گوشت، خون، اور پٹھوں سے مرکب ہوتا ہے، کیونکہ یہ بات اللہ تعالیٰ کے لیے محال ہے۔ وہ ان چیزوں سے پاک ہے۔ پس اگر کسی شخص کے ذہن میں یہ تصور ہے کہ اللہ تعالیٰ کا جسم اعضاء سے مرکب ہے، تو وہ صنم پرست ہے، کیونکہ ہر جسم مخلوق ہے اور مخلوق کی عبادت کفر ہے۔ صنم پرستی اس لیے کفر ہے کہ بت بھی مخلوق ہوتا ہے۔ پس جس کسی نے کسی ''جسم'' کی عبادت کی وہ سلف وخلف کے اجماع کے مطابق کافر ہے۔

2 حدیثِ نبوی میں ہے:

ا ان الله خلق آدم على صورته

ترجمہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔

دوسری حدیث میں ہے:

۲ انی رأیتُ ربّی فی أحسنِ صورةٍ.

ترجمہ میں نے اپنے رب کو بڑی عمدہ صورت میں دیکھا۔

جاننا چاہیے کہ ''صورت'' سے مراد ایک خاص ہیئت ہے، جو بہت سے اجسام سے مرکب ہوتی ہے۔ مثلاً ناک، آنکھ، منہ، رخسار وغیرہ۔ اور یہ ''اجسام'' گوشت، ہڈی، اور پٹھے سے مرکب ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے لیے ایسا جسم تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔ پس ہر مؤمن اس اعتقاد پر مجبور ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے ''صورت'' پہلے (جسمی) معنی میں استعمال نہیں ہوا ہے کیونکہ خالق، اجسام وہیئات، ہر طرح کی فانی مشابہتوں سے

ماوراء اور منزہ ہے۔ پس جس کا یہ اعتقاد ہے، وہ مؤمن ہے۔ اور اگر اس کے دل میں یہ اندیشہ گزرا کہ جب یہ مراد نہیں ہے، تو پھر کیا مراد ہے؟ تو جاننا چاہیے کہ یہ سوچنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے، بلکہ اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ اس کو سوچا ہی نہ جائے، کیونکہ اس کی کنہ تک رسائی طاقتِ بشری سے باہر ہے۔ لہٰذا اعتقاد یہ رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے ''صورت'' کا جو لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ اس کا مطلب وہ ہے جو اس کی جلالت اور عظمت کے مطابق ہو، یعنی جسمیت سے یکسر منزہ!!''

3 ارشاد نبوی ہے:

ینزل اللہ تعالیٰ فی کل لیلۃ الی السماءِ الدنیا۔

ترجمہ اللہ تعالیٰ ہر رات کو آسمانِ دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے۔

جاننا چاہیے کہ ''نزول'' ایک اسم مشترک ہے جو محتاج ہے: تین اجسام کا:

جسم عالی

جسم سافل

جسم مُتَنَقِّلٌ۔

یعنی پستی سے بلندی اور بلندی سے پستی کی طرف منتقل ہونے والا۔

یہ جسم اگر پستی سے بلندی کی طرف جائے گا تو اسے ''صعود'' سے تعبیر کریں گے۔ ''عروج'' اور ''رقی'' بھی ایسے مواقع پر استعمال میں آتے ہیں۔ اگر بلندی سے پستی کی طرف جائے گا تو اُسے ''نزول'' اور ''ہبوط'' سے ذکر کریں گے۔ لیکن ان معانی کے علاوہ ''نزول'' دوسرے معانی میں بھی مستعمل ہے۔ جس کے لیے جسم کا ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا اور حرکت کرنا ضروری نہیں ہے۔ مثلاً:

وَأَنزَلَ لَكُم مِّنَ الْأَنْعَامِ ثَمَانِيَةَ أَزْوَاجٍ۔ (الزمر:٦)

ترجمہ اور تمہارے لیے مویشیوں میں سے آٹھ (۸) جوڑے اتارے یعنی پیدا کیے۔

بھلا کسی نے آج تک اونٹ یا گائے کو آسمان سے زمین پر ''نازل'' ہوتے دیکھا ہے۔ یہ تو رحم میں پیدا ہونے اور نشوونما پانے والی ایک مخلوق ہے۔ لہٰذا اُترنے (نزول) کے معنی لامحالہ دوسرے ہی کیے جائیں گے۔

حضرت امام شافعیؒ کا ارشاد ہے:

دخلت مصر فلم یفهموا کلامی، فنزلتُ، ثم نزلتُ، ثم نزلتُ۔

ترجمہ میں مصر گیا۔ وہاں کے لوگ میری بات نہ سمجھ سکے۔ تو میں (اپنے درجہ سے) نیچے اترا۔ پھر اور نیچے اُترا۔ پھر اور نیچے اُترا۔

ظاہر ہے کہ امام شافعیؒ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ (اوپر سے) نیچے اترتے رہے۔ لہٰذا ایک مؤمن یہ عقیدہ رکھے گا کہ یہاں ''نزول'' کے معنی اللہ تعالیٰ کے لیے وہ نہیں ہیں جو عام طور پر مراد لیے جاتے ہیں، یعنی کسی شخص یا جسم کا اوپر سے نیچے اترنا۔ کیونکہ ''شخص'' تو مجموعۂ اجسام ہے۔ اللہ تعالیٰ جسم سے منزہ ہے۔ پھر اگر دل میں یہ خیال گزرے کہ اگر یہ مطلب نہیں ہے تو پھر کیا مطلب ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ جب تم یہ نہ سمجھ سکے کہ اونٹ یا دوسرے چوپاؤں (انعام) کے لیے جو نزول کا لفظ استعمال ہوا ہے، اس کا مطلب کیا ہے؟ پھر اللہ تعالیٰ کے لیے اس لفظ کا استعمال سمجھنے سے کیسے عاجز اور درماندہ نہ رہو گے؟ بہتر یہ ہے کہ اپنے رب کی عبادت یا اپنے کسی دوسرے کام میں مصروف رہو اور اس معاملہ میں سکوت سے کام لو۔ اور یہ سمجھ لو کہ اس لفظ کے معنی وہی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی عظمت کے مطابق ہوں، اگرچہ تم ان کی کیفیت اور حقیقت سے ناواقف ہو''۔

4 اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

۱ **وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ۔** (الانعام:۱۸،۶۱)

ترجمہ وہی اپنے بندوں پر مکمل اقتدار رکھتا ہے۔

۲ **يَخَافُونَ رَبَّهُم مِّن فَوْقِهِمْ۔** (النحل:۵۰)

ترجمہ وہ اپنے اُس پروردگار سے ڈرتے ہیں جو اُن کے اوپر ہے۔

جاننا چاہیے کہ لفظ ''فوق'' بھی دو معنوں میں مستعمل ہے:

۱ ایک تو ایک جسم کی نسبت دوسرے جسم کی طرف، کہ ان میں سے ایک اونچا (فوق) اور دوسرا نیچا (اسفل) ہو۔

۲ دوسرے معنی یہ کہ فوق بہ معنی رتبہ بھی استعمال ہوتا ہے، جیسے ہم کہتے ہیں: خلیفہ سلطان

پر فوقیت رکھتا ہے اور سلطان وزیر پر تفوق رکھتا ہے، یا جیسے کہا جاتا ہے: العلم فوق العلم۔ یعنی علم کے اوپر علم ہے۔

پہلے معنی کے لحاظ سے ''فوق'' ایک ایسے جسم کا محتاج ہوتا ہے جسے دوسرے جسم سے نسبت دی جاسکے۔ دوسرے معنی کے لحاظ سے اس کی ضرورت نہیں۔ پس مؤمن کو یہ اعتقاد رکھنا چاہیے کہ ہرگز لفظ ''فوق'' کے پہلے معنی مراد نہیں ہیں، کیونکہ جسمیت اللہ تعالیٰ کے لیے محال ہے''۔

(الجام العوام عن علم الکلام،منضم رسائل الغزالی، باب اول: ص۴۲تا۴۵، طبع بیروت،لبنان)

11 حضرت امام عمر بن محمد بن احمد بن اسماعیل، ابوحفص، نجم الدین النسفیؒ (المتوفی ۵۳۷ھ) کے عقائد

پھر امام غزالیؒ (المتوفی ۵۰۵ھ) کے بعد علامہ عمر بن محمد نسفیؒ (المتوفی ۵۳۷ھ) نے اس پلیٹ فارم پر کام کیا۔ اور ایک بہترین مختصر مگر جامع کتاب ''العقائد النسفیہ'' کے نام سے لکھی جو کہ بے حد مقبول ہوئی۔ اس کتاب کی بے شمار شروحات لکھی گئیں جن میں زیادہ مشہور علامہ تفتازانیؒ کی شرح ''شرح العقائد'' ہے۔ نیز ''شرح المقاصد'' للتفتازانی بھی بہت عمدہ کتاب ہے۔ اسلام کی بارہ صدیوں میں تمام اہل السنت اپنے عقائد میں ایک ہی رہے اور اختلاف فی الفروع سے ان میں کوئی فرقہ بندی نہ ہوئی۔ عقائدِ نسفی اور شرح عقائد نسفی کے مؤلفین حنفی اور شافعی دو علیٰحدہ علیٰحدہ مذہب کے تھے۔

علامہ نسفیؒ **عقائدِ نسفیہ** میں فرماتے ہیں:

1 والمحدث للعالم هو الله تعالى، الواحد، القديم، القادر، الحي، العليم، السميع، البصير، الشائي، المريد، ليس بعرض، ولا جسم، ولا جوهر، ولا مصور، ولا محدود، ولا معدود، ولا متبعض، ولا متجز، ولا متركب، ولا متناه، ولا يوصف بالمائية، ولا بالكيفية، ولا يتمكن في مكان، ولا يجري عليه زمان، ولا يشبهه شئ، ولا يخرج عن علمه وقدرته شئ۔

2 وله صفات أزلية قائمة بذاته، وهي لا هو ولا غيره، وهي العلم والقدرة، والحياة، والسمع، والبصر، والارادة، والمشئية، والفعل، والتخليق، والترزيق، والكلام۔

3 وهو متكلم هو صفة له أزلية، ليس من جنس الحروف والأصوات، وهو صفة منافية للسكوت والآفة۔

4 والله تعالى متكلم بها آمر، وناه، ومخبر۔

5 القرآن كلام الله تعالى غير مخلوق، وهو مكتوب في مصاحفنا، محفوظ في قلوبنا، مقروء بألسنتنا، مسموع بآذاننا، غير حال فيها۔

6 والتكوين صفة لله تعالى أزلية، وهو تكوينه للعالم، ولكل جزء من أجزائه لوقت وجوده، وهو غير المكون عندنا۔

7 والارادة صفة لله تعالى أزلية قائمة بذاته۔

8 ورؤية الله تعالى جائزة في العقل، واجبة بالنقل، وقد ورد الدليل السمعي بايجاب رؤية الله تعالى في دار الآخرة، فيرى لا في مكان، ولا جهة ومقابلة، واتصال شعاع، وثبوت مسافة بين الرائي وبين الله تعالى۔

9 والله تعالى خالق لأفعال العباد، من الكفر، والايمان، والطاعة، والعصيان۔ وهي كلها بارادته، ومشيئته، وحكمه، وقضيته، وتقديره۔

10 وللعباد أفعال اختيارية، يثابون بها، ويعاقبون عليها۔ والحسن منها برضاء الله تعالى، والقبيح منها ليس برضائه تعالى۔ والاستطاعة مع الفعل، وهي حقيقة القدرة التي يكون بها الفعل، ويقع هذا الاسم على سلامة الأسباب، والآلات، والجوارح۔

(متن العقائد لعمر النسفی علیہ الرحمۃ، ملحق شرح العقائد النسفية ص۴۰۹، ۴۱۰۔

المؤلف: عمر بن محمد بن أحمد بن إسماعيل، أبو حفص، نجم الدين النسفي علیہ الرحمۃ (المتوفی ۵۳۷ھ)۔ الناشر: مكتبة البشریٰ، کراچی، ۱۴۳۲ھ)

ترجمہ

1 عالم کا صانع صرف اللہ تعالیٰ ہے، جو واحد ہے، قدیم ہے، قدرت والا، سدا زندہ رہنے

والا، علم والا، سمع والا، بصر والا، مشیت والا اور ارادہ والا ہے۔ وہ عرض نہیں ہے، وہ جسم نہیں ہے، نہ وہ جوہر ہے، وہ صورت اور شکل والا نہیں ہے۔ اور وہ حد و نہایت والا بھی نہیں ہے، اور عدد و کثرت والا بھی نہیں ہے (یعنی نہ تو وہ کمیاتِ متصلہ مثلاً مقداروں کا محل ہے اور نہ کمیات منفصلہ مثلاً اعداد کا محل ہے)۔ اور وہ نہ متبعّض اور متجزی (یعنی ابعاض اور اجزاء والا ہے)، اور نہ ان سے مرکب ہے (کیونکہ ان سب چیزوں میں احتیاج پایا جاتا ہے، جو وجوب کے منافی ہے۔ پھر جس چیز کے لیے اجزاء ہوں اسے ان اجزاء سے تالیف کے اعتبار سے مرکب کہا جاتا ہے اور ان کی طرف تحلیل ہونے کے اعتبار سے متبعض اور متجزی کہا جاتا ہے)۔ اور وہ متناہی بھی نہیں ہے (اس لیے کہ یہ مقدار اور عدد کی صفت ہے)۔

اور اللہ تعالیٰ ماہیت کے ساتھ متصف نہیں ہے (ماہیت سے مراد اشیاء کا ہم جنس ہونا ہے)۔ اور نہ وہ کیفیت سے متصف ہے (مثلاً رنگ، مزہ، بو، حرارت، برودت، رطوبت، یبوست وغیرہ کیفیات کے ساتھ متصف ہے جو اجسام کی صفات ہیں اور مزاج اور ترکیب کے تابع ہیں)۔ اور وہ کسی مکان میں نہیں ہے

(اور جب وہ کسی مکان میں نہیں ہے تو کسی جہت میں بھی نہیں ہے، نہ فوق میں اور نہ تحت میں، نہ ان دونوں کے علاوہ میں کیونکہ جہات یا تو مکان کے حدود اور اطراف ہیں یا عین مکان ہیں کسی اور دوسری چیز کی طرف منسوب ہونے کے اعتبار سے)۔

اور اس پر زمانہ جاری نہیں ہوتا ہے۔

اور کوئی شی اس کے مشابہ نہیں ہے (یعنی مماثل نہیں ہے)۔ اور کوئی بھی شی اس کے علم اور اس کی قدرت سے باہر نہیں ہے (کیونکہ بعض چیزوں سے جاہل ہونا اور بعض چیزوں سے عاجز ہونا نقص ہے)۔

2 اور خاص اس کے لیے کچھ صفات ہیں (کیونکہ یہ بات ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ عالم، قادر، حی وغیرہ ہیں اور یہ بات معلوم ہے کہ ان الفاظ میں سے ہر ایک واجب کے مفہوم زائد وصف پر دلالت کرتا ہیں اور یہ سب مترادف الفاظ نہیں ہیں)۔ وہ صفات ازلی ہیں۔ وہ صفات اس کی ذات کے ساتھ قائم ہیں۔ (اس بات کے بدیہی ہونے

کی وجہ سے کہ صفتِ شی کا کوئی معنی نہیں، سوائے اس چیز کے جو اس شی کے ساتھ قائم ہو)۔اللہ تعالیٰ کی صفات نہ عین ذات ہیں، نہ غیر ذات ہیں۔اور وہ (یعنی اللہ تعالیٰ کی صفاتِ ازلیہ) علم ہے (اور وہ ایک ایسی ازلی صفت ہے جس سے معلومات منکشف ہوتی ہیں۔ ان کے ساتھ اس صفت کا تعلق قائم ہونے کے وقت۔اور (دوسری صفت) قدرت ہے (اور وہ ایک ایسی ازلی صفت ہے، جو مقدورات میں مؤثر ہوتی ہے، ان مقدورات کے ساتھ اس صفت کا تعلق قائم ہونے کے وقت)۔ اور (تیسری صفت) حیات ہے (اور وہ ایک ایسی ازلی صفت ہے جو علم کی صحت اور امکان کا باعث ہوتی ہے)۔اور (چوتھی صفت) سمع ہے (وہ ایسی صفت ہے جس کا تعلق مسموعات کے ساتھ ہے)۔اور (پانچویں صفت) بصر ہے (اور وہ ایسی صفت ہے جس کا تعلق مبصرات کے ساتھ ہوتا ہے)۔اور (چھٹی صفت) ارادہ اور مشیت ہے (اور ان دونوں سے مراد زندہ میں ایک ایسی صفت ہے جو قدرت کا تعلق سب کے ساتھ برابر ہونے اور علم کا تعلق وقوع کے تابع ہونے کے باوجود مقدورین میں سے ایک کو کسی ایک وقت میں واقع ہونے کے ساتھ خاص کرنے کا مقتضی ہوتی ہے)۔اور صفات ازلیہ حقیقیہ میں سے) فعل اور تخلیق ہے (ان دونوں سے مراد ایک ایسی ازلی صفت ہے جس کو تکوین کہا جاتا ہے) اور ترزیق بھی ہے (یہ ایک مخصوص تکوین ہے)۔اور (آٹھویں صفت) کلام ہے (اور وہ ایک ایسی ازلی صفت ہے جس کو اس قرآن نامی نظم کے ذریعہ تعبیر کیا جاتا ہے جو حروف سے مرکب ہے)۔

تشریح صفاتِ ازلیہ میں سے آٹھویں صفت کلام ہے۔لیکن عرف میں کلام سے یہ نظمِ متلو سمجھا جاتا ہے جس کا نام قرآن ہے اور جو ان حروف واصوات سے جو کہ اعراض کے قبیل سے ہیں، مرکب ہونے کی وجہ سے حادث ہیں اور ظاہر ہے کہ حوادث اللہ تعالیٰ کی صفت نہیں بن سکتے۔اسی بنا پر معتزلہ نے جن کے نزدیک کلام صرف یہی کلامِ لفظی ہے۔انھوں نے کلام کے صفتِ الٰہی ہونے کا انکار کیا۔یہاں صفاتِ باری تعالیٰ کے ذیل میں کلام سے یہ نظمِ متلو مراد نہیں بلکہ اس سے مراد ایک ایسی ازلی صفت ہے جس کو قرآن نامی اِس نظم سے اسی طرح تعبیر کیا جاتا ہے جس طرح کسی بھی معنیٰ موضوع لہ

اس کے وضع کردہ لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔گویا یہ نظم جس کا نام قرآن ہے بمنزلہ لفظِ موضوع اور دالّ (دلالت کرنے والا) ہے۔اور یہ کلامِ لفظی ہے۔اور وہ صفتِ ازلیہ جو قرآن نامی اس نظم کا موضوع لہ اور مدلول ہے، وہ حقیقی کلام ہے جسے کلامِ نفسی کہتے ہیں۔یہاں صفاتِ باری تعالیٰ میں کلام سے یہی کلام نفسی مراد ہے جو نظمِ متلو کا مدلول ہے۔

3 اور وہ (یعنی اللہ تعالیٰ) متکلم ہے، ایسے کلام کے سبب جو اس کی صفت ہے۔وہ صفت ازلی ہے۔حروف واصوات کی جنس سے نہیں ہے (کیونکہ حروف واصوات ایسے اعراض ہیں جو حادث ہیں)۔اور وہ (یعنی کلام) ایک ایسی صفت ہے (یعنی ایک ایسا معنی ہے جو ذات واجب کے ساتھ قائم ہے) جو (اس) سکوت کے منافی ہے (جو تکلم نہ کرنے کا نام ہے باوجود اس پر قدرت ہونے کے) اور آفت کے منافی ہے (جو آلات کے کام نہ کرنے کا نام ہے)۔

4 اللہ تعالیٰ اسی صفت کے ساتھ متکلم ہیں، آمر، ناہی اور مخبر ہیں (یعنی کلام ایک ہی صفت ہے جو تعلقات کے مختلف ہونے کی وجہ سے امر ونہی کے لحاظ سے کثرت والا ہے)۔

5 قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام غیر مخلوق ہے۔وہ (یعنی قرآن جو اللہ تعالیٰ کا کلام ہے) ہمارے مصاحف میں مکتوب ہے (یعنی کلام الٰہی پر دلالت کرنے والے حروف کی صورتوں اور کتابت کی شکلوں کے واسطے سے)۔ ہمارے دلوں میں محفوظ ہے (خزانۂ خیال میں جمع شدہ الفاظ کے واسطے سے)۔ ہماری زبانوں سے پڑھا جاتا ہے (اس کے قابل تلفظ اور قابل سماع حروف کے واسطے سے)۔ان میں حلول کرنے والا نہیں (یعنی ان سب باتوں کے باوجود نہ تو وہ مصاحف میں حلول کیے ہوئے ہے اور نہ قلوب میں اور نہ زبانوں میں اور نہ کانوں میں۔ بلکہ وہ ایک قدیم معنی ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہے۔اس کا تلفظ ہوتا ہے اس پر دلالت کرنے والی نظم کے توسط سے۔اس کو سنا جاتا ہے، خیال میں جمع شدہ نظم کے توسط سے۔اس کو حفظ کیا جاتا ہے۔اس پر دلالت کرنے والے حروف کے لیے وضع کردہ اشکال ونقوش کے

واسطے سے اس کو لکھا جاتا ہے)۔

6 اور تکوین اللہ تعالیٰ کی صفت ہے (جس سے مراد وہ صفت ہے جس کو فعل، خلق، تخلیق، ایجاد، احداث، اختراع وغیرہ سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور جس کا مطلب معدوم کو عدم سے نکال کر وجود کی طرف لانا بیان کیا جاتا ہے)۔ وہ صفتِ تکوین ازلی ہے۔ اور وہ تکوین اللہ تعالیٰ کا عالم اور اس کے ہر ہر جزء کو مکوّن اور مخلوق فرمانا ہے (لیکن ازل میں نہیں بلکہ اس کے علم اور قدرت کے مطابق اس کے وجود کے وقت میں (تو تکوین ازل سے ابد تک باقی ہے) اور وہ (تکوین) ہم ماتریدیہ کے نزدیک مکوّن کا غیر ہے۔

7 اور ارادہ اللہ تعالیٰ کی ازلی صفت ہے جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے۔

8 اور اللہ تعالیٰ کی رؤیت عقلاً ممکن ہے۔ اور نقل سے ثابت ہے اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کو مؤمنین کا دیکھنا ثابت ہونے کے متعلق نقلی دلیل وارد ہے۔ اللہ تعالیٰ دکھائی دیں گے دراں حالیکہ نہ وہ مکان میں ہونے کے ساتھ متصف ہے، نہ رائی (دیکھنے والے) اور اللہ تعالیٰ کے درمیان مسافت کا ثبوت ہے۔

9 اور اللہ تعالیٰ بندوں کے افعال: کفر، ایمان، طاعت اور معصیت کے خالق ہیں۔ اور وہ (یعنی تمام افعال عباد) اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور مشیت کے سبب موجود ہیں اور اس کے حکم سے ہیں اور اس کی قضاء سے موجود ہیں، اور (تمام افعال عباد) اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے ہیں۔

10 اور بندوں کے کچھ اختیاری افعال ہیں جو اگر طاعت اور عبادت کے قبیل سے ہیں تو ان پر انھیں ثواب دیا جائے گا اور اگر معصیت کے قبیل سے ہیں تو ان پر انھیں سزا دی جائے گی۔ اور بندوں کے اچھے افعال اللہ تعالیٰ کی رضا سے ہیں اور قبیح اعمال اللہ تعالیٰ کی رضا سے نہیں ہیں۔ اور استطاعت فعل کے ساتھ ہے۔ اور درحقیقت وہ قدرت ہے، جس کے ذریعہ فعل کا وجود ہوتا ہے۔ یہ لفظ (یعنی لفظ استطاعت) بولا جاتا ہے: اسباب وآلات، اور اعضائے ظاہری کی سلامتی پر۔

12 حضرت امام ابن جوزیؒ (المتوفی ۵۹۷ھ) کے عقائد

آپ نے متاخرین حنابلہ کا مکمل رد اپنی کتاب "دَفْعُ شُبَهَ التَّشْبِيْهِ بِأَكُفِّ التَّنْزِيْهِ" میں کیا ہے۔ جن کے مقتداء شیخ الحنابلہ ابن حامد بغدادیؒ (المتوفی ۴۰۳ھ) قاضی ابویعلی حنبلیؒ (المتوفی ۴۵۸ھ) اور شیخ زاغونی حنبلیؒ (المتوفی ۵۲۷ھ) تھے۔

علامہ ابن جوزیؒ نے ان تمام مغالطات کی نشان دہی کی، جن سے یہ لوگ مغالطے میں مبتلا ہوئے۔ اور ان سب کے دلائل کا مکمل رد کیا ہے۔ یہ رسالہ بھی مع تعلیقاتِ کوثریؒ شائع شدہ ہے۔ پھر حال ہی میں علامہ سید حسن بن علی السقاف کی تحقیق وتعلیق کے ساتھ شائع ہوا ہے۔ افسوس ہے کہ علامہ ابن تیمیہؒ وابن قیمؒ نے ان ہی شیوخ کا اتباع کر لیا اور غالب یہ ہے کہ علامہ ابن جوزیؒ کا رسالہ مذکورہ بھی ان کے مطالعہ سے گزرا ہوگا مگر اس کے جوابی دلائل انہوں نے کہیں ذکر نہیں کیے ہیں۔ واللہ اعلم!

علامہؒ نے تمام آیات واحادیث کا بھی جواب دیا ہے جن سے مشبہہ نے غلط طور سے استدلال کیا تھا۔

دَفْعُ شُبَهَ التَّشْبِيْهِ بِأَكُفِّ التَّنْزِيْهِ میں بیان کردہ تحقیق

ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ (الحدید: ۴) کی تحقیق میں امام ابن جوزیؒ فرماتے ہیں:

وقد حمل قوم من المتأخرين هذه الصفة على مقتضى الحس فقالوا: "استوى على العرش بذاته"، وهي زيادة لم تنقل، إنما فهموها من إحساسهم، وهو أن المستوى على الشئ إنما

تستوي عليه ذاته، قال أبو حامد (المجسم): الاستواء مماسته وصفة لذاته، والمراد به القعود. قال: وقد ذهبت طائفة من أصحابنا إلى أن الله سبحانه وتعالى على عرشه قد ملأه، وأنه يَقْعُدُ، ويُقْعِدُ نبيَّه صلى الله عليه وسلم معه على العرش يوم القيامة. قال أبو حامد: والنزول هو الانتقال.

قلت: وعلى ما حكى تكون ذاته أصغر من العرش. فالعجب من قول هذا، ما نحن مجسمة..؟؟!!

وقيل لابن الزاغوني (المجسم): هل تجدّدت له صفة لم تكن له بعد خلق العرش...؟ قال: لا إنما خلق العالم بصفة التحت، فصار العالم بالإضافة إليه أسفل. فإذا ثبت لإحدى الذاتين صفة التحت تثبت للأخرى صفة استحقاق الفوق قال: وقد ثبت أن الأماكن ليست في ذاته، ولا ذاته فيها، فثبت انفصاله عنها، ولا بد من شئ يحصل به الفصل، فلما قال: "ثم استوى" علمنا اختصاصه بتلك الجهة.

قال ابن الزاغوني (المجسم): ولا بُدَّ أن تكون لذاته نهاية وغاية يعلمها.

قلت: وهذا رجل لا يدري ما يقول لأنه إذا قدّر غاية وفصلا بين الخالق والمخلوق فقد حدّده، وأقرَّ بأنه جسم، وهو يقول في كتابه: إنه ليس بجوهر، لأن الجوهر ما تحيَّز. ثُمَّ يثبت له مكانا يتحيز فيه.

قلت: وهذا كلام جهل من قائله، وتشبيه محض، فما عرف هذا الشيخ ما يجب للخالق، وما يستحيل عليه. فإن وجوده تعالى ليس كوجود الجواهر والأجسام التي لا بد لها من حيز، والتحت والفوق إنما يكون فيما يقابل ويحاذي، ومن ضرورة المحاذي أن يكون أكبر من المحاذي أو أصغر أو مثله، وإن هذا ومثله إنما يكون في

الأجسام، وكل ما يحاذي الأجسام يجوز أن يمسها، وما جاز عليه مماسة الأجسام ومباينتها فهو حادث، إذ قد ثبت أن الدليل على حدوث الجواهر قبولها للمباينة والمماسة.

(دَفْعُ شُبَهُ التَّشْبِيْهِ بِأَكُفِّ التَنْزِيْهِ ص ۱۲۷ تا ۱۳۰ تحقیق حسن السقاف، طبع دار الامام الرواس، بیروت ۲۰۰۷ء؛ العقیدۃ وعلم الکلام ص ۲۳۶، ۲۳۷ طبع ایچ۔ایم۔سعید کمپنی، کراچی)

ترجمہ: متاخرین میں سے کچھ لوگوں نے اس صفت (استواء علی العرش) کو محسوسات کے طریقے پر لیا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے ساتھ عرش پر استواء کیا۔ یہ (یعنی اپنی ذات کے ساتھ کا) ایسا اضافہ ہے جس کی ان کے پاس کوئی نقلی دلیل نہیں ہے بلکہ اس کو انہوں نے مخلوق پر قیاس کر کے سمجھا اور وہ اس طرح کہ جو کوئی کسی شی پر مستوی ہوتا ہے وہ اس پر اپنی ذات کے ساتھ مستوی ہوتا ہے۔ ابن حامد نے کہا کہ استواء مماست کو یعنی ایک دوسرے کو چھونے کو کہتے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کی صفتِ ذاتی ہے اور اس سے مراد بیٹھنا ہے۔ ابن حامد نے کہا کہ ہمارے اصحاب کا ایک گروہ اس بات کا قائل ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے عرش پر ہیں اور انہوں نے اس کو بھر رکھا ہے اور وہ اپنے نبی ﷺ کو اپنے ساتھ عرش پر بٹھائیں گے۔ ایک روایت کے مطابق اللہ تعالیٰ کی ذات عرش سے چھوٹی ہے۔ عجیب بات ہے کہ یہ سب کچھ کہنے کے باوجود یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم مجسمہ نہیں ہیں۔

ابن زاغونی سے پوچھا گیا کہ کیا عرش کی تخلیق کے بعد اللہ تعالیٰ کو کوئی ایسی صفت حاصل ہوئی جو پہلے حاصل نہ تھی۔ انہوں نے جواب دیا کہ نہیں۔ عالم وکائنات کی تخلیق صفت تحت کے ساتھ ہوئی تو پورا عالم اللہ تعالیٰ کی نسبت سے تحت میں ہے اور نیچے ہے اور جب ایک ذات کو (یعنی عالم کو) تحت کی صفت حاصل ہوئی تو دوسری ذات (یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات) کو خود بخود صفتِ فوق حاصل ہوئی۔ (ابن زاغونی نے مزید) کہا کہ مکان نہ تو اللہ تعالیٰ کی ذات میں ہے اور نہ اللہ تعالیٰ کی ذات کسی مکان میں ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کا مکان سے جدا ہونا ثابت ہوا اور ضروری ہے کہ کوئی ایسی ابتداء ہونی چاہیے جس سے خالق ومخلوق کے درمیان جدائی حاصل ہو۔ تو جب

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: استویٰ۔ تو ہمیں معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ فوقیت کی جہت کے ساتھ مختص ہیں۔ ابن زاغونی نے کہا کہ ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے کوئی حد وانتہاء ہو جس کو اللہ تعالیٰ جانتے ہوں۔

میں (ابن جوزیؒ) کہتا ہوں کہ یہ شخص (یعنی ابن زاغونی) نہیں جانتے کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں کیونکہ جب انہوں نے خالق اور مخلوق کے درمیان انتہاء اور جدائی ہونے کا کہا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی حد بندی کر دی اور اقرار کر لیا کہ اللہ تعالیٰ کا جسم ہے۔ حالانکہ ابن زاغونی اپنی کتاب میں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جوہر نہیں ہیں کیونکہ جوہر وہ ہوتا ہے جو متحیز (کسی حیز میں) ہو۔ پھر اس کے لیے کوئی مکان ہونا چاہیے جس میں وہ متحیز ہو۔ میں کہتا ہوں کہ ابن زاغونی کا کلام نری جہالت اور نری تشبیہ ہے۔ ان صاحب کو معلوم ہی نہیں کہ اللہ تعالیٰ پر کیا چیز جائز ہے اور کیا ناجائز ہے؟

وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وجود جواہر واجسام کے وجود کی طرح نہیں ہے جس کے لیے حیز ضروری ہے جب کہ تحت اور فوق ان چیزوں میں جاری ہوتا ہے جو ایک دوسرے کے مقابل اور محاذی ہوں اور محاذی کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے محاذی سے بڑا ہو یا چھوٹا ہو یا اس کے برابر ہو۔ اور بڑا، چھوٹا یا مساوی ہونا اجسام میں ہوتا ہے اور جو چیز اجسام کے محاذی ہو وہ اجسام کو مس کر سکتی ہے اور جو چیز اجسام کو مس کر سکتی ہو اور ان سے علیحدہ ہو سکتی ہو وہ حادث ہوتی ہے۔

صفاتِ باری تعالیٰ اکابر علمائے اُمت کے عقائد

13: حضرت امام رازیؒ (المتوفی ۶۰۶ھ) کے عقائد

مشہور و معروف مفسر و متکلم ہیں۔ علامہ ابن الجوزیؒ نے (دفع شبہ التشبیہ، العقیدۃ وعلم الکلام ص ۲۳۸) میں لکھا ہے کہ ان متاخرین حنابلہ نے اللہ تعالی کے قول: "وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ" (الانعام:۱۸) سے فوقیت حسیہ مراد لی ہے۔ اور اس بات کو بھول گئے کہ یہ اجسام و جواہر کے لیے ہوا کرتی ہے۔ پھر یہ کہ فوقیت سے علوّ مرتبت بھی تو مراد ہوا کرتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص فلاں شخص سے اوپر ہے۔ یعنی مرتبے میں۔ اس پر علامہ کوثریؒ کی تعلیق (حاشیہ دفع شبہہ التشبیہ، العقیدۃ وعلم الکلام، ص ۲۳۸) میں تفسیر کبیر رازی کا ارشاد ذیل نقل ہوا ہے:

سارا عالم کرہ ہے۔ لہٰذا خدا تعالیٰ کو جہتِ فوق میں متعین کرنا ممتنع و محال ہے۔ ہم دو آدمی فرض کریں ایک نقطہ مشرق میں کھڑا ہو اور دوسرا مغرب میں۔ تو ظاہر ہے کہ دونوں کے قدم متقابل ہوں گے اور جو ایک کے مقابل میں اوپر ہوگا وہ دوسرے کے لحاظ سے نیچے ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ کا دنیا والوں کے نیچے ہونا بالاتفاق محال ہے۔ لہٰذا اس کا کسی مکانِ متعین میں ہونا بھی محال ہوگا۔

پھر علامہ ابن جوزیؒ نے لکھا کہ: "جیسے خدا نے "فوق عبادہ" فرمایا ہے، وہاں "وھو معکم" بھی فرمایا ہے۔ اگر اس میں معیت کو علم سے متعلق کیا جائے تو دوسروں کو بھی حق ہے کہ استواء کو قہر و غلبہ پر محمول کریں۔ کچھ لوگوں نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر ہے۔ اس کو پورا بھر دیا ہے اور اشبہ اس کو بتلایا کہ وہ عرش سے مماس ہے اور کرسی اس کے دونوں قدم رکھنے کی جگہ ہے۔ میں کہتا ہوں کہ مماست (ایک کا دوسرے کو مس کرنا) تو دو جسموں کے اندر ہوا کرتا ہے۔ پھر اس نظریہ کے بعد خدا کے لیے تجسیم مان لینے میں کیا کسر باقی رہ گئی؟"

اس پر تعلیق میں لکھا کہ علامہ رازیؒ نے اپنے رسالہ 'اساس التقدیس' میں لکھا کہ قول باری تعالیٰ:

۱ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ (سورت ق:۱۶)

٢ وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنتُمْ (الحدید: ۴)

٣ وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلَٰهٌ وَفِي الْأَرْضِ إِلَٰهٌ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْعَلِيمُ۔

(الزخرف: ۸۴)

کے ظاہر سے تو باری تعالیٰ کے عرش پر مستقر (اور جالس وقاعد) ہونے کی نفی ہو رہی ہے۔ لہٰذا ان آیات میں اس لیے تاویل کرنا تاکہ دوسری اپنی استدلالی آیات کو ظاہر پر محمول کرسکیں۔ یہ بات برعکس معنی لینے والوں سے بہتر کیسے ہوگی؟

(حاشیہ دفع شبہ التشبیہ، العقیدۃ وعلم الکلام، ص ۲۳۸)

امام رازیؒ کی تفسیر کبیر بہت مشہور ہے، جس میں فقہی مذاہب اور احکام وعقائد کی ابحاث درج ہیں۔ اور مذاہبِ باطلہ، فلاسفہ وغیرہ کا بھی خوب رد کیا ہے۔ کوئی عالم اس کے مطالعہ سے مستغنی نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح علم کلام وعقائد میں آپ کی کتاب "اساس التقدیس" بھی بے نظیر محققانہ کتاب ہے۔ جس میں فرقۂ مشبہہ ومجسمہ کا رد بھی مفصل کیا گیا ہے۔

علامہ کوثریؒ نے لکھا کہ "امام رازیؒ مجسمہ کے حق میں سیفِ مسلول تھے۔ اس لیے وہ ان کے یہاں اہل علم میں سے سب سے زیادہ مبغوض ہیں۔ کیونکہ انہوں نے پورے دلائل وحجتوں کے ساتھ ان کی شرارتوں کا جواب دیا ہے۔ خاص طور سے مجسمۂ اہل شام کو اپنی کتاب "اساس التقدیس" کے ذریعہ لاجواب کردیا ہے۔ اور یہ ایسی کتاب ہے کہ اس کو سونے کے پانی سے لکھا جائے تو اس کا حق ادا ہو اور یہ اس قابل ہے کہ اس کو درسی نصاب میں رکھا جائے۔ خاص کر ان مقامات میں جہاں مشبہہ ومجسمہ کا فتنہ زیادہ ہو۔

نیز ان کی تفسیر کبیر بھی ردِ حشویہ میں بے نظیر ہے۔ عجب نہیں کہ ان کی ان خدمات سے ان بعض غلطیوں کا کفارہ ہوگیا ہو جو ان سے صادر ہوگئی تھیں۔ اور ان کو جنت میں اعلیٰ مقام حاصل ہوا ہو (حاشیہ السیف الصقیل، العقیدۃ وعلم الکلام، ص ۵۴۲)۔

1 تفویض وتاویل کے بارے میں حضرت امام رازیؒ کی تحقیق

أن جميع فرق الإسلام مقرون بأنه لا بد من التأويل في بعض ظواهر القرآن والأخبار. أما في القرآن فبيانه من وجوه:

الأول: هو أنه ورد في القرآن ذكر الوجه، وذكر العين، وذكر الجنب الواحد، وذكر الأيدي، وذكر الساق الواحدة. فلو أخذنا بالظاهر يلزمنا إثبات شخص له وجه واحد، وعلى ذلك الوجه أعين كثيرة، وله جنب واحد، وعليه أيد كثيرة، وله ساق واحدة. ولا نرى في الدنيا شخصا أقبح صورة من هذه المتخيلة. ولا أعتقد أن عاقلاً يرضى بأن يصف ربه بهذه الصفة.

الثاني: أنه ورد في القرآن أنه نور السماوات والأرض. وأن كل عاقل يعلم بالبديهة أن إله العالم ليس هو هذا الشيء المنبسط على الجدران والحيطان. وليس هو هذا النور الفائض من جرم الشمس والقمر والنار. فلا بد لكل واحد منا من أن يفسر قوله تعالى (الله نور السماوات والأرض)(النور:۳۵) بأنه منور السموات والأرض، أو بأنه هاد لأهل السموات والأرض، أو بأنه مصلح السموات والأرض. وكل ذلك تأويل.

الثالث: قال الله تعالى (وأنزلنا الحديد فيه بأس شديد) ومعلوم أن الحديد ما نزل جرمه من السماء إلى الأرض وقال (وأنزل لكم من الأنعام ثمانية أزواج) ومعلوم أن الأنعام ما نزلت من السماء إلى الأرض

الرابع: قوله تعالى (وهو معكم أينما كنتم) وقوله تعالى (ونحن أقرب إليه من حبل الوريد) وقوله تعالى (ما يكون من نجوى ثلاثة إلا هو رابعهم)

وكل عَاقل يعلم أَن المُرَاد مِنْهُ الْقرب بِالْعلمِ وَالْقُدْرَة الإلهية.

الْخَامِس: قَوْله تَعَالَى (واسجد واقترب) فَإِن هٰذَا الْقرب لَيْسَ إِلَّا بِالطَّاعَةِ والعبودية فَأَما الْقرب بالجهة فمعلوم بِالضَّرُورَةِ أَنه لَا يحصل بِسَبَب السُّجُود.

السَّادِس: قَوْله تَعَالَى (فَأَيْنمَا توَلّوا فثم وَجه الله) وَقَالَ تَعَالَى (وَنحن أقرب إِلَيْهِ مِنْكُم وَلَكِن لَا تبصرون)

السَّابِع: قَالَ تَعَالَى (من ذَا الَّذِي يقْرض الله قرضا حسنا) وَلَا شكّ أَنه لَا بُد فِيهِ من التَّأْوِيل

الثَّامِن: قَوْله تَعَالَى (فَأتى الله بنيانهم من الْقَوَاعِد) وَلَا بُد فِيهِ من التَّأْوِيل

التَّاسِع: قَالَ تَعَالَى لمُوسَى وَهَارُون (إِنَّنِي مَعَكُمَا أسمع وَأرى) وَهَذِه الْمَعِيَّة لَيست إِلَّا بِالْحِفْظِ وَالْعلم وَالرَّحْمَة فَهَذِهِ وأمثالها من الْأُمُور الَّتِي لَا بُد لكل عَاقل من الإعتراف بحملها على التَّأْوِيل وَبِاللَّهِ التَّوْفِيق

أما الْأَخْبَار فَهَذَا النَّوْع فِيهَا كثير

فَالْأول قَوْله عَلَيْهِ السَّلَام حِكَايَة عَن الله سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى (مَرضت فَلم تعدني استطعمتك فَمَا أطعمتني إستسقيتك فَمَا أسقيتني). وَلَا يشك عَاقل أَن المُرَاد مِنْهُ التَّمْثِيل فَقَط.

الثَّانِي قَوْله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم حِكَايَة عَن ربه (من أَتَانِي يمشي أَتَيْته هرولة) وَلَا يشك عَاقل فِي أَن المُرَاد مِنْهُ التَّمْثِيل والتصوير.

الثَّالِث نقل الشَّيْخ الْغَزالِيّ رَحمَه الله عَن أَحْمد بن حَنْبَل رَحمَه الله أَنه أقرّ بالتأويل فِي ثَلَاثَة أَحَادِيث:

أَحدهَا قَوْله عَلَيْهِ السَّلَام (الْحجر يَمِين الله فِي الأَرْض)

وَثَانِيهَا قَوْله عَلَيْهِ السَّلَام (إِنِّي لأجد نفس الرَّحْمٰن من قبل الْيمن)

وثالثها قَوْله عَلَيْهِ السَّلَام حِكَايَة عَن الله عز وَجل (أَنا جليس من ذكرني)

الرَّابِع حُكيَ أَن الْمُعْتَزلَة تمسكوا فِي خلق الْقُرْآن بِمَا رُوِيَ عَنهُ عَلَيْهِ السَّلَام

أَنه يَأْتِي سُورَة الْبَقَرَة وَآل عمرَان كَذَا وَكَذَا يَوْم الْقِيَامَة كَأَنَّهُمَا غمامتان. فَأجَاب أَحْمد بن حَنْبَل رَحمَه الله تَعَالَى وَقَالَ يَعْنِي ثَوَاب قارئهما. وَهَذَا تَصْرِيح بالتأويل

الْخَامِس قَوْله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم (إِن الرَّحِم يتَعَلَّق بحقوتي الرَّحْمٰن فَيَقُول سُبْحَانَهُ أصل من وصلك). وَهَذَا لَا بُد لَهُ من التاويل

السَّادِس قَالَ عَلَيْهِ السَّلَام (إِن الْمَسْجِد لينزوي من النخامة كَمَا تنزوي الْجلْدَة من النَّار) وَلَا بُد فِيهِ من التَّأْوِيل

السَّابِع قَالَ عَلَيْهِ السَّلَام (قلب الْمُؤمن بَين أصبعين من أَصَابِع الرَّحْمٰن). وَهَذَا لَا بُد فِيهِ من التَّأْوِيل لأَنا نعلم بِالضَّرُورَةِ انه لَيْسَ فِي صدورنا أصبعان بَينهمَا قُلُوبنَا

الثَّامِن قَوْله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم حِكَايَة عَن الله تَعَالَى (أَنا عِنْد المنكسرة قُلُوبهم) وَلَيْسَت هٰذِه العندية إِلَّا بِالرَّحْمَةِ. وَأَيْضًا قَالَ صلى الله عَلَيْهِ وَسلم حِكَايَة عَن الله تَعَالَى فِي صفة الْأَوْلِيَاء (فَإِذا أحببته كنت سَمعه الَّذِي يسمع بِهِ وبصره الَّذِي يبصر بِهِ) وَمن الْمَعْلُوم بِالضَّرُورَةِ أَن الْقُوَّة الباصرة الَّتِي بهَا يرى الْأَشْيَاء لَيست هِيَ الله سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى.

التَّاسِع قَالَ عَلَيْهِ السَّلَام حِكَايَة عَن الله سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى (الْكِبْرِيَاء رِدَائِي وَالْعَظَمَة إزَارِي) والعاقل لَا يثبت لله تَعَالَى إزارا ورداء.

الْعَاشِر قَالَ عَلَيْهِ السَّلَام لأبي بن كَعْب (يَا أَبَا الْمُنْذر أَيّة آيَة فِي كتاب الله تَعَالَى أعظم؟ فتردد فِيهِ مرَّتَيْنِ، ثمَّ قَالَ فِي الثَّالِثَة آيَة الْكُرْسِيّ. فَضرب يَده عَلَيْهِ السَّلَام على صَدره وَقَالَ أصبت، وَالَّذِي نَفسِي بِيَدِهِ أَن لَهَا لِسَانا يقدّس الله تَعَالَى عِنْد الْعَرْش). وَلَا بُد فِيهِ من التَّأْوِيل.

فَثَبت بِكُل مَا ذكرنَا أَن الْمصير إِلَى التَّأْوِيل أَمر لَا بُد مِنْهُ لكل عَاقل وَعند هٰذَا قَالَ المتكلمون لما ثَبت بِالدَّلِيلِ أَنه سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى منزه عَن الْجِهَة والجسمية وَجب علينا أَن نضع لهٰذِهِ الْأَلْفَاظ الْوَارِدَة فِي

الْقُرْآن وَالْأَخْبَار محملًا صَحِيحًا لِئَلَّا يصير ذٰلِكَ سَبَبًا لِلطَّعْنِ فِيهَا۔

(أساس التقديس في علم الكلام ص ٦٧ تا ٧٠، المؤلف: أبو عبد الله محمد بن عمر بن الحسن بن الحسين التيمي الرازي الملقب بفخر الدين الرازي خطيب الري (المتوفى ٦٠٦هـ)۔ الناشر: مؤسسة الكتب الثقافية، بيروت ١٤١٥هـ)

ترجمہ اسلام کے تمام فرقے اس بات پر متفق ہیں کہ قرآن وحدیث میں بعض ظواہر کی تاویل لازمی امر ہے۔

آیاتِ قرآنیہ میں تاویل

قرآن کریم میں اس کا بیان چند وجوہ سے ہے:

1 قرآن کریم میں چہرے، آنکھ، ایک پہلو، ہاتھوں، ایک پنڈلی کا ذکر ہے۔ اگر ہم ان کا ظاہری معنی لیں، تو ہمیں ایک ایسی ذات کا اثبات لازم ہوگا، جس کا ایک چہرہ، اس چہرے پر بہت زیادہ آنکھیں، اس کا ایک پہلو، اور اس پر بہت زیادہ ہاتھ، اس کی ایک پنڈلی ہو۔ اس خیال میں آنے والے شخص سے زیادہ قبیح ہم نے کبھی نہیں دیکھا ہوگا۔ اور نہ کبھی کوئی عاقل شخص اس بات پر راضی ہوگا کہ وہ اپنے رب کی ایسی صفات بیان کرنے پر راضی ہو۔

2 قرآن کریم میں وارد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمان وزمین کا نور ہے۔ ہر عاقل یہ بات بڑی اچھی طرح جانتا ہے کہ جہان کا الٰہ (معبود) وہ نور اور روشنی نہیں ہے جو دیواروں، باغوں پر پھیلی ہوتی ہے۔ اور نہ اللہ تعالیٰ کا وہ نور ہے جو سورج، چاند اور آگ سے حاصل ہوتا ہے۔ لہٰذا مسلمانوں میں سے ہر شخص پر یہ لازم ہے کہ قرآن کریم کی اس آیت: اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ (النور:٣٥) (اللہ تمام آسمانوں اور زمین کا نور ہے) کی یہ تفسیر کرے: اللہ تعالیٰ آسمان وزمین کو منور اور روشن کرنے والا ہے، یا اللہ تعالیٰ آسمان وزمین کے باشندوں کو ہدایت دینے والا ہے، یا اللہ تعالیٰ آسمان وزمین کا مصلح ہے۔ یہ سب تاویلات ہی ہیں۔

3 اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَأَنْزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ۔ (الحدید:٢٥)۔

ترجمہ اور ہم نے لوہا اُتارا جس میں جنگی طاقت بھی ہے۔

یہ بات معلوم ہے کہ لوہا کوئی ایسی چیز تو نہیں ہے جو آسمان سے زمین پر اتارا جاتا ہو۔

وَأَنْزَلَ لَكُمْ مِنَ الْأَنْعَامِ ثَمَانِيَةَ أَزْوَاجٍ۔ (الزمر:٦)

ترجمہ اور تمہارے لیے مویشیوں میں سے آٹھ جوڑے اُتارے یعنی پیدا کیے۔

یہ بات تو ہر ایک کو معلوم ہے کہ مویشی تو آسمان سے زمین پر نازل نہیں ہوتے۔

4 اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ۔ (الحدید:٤)

ترجمہ اور تم جہاں کہیں بھی ہو، وہ تمہارے ساتھ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ۔ (ق:١٦)

ترجمہ اور ہم اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ اُس کے قریب ہیں۔

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

مَا يَكُونُ مِنْ نَجْوَىٰ ثَلَاثَةٍ إِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ إِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا أَدْنَىٰ مِنْ ذَٰلِكَ وَلَا أَكْثَرَ إِلَّا هُوَ مَعَهُمْ۔ (المجادلہ:٧)

ترجمہ کبھی تین آدمیوں میں کوئی سرگوشی ایسی نہیں ہوتی جس میں چوتھا وہ نہ ہو، اور نہ پانچ آدمیوں کی کوئی سرگوشی ایسی ہوتی ہے جس میں چھٹا وہ نہ ہو، اور چاہے سرگوشی کرنے والے اس سے کم ہوں یا زیادہ، وہ جہاں بھی ہوں، اللہ ان کے ساتھ ہوتا ہے۔

ہر عاقل، سمجھدار یہ بات جانتا ہے کہ یہاں قُرب سے مراد اللہ تعالیٰ کے علم اور قدرت کا قُرب مراد ہے۔

5 فرمانِ خداوندی ہے: وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ۔ (العلق:١٩)

ترجمہ اور سجدہ کرو، اور قریب آجاؤ۔

اس لیے کہ یہ قرب تو صرف طاعت اور عبودیت سے ہی حاصل ہوتا ہے۔ اور جہت کے لحاظ سے قرب تو پکی بات ہے کہ وہ سجدہ کرنے سے ہرگز حاصل نہیں ہوتا۔

6 اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ۔ (البقرہ:١١٥)

ترجمہ لہٰذا جس طرف بھی تم رُخ کروگے، وہیں اللہ کا رُخ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنكُمْ وَلَٰكِن لَّا تُبْصِرُونَ۔
(الواقعہ:۸۵)

ترجمہ اور تم سے زیادہ ہم اُس کے قریب ہوتے ہیں، مگر تمہیں نظر نہیں آتا۔

7 اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: مَن ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا
(البقرہ:۲۴۵)

ترجمہ کون ہے جو اللہ کو اچھے طریقے پر قرض دے، تاکہ وہ اسے اس کے مفاد میں اتنا بڑھائے چڑھائے کہ وہ بدرجہا زیادہ ہوجائے؟

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہاں تاویل بہت ہی ضروری ہے۔

8 اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَأَتَى اللَّهُ بُنْيَانَهُم مِّنَ الْقَوَاعِدِ (النحل:۲۶)

ترجمہ پھر ہوا یہ کہ (منصوبوں کی) جو عمارتیں انہوں نے تعمیر کی تھیں، اللہ تعالیٰ نے اُنہیں جڑ بنیاد سے اُکھاڑ پھینکا۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہاں تاویل بہت ہی ضروری ہے۔

9 اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: إِنَّنِي مَعَكُمَا أَسْمَعُ وَأَرَىٰ (طٰہٰ:۴۶)

ترجمہ میں تمہارے ساتھ ہوں، سن بھی رہا ہوں، اور دیکھ بھی رہا ہوں۔

یہ معیت صرف اور صرف حفاظت، علم اور رحمت ہی کی ہے۔

پس یہ اور ان جیسی دوسری آیات صفات میں ہر عاقل اس بات کو تسلیم کرے گا کہ ان میں تاویل کرنا ضروری ہے۔

احادیثِ مبارکہ میں تاویل

1 حضور ﷺ حدیثِ قدسی میں فرماتے ہیں: ''میں بیمار ہوگیا تو اس وقت تو نے میری عیادت نہ کی۔ میں نے تجھ سے کھانا مانگا، تو اس وقت تو نے مجھے کھانا نہ دیا۔ میں نے تجھ سے پانی طلب کیا تو تو نے مجھے پانی نہ پلایا''۔

کوئی عاقل اس میں شک نہیں کرسکتا کہ یہاں مراد فقط تمثیل ہی ہے۔

2 نبی اکرم ﷺ حدیثِ قدسی میں فرماتے ہیں: ''جو میرے پاس چل کر آتا ہے تو

صفتِ باری تعالیٰ اکابر علمائے اُمت کے عقائد

میں اس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں''۔

کوئی عاقل اس میں شک نہیں کرسکتا کہ یہاں بھی مراد فقط تمثیل اور تصویر ہی ہے۔

3 حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ سے تین احادیث میں تاویل کرنا ثابت ہے:

ا نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں: ''حجرِ اسود زمین میں اللہ تعالیٰ کا دایاں ہاتھ ہے''۔

۲ حضور ﷺ فرماتے ہیں: ''میں دائیں طرف اللہ تعالیٰ کی ذات کو محسوس کرتا ہوں''۔

۳ حضور اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیان کرتے ہیں: ''جو مجھے یاد کرتا ہے میں اس کا ہم نشین بن جاتا ہوں''۔

4 یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب معتزلہ نے قرآن پاک کے مخلوق ہونے کے بارے میں اس حدیث سے دلیل پکڑی کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں: ''سورت بقرہ اور سورت آل عمران قیامت کے دن اس طرح آئیں گی جیسا کہ دو بادل''۔ تو حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے اس کا جواب دیا: ''یعنی ان دونوں کا ثواب آئے گا''۔

یہ جواب تاویل کو صراحت سے بیان کر رہا ہے۔

5 نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں: ''رحم (قیامت کے دن) اللہ تعالیٰ، جو رحمٰن ہے، کی کوکھ (کمر) کو پکڑ لے گا اور کہے گا: جس نے مجھے جوڑا تو بھی اس کو جوڑ دے''۔

یہاں بھی تاویل کرنا لازمی ہے۔

6 نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں: ''بے شک مسجد میں ناک کی ریزش کو سمیٹنا ایسا ہے جیسا کہ جلد کو آگ سے سمیٹ لینا ہے''۔ یعنی بچا لینا ہے۔

یہاں بھی تاویل کرنا لازمی ہے۔

7 حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں: ''مؤمن کا دل اللہ تعالیٰ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہے''۔

اس حدیث میں تاویل کرنا ضروری ہے کیونکہ ہم یقینی طور پر جانتے ہیں کہ ہمارے سینوں میں دو انگلیاں جن کے درمیان ہمارے دل ہیں، نہیں ہیں۔

8 نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیان فرماتے ہیں: ''میں ان کے پاس ہوتا ہوں جن کے دل منکسر المزاج ہوتے ہیں''۔

اللہ کا پاس ہونا تو اس کی رحمت کا پاس ہونا ہی ہے۔

اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اولیائے کرام کی صفات کو بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرماتے ہیں: ''جب میں اس کو محبوب بنالیتا ہوں تو میں اس کے کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے''۔

یہ بات یقینی طور پر معلوم ہے کہ قوتِ باصرہ جس سے مؤمن دیکھتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی تو نہیں ہوتی۔

9 حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیان کرتے ہیں: ''بڑائی میری چادر ہے اور عظمت میری ازار ہے''۔

عقل مند شخص اللہ تعالیٰ کے لیے چادر و ازار ثابت نہیں کرے گا۔

10 حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''اے ابومنذر! قرآن مجید میں کون سی آیت سب سے بڑی ہے؟ تو حضرت ابی رضی اللہ عنہ دومرتبہ تو تردد میں پڑ گئے، پھر تیسری مرتبہ عرض کیا: آیت الکرسی۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان نے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا: ''تونے ٹھیک جواب دیا ہے۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اس کے لیے قیامت کے دن ایک زبان ہوگی جو عرش کے نیچے اللہ تعالیٰ کی تقدیس بیان کررہی ہوگی''۔

پس یہاں بھی تاویل کرنا ضروری ہے۔

پس یہ بات ثابت ہوگئی کہ جو آیات واحادیث ہم نے بیان کی ہیں ان میں ہر عاقل کے لیے تاویل کرنا ایک لازمی امر ہے۔ اسی لیے متکلمین فرماتے ہیں: جب دلیل سے یہ بات ثابت ہے کہ اللہ رب العزت جہت اور جسمیت سے پاک اور منزہ ہیں تو ہم پر واجب ہے کہ قرآن وحدیث میں جو صفات کے الفاظ وارد ہوئے ہیں ان کا صحیح محمل اور مطلب بیان کریں تاکہ وہ سببِ طعن نہ بن جائیں۔

2 استواء علی العرش کے بارے میں حضرت امام رازیؒ کی تحقیق

أما الذی تمسکوا بہ، وھو الْآیَات السِّت الدَّالَّة علی اسْتِوَاءِ الله تَعَالٰی علی الْعَرْش فَنَقُول: انه لَا یجوز أن یکون مُرَاد الله تَعَالٰی من ذٰلِك الاسْتوَاء هُوَ الِاسْتِقْرَار علی الْعَرْش وَیدل عَلَیْهِ وُجُوه:

الأول أَنّ مَا قبل هٰذِه الْآیَة وَهُوَ قَوْله تَعَالٰی: ''تَنْزِیلا مِمَّن خلق الأَرْض وَالسَّمَاوَات العلی''۔ وَقد بَینَّا أَن هٰذِه الْآیَة تدل علی أَنه تَعَالٰی غیر مُخْتَصّ بِشَيْءٍ من الأحیاز والجهات۔

الثَّانِي أن مَا بعد هٰذِه الْآیَة، وَهُوَ قَوْله تَعَالٰی: ''لَهٗ مَا فِي السَّمَاوَات وَمَا فِي الأَرْض''۔ فقد بَینَّا انّ السَّمَاء هُوَ الَّذِی فِیهِ لَهٗ سموّ وفوقیة۔ فَکل مَا کَانَ فِي جِهَة فوق فَهُوَ سَمَاء۔ وَإِذا کَانَ کَذٰلِك فَقَوله: ''لَهٗ مَا فِي السَّمَاوَات وَمَا فِي الأَرْض''، یَقْتَضِي ان کل مَا کَانَ حَاصِلا فِي جِهَة فَوق کَانَ فِي السَّمَاء واذا کَانَ کَذٰلِك فَقَوله: ''لَهٗ مَا فِي السَّمَاوَات'' یَقْتَضِي انّ کل مَا کَانَ حَاصِلا فِي جِهَة فَوق فَهُوَ ملك الله تَعَالٰی ومملوك لَهٗ۔ فَلَو کَانَ تَعَالٰی مُخْتَصًّا بِجِهَة فَوق لزم کَونه مَمْلُوکاً لنَفسِهٖ من غیر مَحل وَهُوَ محَال۔ فَثَبت ان مَا قبل قَوْله: ''الرَّحْمٰن علی الْعَرْش اسْتَوٰی'' وَمَا بعده یَنْفِي کَونه سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰی مُخْتَصًّا بشی من الأحیاز والجهات۔ فَإِذا کَانَ کَذٰلِك امْتنع ان یکون الْمُرَاد بقوله: ''الرَّحْمَن علی الْعَرْش اسْتَوٰی'' هُوَ کَونه مُسْتَقرًّا علی الْعَرْش۔

الثَّالِث أَن مَا قبل هٰذِه الْآیَة وَمَا بعدهَا مَذْکُور لبَیَان کَمَال قدرَة الله تَعَالٰی وَغَایَة عَظمته فِي الإلٰهیة وَکَمَال التَّصَرُّف لِأَن قَوْله: ''تَنْزِیلا مِمَّن خلق الأَرْض وَالسَّمَاوَات العلیٰ''۔ لاشك ان الْمَفْهُوم مِنْهُ بَیَان کَمَال قدرَة

الله تَعَالىٰ وَ كَمَال إِلٰهيته وَقَوله: "لَهٗ مَا فِي السَّمَاوَات وَمَا فِي الْأَرْض وَمَا بَينهمَا وَمَا تَحت الثرىٰ" بَيَان أَيْضاً لكَمَال ملكه وإلٰهيته۔ وَاذا كَانَ الامر كَذٰلِك وَجب ان يكون قَوْله: "الرَّحْمٰن على الْعَرْش اسْتَوىٰ" كَذٰلِك۔ وَإِذا لزم ان يكن ذٰلِك كَلَاما أَجْنَبِيّا عَمَّا قبله وَعَما بعده۔ وَذٰلِكَ غير جَائِز۔ فَأَما اذا حملناه على كَمَال استيلائه على الْعَرْش الَّذِي هُوَ اعظم الْمَخْلُوقَات فالموجودات المحدثة كَانَ ذٰلِك مُوَافقاً لما قبل هٰذِه الْآيَة، وَلما بعدهَا فَكَانَ هٰذَا الْوَجْه أولىٰ۔

الرَّابِع أَن الْجَالِس على الْعَرْش لابد وان يكون الْجُزْء الْحَاصِل مِنْهُ فِي يَمِين الْعَرْش غير الْحَاصِل مِنْهُ فِي يسَار الْعَرْش فَيلْزم فِي كَونه فِي نَفسه مؤلفا ومركبا وَذٰلِك على الله تَعَالىٰ محَال۔

الْخَامِس أَن الْجَالِس على الْعَرْش ان قدر على الْحَرَكَة والانتقال كَانَ مُحدثاً لِأَن مَا لَا يَنْفَكّ عَن الْحَرَكَة والسكون كَانَ مُحدثا وان لم يقدر على الْحَرَكَة لَان مَا لَا يَنْفَكّ عَن الْحَرَكَة والسكون كَانَ مُحدثا وان لم يقدر على الْحَرَكَة كَانَ المربوط بل كَانَ كالزمن بل أَسْوَأ حَالا مِنْهُمَا فَإِن الزَّمن إِذا أَرَادَ الْحَرَكَة فِي رَأسه أَوْ حدقتيه أمكنه ذٰلِك، وَكَذَا المربوط وَهُوَ غير مُمكن فِي الله تَعَالىٰ۔

السَّادِس أَنه لَو حصل فِي الْعَرْش لَكَانَ حَاصِلا فِي سَائِر الأحياز وَيلْزمهٗ مِنْهُ كَونه مخالطاً للقاذورات والنجاسات وان لم يكن كَذٰلِك كَانَ لَهٗ طرف وَنِهَايَة وَزِيَادَة ونقصان وكل ذٰلِك على الله تَعَالىٰ محَال۔

السَّابِع قَوْله تَعَالىٰ: "وَيحمل عرش رَبك فَوْقهم يَوْمئِذٍ ثَمَانِيَة"، فَلَو كَانَ الْعَرْش مَكَانا لمعبودهم لكَانَتْ الْمَلَائِكَة الَّذين يحملون الْعَرْش حاملين اله الْعَالم وَذٰلِكَ غير مَعْقُول لَان الْخَالِق هُوَ الَّذِي يحفظ الْمَخْلُوق، أما الْمَخْلُوق فَلَا يحفظ الْخَالِق وَلَا يحملهٗ لَا يُقَال هٰذَا۔ إِنَّمَا يلْزم إِذا كَانَ الْإِلٰه مُعْتَمدًا على الْعَرْش مُتكئاً عَلَيْهِ وَنحن لَا نقُول ذٰلِك لأَنا نقُول

على هٰذَا التَّقْدِير لَا يكون الله تَعَالَى مُسْتَقرًّا على الْعَرْش لِأَن الِاسْتِقْرَار على الشَّيْء انما يحصل اذا كَانَ مُعْتَمدًا عَلَيْهِ۔ أَلَا ترى انا اذا وَضعنَا جسما على الأَرْض قُلْنَا: انه مُسْتَقر على الأَرْض وَلَا نقُول الأَرْض مُسْتَقِرَّة عَلَيْهِ وَمَا ذَاك الا لِأَن الشَّيْء مُعْتَمد على الأَرْض وَالْأَرْض غير مُعْتَمدَة عَلَيْهِ۔ فَلَو لم يكن الْإِلٰه مُعْتَمدًا على الْعَرْش فَحِينَئِذٍ لَا يكون مُسْتَقرًّا على الْعَرْش وعَلى هٰذَا التَّقْدِير يلْزمهُم ترك ظَاهر الْآيَة۔ وَحِينَئِذٍ تخرج الْآيَة عَن كَونهَا حجَّة۔

الثَّامِن أَنه تَعَالىٰ كَانَ وَلَا عرش وَلَا مَكَان فَلَمَّا خلق الْخلق فيستحيل أَن يُقَال انه تَعَالىٰ صَار مُسْتَقرًّا على الْعَرْش بعد ان لم يكن كَذٰلِك لِأَنَّهٗ تَعَالىٰ قَالَ: "ثمَّ اسْتَوىٰ على الْعَرْش"، وَكلمَة ثمَّ للتراخي۔

التَّاسِع أَن ظَاهر قَوْله تَعَالىٰ: "وَنحن أقرب إِلَيْهِ من حَبل الوريد"، وَقَوله: "وَهُوَ مَعكُمْ أَيْنَمَا كُنْتُم"، وَقَوله: "وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاء إِلٰه وَفِي الأَرْض إِلٰه" يَنْفِي كَونه مُسْتَقرًّا على الْعَرْش وَلَيْسَ تَأْوِيل هٰذِه الْآيَة لنفي الْآيَات الَّتِي تمسكوا بهَا على ظَاهرهَا أولىٰ من الْعَكْس۔

الْعَاشِر أَن الدَّلَائِل الْعَقْلِيَّة القاطعة الَّتِي قدمنَا ذكرهَا يبطل كَونه تَعَالىٰ مُخْتَصًّا بِشَيْء من الْجِهَات۔ واذا ثَبت هٰذَا ظهر أَنه لَيْسَ المُرَاد من الاسْتوَاء والاستقرار فَوَجَبَ أَن يكون المُرَاد هُوَ الِاسْتِيلَاء والقهر ونفاذ الْقدر وجريان أَحْكَام الإلهية۔ وَهٰذَا مُسْتَقِيم على قانون اللُّغَة۔ قَالَ الشَّاعِر:

قد اسْتَوىٰ بشر على الْعرَاق   من غير سيف وَدم مهراق

وَالَّذِي يُقرر ذٰلِك أَن الله تَعَالىٰ إِنَّمَا أنزل الْقُرْآن بِحَسب عرف أهل اللِّسَان وعادتهم۔ أَلا ترى أَنه تَعَالىٰ قَالَ: "وَهُوَ خادعهم"، وَقَالَ: "وَهُوَ أَهْون عَلَيْهِ"، وَقَالَ: "ومكروا ومكر الله"، وَقَالَ: "الله يستهزئُ بهم"۔ وَالمرَاد فِي الْكل أَنه تَعَالىٰ يعاملهم مُعَاملَة الخادعين

والماكرين والمُستهزئين. فكذا ههُنا المُراد من الاستواء على العَرْش التدبير بأمر المُلك والملكوت ونظيره ان القيام اصله الانتصاف. ثمّ يذكر بمعنى الشُّروع في الأمر كما يُقال قامَ بالملكِ.

فإن قيل: هٰذا التأويل غير جائز لوجوه:

الأول انه الاستيلاء عبارة عن حُصول الغَلَبة بعد العَجز وذٰلِكَ في حق الله تعالى محال.

الثّاني أنه إنّما يُقال فلان استوى على كذا إذا كانَ لهُ مُنازع ينازعه في. وذٰلِكَ حق الله تعالى محال.

الثّالث أنه إنّما يُقال فلان استولى على كذا إذا كانَ المستولى عليهِ موجودا قبل ذٰلِك وهٰذا في حق الله تعالى محال، لأنّ العَرْش إنّما حدث بتكوينه وتخليقه.

الرّابع ان الاستيلاء بهٰذا المعنى حاصل بالنّسبة الى كل المخلوقات فلا يبقى لتخصيص العَرْش بالذكر فائدة.

الجَواب أن مرادنا بالاستيلاء القُدرة التّامّة الخالية عن المنازع والمعارض والمدافع. وعلى هٰذا التّقدير فقد زالت هٰذه المطاعن بأسرها. وأما تخصيص العَرْش بالذكر ففيهِ وجهان:

الأول أنه أعظم المخلوقات فخص بالذكر لهٰذا السّبب كما أنه خصّه بالذكر في قوله: "وهُوَ رب العَرْش العَظيم" لهٰذا المعنى.

الثّاني قال الشّيخ الغزالي رحمه الله في كتاب "الجام العوام": السّبب في هٰذا التّخصيص هُوَ أنه تعالى يتصرّف في جميع العالم ويُدبر الأمر من السّماء الى الأرض بواسطة العَرْش فإنّه تعالى لا يحدث صُورة في العالم ما لم يحدثها في العَرْش كما لا يحدث النقاش والكاتب صُورة البناء على البياض ما لم يحدثها في الدّماغ بل لا يحدث صُورة البناء في الخارج ما لم يحدث صورته في الدّماغ بواسطة القلب والدماغ.

يدبر الرّوح أمر عالمه الّذي هُوَ يدبر فكذا بواسطة العَرْش يدبر الله أمر كل العالم.

(أساس التقديس فى علم الكلام ص١١٦ تا١٢١۔ المؤلف: أبو عبد الله محمد بن عمر بن الحسن بن الحسين التيمي الرازي الملقب بفخر الدين الرازي خطيب الري رحمه الله (المتوفى ٦٠٦ھ) الناشر: مؤسسة الكتب الثقافية، بيروت۔ الطبعة: الأولى ١٤١٥ھ)

ترجمہ ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے عرش کے اوپر مستقر ہونے کے لیے (اس آیت کے علاوہ) چھ آیات قرآنی سے بھی دلائل پکڑے ہیں۔ پس ہم کہتے ہیں: ان آیات میں استواء علی العرش کو استقرار علی العرش کے معنی قرار دینا جائز نہیں ہے۔ اس کی کئی وجوہ ہیں:

1 اس آیت: اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى۔ (سورت طٰہٰ:۵) (وہ بڑی رحمت والا عرش پر استواء فرمائے ہوئے ہے) سے پہلے یہ آیت ہے: "تَنْزِيْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى"، (اسے اُس ذات کی طرف سے تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا جا رہا ہے جس نے زمین اور اُونچے اُونچے آسمان پیدا کیے ہیں)۔ ہم نے پہلے بیان کر دیا ہے کہ یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی بھی قسم کے حیز اور جہت کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں۔

2 اس آیت کے بعد یہ آیت ہے:

لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى۔

ترجمہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، اور ان کے درمیان جو کچھ ہے، وہ سب اسی کی ملکیت ہے، اور زمین کی تہوں کے نیچے جو کچھ ہے وہ بھی۔

پس ہم نے بیان کیا ہے کہ آسمان وہ ہے جس میں بلندی اور فوقیت ہوتی ہے۔ ہر چیز جو جہتِ فوق میں ہو، اسے آسمان کہتے ہیں۔ جب ایسا ہی ہے تو اللہ تعالیٰ کے اس قول: "لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ" کا مقتضی یہ ہے کہ جو کچھ بھی جہت فوق میں ہو، وہ آسمان ہی ہے۔ جب ایسا ہی ہے تو اللہ تعالیٰ کے قول: "لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ"، کا مقتضی یہی ہوا کہ جو کچھ بھی جہت فوق میں ہے، وہ تو اللہ تعالیٰ کی

ملک میں ہے اور اس کی مملوک ہیں۔ پس اگر اللہ تعالیٰ جہتِ فوق کے ساتھ ہی مختص ہوں تو اس سے لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ خود بھی اپنے آپ کے غیر محل میں مملوک ہوں گے، جو کہ محال ہے۔ پس اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان: "أَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى" سے ماقبل اور مابعد کی آیات اس کی نفی کر رہی ہیں کہ اللہ تعالیٰ حیز اور جہت میں سے کسی بھی جہت میں مختص ہوں۔ جب ایسا ہی ہے تو یہ بات ناممکن ہے کہ "أَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى" سے یہ مراد لی جائے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مستقر ہیں۔

3 اس آیت سے پہلے اور بعد کی آیات میں اللہ تعالیٰ کی کمالِ قدرت، الوہیت میں حد درجہ کی عظمت اور کمال تصرف کا بیان ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان: "تَنْزِيلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْأَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى" میں بلاشبہ یہ مفہوم بیان ہوا ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کے کمالِ قدرت اور کمالِ الوہیت کا بیان ہوا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے فرمان: "لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى" میں بھی اللہ تعالیٰ کی ملک اور الوہیت کے کمال کا بیان ہے۔ جب ایسا ہی معاملہ ہے تو اس سے یہ بات لازمی اور ضروری ہے کہ اس آیت: "أَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى" کا مفہوم بھی یہی ہو۔ ورنہ اس سے یہ بات لازم آئے گی کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ماقبل اور مابعد والی آیات سے اجنبی اور بیگانہ ہے۔ یہ بات جائز نہیں ہے۔ پس اگر ہم اس آیت سے عرش (جو کہ اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی مخلوق ہے) پر اللہ تعالیٰ کے کمال استیلاء (قہر وغلبہ) مراد لیں، تو اس آیت کا مفہوم ماقبل اور مابعد آیات کے موافق ہو جائے گا۔ اور یہی اولیٰ اور بہتر ہے۔

4 عرش پر بیٹھا ہوا ماننے سے یہ بات ضروری ہو جاتی ہے کہ اس کا ایک جزء جو دائیں طرف ہے، وہ عرش کے بائیں طرف والے حصے کو حاصل نہیں ہے۔ پس اس سے لازم ہوا کہ وہ ذات مرکب ہو۔ یہ بات اللہ تعالیٰ کے لیے محال ہے۔

5 وہ ذات جو عرش پر بیٹھی ہوئی ہے، اگر وہ حرکت اور منتقل ہونے پر قادر ہو تو وہ تو حادث ہو گی۔ اس لیے کہ حرکت اور سکون سے متصف ذات تو حادث ہی ہوتی ہے۔ اگر وہ

ذات حرکت پر قادر ہی نہیں، تو وہ بندھی ہوئی ہو گی۔ بلکہ یہ تو دونوں صورتوں میں بدترین ہو گی۔ اس لیے کہ جس وقت وہ سر اور آنکھ میں حرکت کا ارادہ کرے تو وہ اس پر قدرت رکھ سکتی ہے۔ اسی طرح مربوط (بندھا ہوا) ہوتا ہے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کے لیے محال اور ناممکن ہے۔

6 اگر یہ بات عرش پر حاصل ہے تو پھر تو یہ تمام ہی جگہوں میں حاصل ہو گی۔ اس سے یہ بات لازم آئے گی کہ وہ ذات تمام نجاست والی جگہوں میں بھی اسی طرح موجود ہو۔ اگر ایسا نہیں ہے تو اس کے لیے اطراف، انتہاء، زیادت اور نقصان ثابت ہو جائے گا۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے لیے محال اور ناممکن ہے۔

7 اللہ تعالیٰ کا فرمان: "وَالْمَلَكُ عَلٰى أَرْجَائِهَا وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ" (الحاقۃ:۱۷) (اور فرشتے اُس کے کناروں پر ہوں گے، اور تمہارے پروردگار کے عرش کو اُس دن آٹھ فرشتے اپنے اُوپر اُٹھائے ہوئے ہوں گے)۔ اگر عرش اللہ تعالیٰ کا مکان اور اس کے بیٹھنے کی جگہ ہو، جو فرشتوں کا بھی معبود ہے۔ پھر تو فرشتے، حاملین عرش، تمام جہانوں کے معبود کو اُٹھائے ہوئے ہوں گے۔ یہ ایک غیر معقول بات ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ جو تمام جہانوں کا خالق ہے، وہی تمام مخلوق کو تھامے ہوئے ہے۔ مخلوق تو خالق کی حفاظت کر ہی نہیں سکتی اور نہ اس کو اُٹھا سکتی ہے۔ ایسی بات کہی ہی نہیں جا سکتی۔ اس سے تو یہ بات لازم آتی ہے کہ الٰہ تو عرش پر بیٹھے ہوئے اور اس پر ٹیک لگائے ہوئے ہے۔ ایسی بات ہم تو نہیں کہتے۔ اس لیے کہ اس صورت میں تو اللہ تعالیٰ عرش پر نہیں ہو سکتے۔ اس لیے کہ جو کسی چیز پر مستقر ہوتا ہے تو وہ اس پر تکیہ لگائے یعنی بیٹھا ہی ہوتا ہے۔ کیا تو اس بات کو نہیں دیکھتا کہ جب ہم زمین پر اپنے جسم کو رکھتے ہیں تو ہم کہتے ہیں: وہ زمین پر مستقر ہے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ زمین اس پر مستقر ہے۔ یہ اس لیے ہے کہ وہ چیز زمین پر قرار پکڑے ہوئے ہے، نہ زمین اس پر قرار پکڑے ہوئے ہے۔ پس اگر الٰہ عرش پر قرار پکڑے ہوئے نہیں ہے تو عرش بھی اس پر قرار پکڑے ہوئے نہیں ہے۔ پس اس صورت میں آیت کے ظاہری معنی کو ترک کرنا لازم ہے۔ لہٰذا یہ آیت دلیل نہیں بن سکتی۔

8 اللہ تعالیٰ اس وقت موجود تھا، جب نہ عرش تھا، نہ زمان و مکان تھا۔ پس جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق پیدا کی تو اب یہ محال ہے کہ یہ بات کہی جائے اللہ تعالیٰ عرش پر مستقر ہوگیا، بعد اس کے کہ وہ نہیں تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: **ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ۔** (الاعراف: ۵۴) (پھر اس نے عرش پر استواء فرمایا)۔ اس آیت میں کلمہ "ثُمَّ" تراخی کے لیے ہے۔

9 اللہ تعالیٰ کے فرمان ہیں: **وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ** (ق:۱۶) (اور ہم اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ اُس کے قریب ہیں)، **وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ** (الحدید:۴) (وہ اللہ تمہارے ہی ساتھ ہے جہاں کہیں بھی تم ہو) اور **وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلٰهٌ وَّفِي الْأَرْضِ إِلٰهٌ وَّهُوَ الْحَكِيمُ الْعَلِيمُ۔** (الزخرف: ۸۴) (وہی (اللہ تعالیٰ) ہے جو آسمان میں بھی معبود ہے، اور زمین میں معبود۔ اور وہی ہے جو حکمت کا بھی مالک ہے، علم کا بھی مالک)۔ ان آیات کا ظاہر اس بات کی نفی کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مستقر ہوں۔ اس آیت میں تاویل کرنا ان آیات کی نفی کرنا نہیں جن کے ظاہری معنیٰ کو اختیار کرکے ان لوگوں نے دلیل پکڑی ہے۔ اور وہ اس کے عکس سے بہتر ہے۔

10 قطعی اور یقینی دلائل عقلیہ جن کا ذکر ہم نے اس سے پہلے کر دیا ہے، وہ اس کو باطل کرنے کے لیے کافی ہیں کہ اللہ تعالیٰ جہات میں سے کسی بھی جہت کے ساتھ مختص ہیں۔ جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ یہاں استواء سے مراد استقرار نہیں ہے۔ پس یہ بات لازم اور ضروری ہوگئی کہ یہاں استواء سے مراد استیلاء، قہر، قدرتِ باری تعالیٰ کا نفاذ اور احکام الٰہی کا جاری ہونا ہو۔ یہ بات لغت کے قانون کے لحاظ سے مستقیم اور صحیح ہے جیسا کہ شاعر نے کہا ہے:

قد اسْتَوٰی بشر علی الْعِرَاق　　　من غیر سیف وَدم مهراق

بشر نے عراق پر بغیر تلوار اُٹھائے اور خون بہائے غلبہ حاصل کرلیا۔

یہ بات طے شدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس قرآن کو اہل زبان یعنی اہل عرب کے عرف اور عادت کے مطابق اُتارا ہے۔ کیا تو اس بات کو نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

1 **إِنَّ الْمُنَافِقِينَ يُخَادِعُونَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ** (النساء: ۱۴۲)

ترجمہ یہ منافق اللہ تعالیٰ کے ساتھ دھوکا بازی کرتے ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔

2 **وَهُوَ الَّذِي يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِ** (الروم: ۲۷)

ترجمہ وہی (اللہ) ہے جو مخلوق کی ابتداء کرتا ہے، پھر اسے دوبارہ پیدا کرے گا، اور یہ کام اُس (اللہ تعالیٰ) کے لیے زیادہ آسان ہے۔

3 **وَمَكَرُوا وَمَكَرَ اللّٰهُ ۔ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ** (آل عمران: ۵۴)

ترجمہ اور ان کافروں نے (عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف) خفیہ تدبیر کی، اور اللہ تعالیٰ نے بھی خفیہ تدبیر کی۔ اور اللہ تعالیٰ سب سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔

4 **اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ** (البقرہ: ۱۵)

ترجمہ اللہ تعالیٰ ان سے مذاق (کا معاملہ) کرتا ہے اور انہیں ایسی ڈھیل دیتا ہے کہ وہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں۔

ان تمام آیات کی مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ معاملہ دھوکہ دینے والوں کا، مکر کرنے والوں اور استہزاء کرنے والوں کا کیا ہے۔ اسی طرح یہاں بھی استواء علی العرش سے ملک اور بادشاہی کی تدبیر مراد ہے۔ اس کی نظیر یہ ہے کہ اس کے قیام کی اصل تو انصاف کرنا ہے۔ پھر اس کا امر اور حکم کو جاری کرنا مراد ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے: وہ بادشاہت کے ساتھ قائم ہوگیا ہے۔

اعتراضات: اگر کوئی کہے کہ یہ تاویل کئی وجوہ سے جائز نہیں ہے:

1 استیلاء کا معنیٰ تو عجز کے بعد غلبہ کا حصول ہوتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے حق میں محال ہے۔

2 یہ کہا جاتا ہے: فلاں شخص نے اس پر استواء کیا جب اس نے اس پر لڑ جھگڑ کر غلبہ حاصل کیا ہو۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کے حق میں محال ہے۔

3 یہ کہا جاتا ہے: فلاں شخص نے اس پر غلبہ حاصل کرلیا جب اس پر پہلے کسی اور کا غلبہ ہو۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کے لیے محال ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہی اپنی صفت تکوین اور تخلیق سے اس کو پیدا کیا ہے۔

4 استیلاء کا یہ معنی تو تمام مخلوقات کی نسبت سے حاصل ہے۔ لہٰذا تخصیص عرش کے ذکر کا کیا فائدہ؟

جواب یہاں استیلاء سے مراد قدرت تامہ ہے جو تنازع، تعارض اور مدافعت سے خالی ہے۔ اس طرح یہ اعتراضات خود بخود رفع ہوجاتے ہیں۔ البتہ یہاں تخصیص عرش کے بیان میں دو وجوہ ہیں:

1 عرش اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی مخلوق ہے۔ اسی وجہ سے اس کی یہاں تخصیص کی گئی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اسی معنی کے لیے اس آیت میں اس کو بیان کرنے کے لیے مختص کیا ہے:

"وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ"۔ (التوبۃ:۱۲۹)

ترجمہ اور وہی عرشِ عظیم کا مالک ہے۔

2 حضرت امام غزالیؒ نے اپنی کتاب "الجام العوام" میں فرمایا ہے:

"عرش کو مختص کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جمیع عالم میں تصرف فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آسمان سے لے کر زمین تک ہر چیز میں بواسطہ عرش تصرف فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جہاں میں کوئی صورت پیدا نہیں فرماتے جب تک اس کو عرش میں پیدا نہ فرمالیں۔ جیسا کہ نقاش کوئی صورت پیدا نہیں کرسکتا۔ کاتب اس وقت تک کوئی صورت بیاض پر نہیں بناتا جب تک وہ اس کی صورت دماغ میں پیدا نہ کرلے۔ بلکہ خارج میں کوئی عمارت پیدا نہیں ہوتی جب تک اس کی صورت دل کے واسطہ سے دماغ میں پیدا نہ ہوجائے۔ دماغ اس جہان کی اس امر کی اصل کی تدبیر کرتا ہے جس کی وہ یہاں تدبیر کرتا ہے۔ پس اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی تمام عالم کے کاموں کی بواسطہ عرش تدبیر کرتا ہے"۔

14 ابو منصور فخر الدین عبد الرحمٰن بن محمد المعروف بابن عساکرؒ (المتوفی ۶۲۰ھ) کے عقائد

حضرت شیخ ابو منصور فخر الدین عبد الرحمٰن بن محمد المعروف بابن عساکرؒ (المتوفی ۶۲۰ھ) فرماتے ہیں:

وَنحن نرى أَن نسوق هٰذِهِ العقيدة المرشدة وَهِي:

اِعْلَم أرشدنا الله وَإِيَّاك! أَنه يجب على كل مُكَلّف أَن يعلم: أَن الله عز وَجل وَاحِد فِي ملكه. خلق الْعَالم بأسره الْعلوِي والسفلي، وَالْعَرْش، والكرسي، وَالسَّمٰوَات وَالْأَرْض، وَمَا فيهمَا، وَمَا بَينهمَا. جَمِيع الْخَلَائق مقهورون بقدرته. لَا تتحرك ذرة إِلَّا بِإِذْنِهِ. لَيْسَ مَعَه مُدبر فِي الْخلق. وَلَا شريك فِي الْملك.

١ حَيّ قيوم.

٢ لَا تَأْخُذُهُ سنة وَلَا نوم

٣ عَالم الْغَيْب وَالشَّهَادَة

٤ لَا يخفى عَلَيْهِ شَيْء فِي الأَرْض وَلَا فِي السَّمَآء

٥ وَيعلم مَا فِي الْبر وَالْبَحْر وَمَا تسْقط من ورقة إِلَّا يعلمهَا وَلَا حَبَّة فِي ظلمات الأَرْض وَلَا رطب وَلَا يَابِس إِلَّا فِي كتاب مُبين

٦ أَحَاط بِكُل شَيْء علما

٧ وأحصى كل شَيْء عددا

٨ فعال لما يُرِيد

قَادر على مَا يَشَآءُ. لَهُ الْملك والغناء. وَله الْعِزّ والبقاء. وَله الحكم وَالْقَضَاء. وَله الْأَسْمَاء الْحسنى. لَا دَافع لما قضى. وَلَا مَانع لما أعْطى. يفعل فِي ملكه مَا يُرِيد. وَيحكم فِي خلقه بِمَا يَشَاء. لَا

يَرْجُو ثَوابًا۔ وَلَا يَخَاف عقَابا۔ لَيْسَ عَلَيْهِ حق۔ وَلَا عَلَيْهِ حكم۔
وكل نعْمَة مِنْهُ فضل۔ وكل نقمة مِنْهُ عدل۔
لَا يسْأَل عَمَّا يفعل وهم يسْأَلُون
مَوْجُود قبل الْخلق۔ لَيْسَ لَهُ قبل وَلَا بعد۔ وَلَا فَوق وَلَا تَحت۔ وَلَا يَمِين وَلَا شمال۔ وَلَا أَمَام وَلَا خلف۔ وَلَا كلٌّ وَلَا بعضٌ۔ وَلَا يُقَال مَتى كَانَ وَلَا أَيْن كَانَ وَلَا كَيفَ كَانَ۔ وَلَا مَكَان۔ كَون الأكوان۔ ودَبَّرَ الزَّمَان۔ لَا يتَقَيَّد بِالزَّمَانِ۔ وَلَا يتخصص بِالْمَكَانِ۔ وَلَا يشْغلهُ شَأْن عَن شَأْن۔ وَلَا يلْحقهُ وهم۔ وَلَا يكتنفه عقل۔ وَلَا يتخصص بالذهن۔ وَلَا يتَمَثَّل فِي النَّفس۔ وَلَا يتَصَوَّر فِي الْوَهم۔ وَلَا يتكيف فِي الْعقل۔ لَا تلْحقهُ الأوهام والأفكار۔
لَيْسَ كمثله شَيْء وَهُوَ السَّمِيع الْبَصِير۔
هٰذَا آخر العقيدة وَلَيْسَ فِيهَا مَا يُنكره سُنِّيٌّ۔
(طبقات الشافعية الكبرى، ج۸ ص۱۸۵، ۱۸۶۔ فی ترجمة رقم ۱۱۷۰: عبد الرَّحْمٰن بن مُحَمَّد بن الْحسن بن هبة الله ابْن عبد الله بن الْحُسَيْن الدِّمَشْقِي۔ الشَّيْخ الإِمَام الْكَبِير أَبُو مَنْصُور فَخر الدّين ابْن عَسَاكِر رحمۃ اللہ علیہ المؤلف: تاج الدين عبد الوهاب بن تقى الدين السبكى رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۷۱ھ)۔ المحقق: د۔ محمود محمد الطناحی، د۔ عبد الفتاح محمد الحلو۔ الناشر: هجر للطباعة والنشر والتوزيع۔ الطبعة: الثانية، ۱۴۱۳ھ)

ترجمہ: ہم یہاں مناسب سمجھتے ہیں کہ اس درست اور صحیح عقیدہ کو یہاں بیان کردیں۔ وہ یہ ہے: جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو راہِ راست کی توفیق عطا فرمائیں کہ ہر مکلف انسان پر یہ بات واجب ہے کہ وہ علی وجہ البصیرت یہ ایمان رکھے:

1 اللہ تعالیٰ اس کائنات کا اکیلا ہی مالک ہے۔
2 اللہ تعالیٰ ہی نے اس عالم کو مکمل طور پر پیدا کیا ہے، چاہے وہ عالم علوی ہو، سفلی ہو، عرش ہو، کرسی ہو، آسمان اور زمین ہوں، جو مخلوقات ان دونوں کے اندر ہو یا ان

دونوں کے درمیان ہو۔
3 ساری مخلوقات اس کی قدرت کے تحت مجبور ومقہور ہیں۔
4 اس کے حکم کے بغیر ایک ذرہ بھی حرکت نہیں کرسکتا۔
5 نظام کائنات چلانے کے لیے اس کے ساتھ کوئی بھی مدبّر نہیں ہے۔
6 اس کی بادشاہی میں کوئی بھی شریک نہیں ہے۔
8 اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ۔ (البقرہ:۲۵۵)
ترجمہ: وہ سدا زندہ ہے، جو پوری کائنات کو سنبھالے ہوئے ہے۔
9 لَا تَاْخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّلَا نَوْمٌ۔ (البقرہ:۲۵۵)
ترجمہ: اس کو نہ کبھی اونگھ لگتی ہے، نہ نیند
10 هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ۔ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ۔ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ۔ (الحشر:۲۲)
ترجمہ: وہ اللہ وہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ وہ چھپی اور کھلی ہر بات کو جاننے والا ہے۔ وہی ہے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے۔
11 اِنَّ اللّٰهَ لَا یَخْفٰی عَلَیْهِ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ۔ (آل عمران:۵)
ترجمہ: یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز چھپ نہیں سکتی، نہ زمین میں، نہ آسمان میں۔
12 وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ۔ وَیَعْلَمُ مَا فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ۔ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا یَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِیْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ۔ (الانعام:۵۹)
ترجمہ: اور اسی کے پاس غیب کی چابیاں ہیں جنھیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اور سمندر اور خشکی میں جو کچھ ہے وہ اس سے واقف ہے۔ کسی درخت کا کوئی پتہ نہیں گرتا جس کا اسے علم نہ ہو، اور زمین کی اندھیریوں میں کوئی دانہ یا کوئی خشک یا تر چیز ایسی نہیں ہے جو ایک کھلی کتاب میں درج نہ ہو۔
13 وَاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا (الطلاق:۱۲)
ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ کے علم نے ہر چیز کا احاطہ کیا ہوا ہے۔

14 وَأَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَأَحْصَىٰ كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا (الجن:۲۸)

ترجمہ اور وہ ان کے سارے حالات کا اِحاطہ کیے ہوئے ہے، اور اس نے ہر ہر چیز کی پوری طرح گنتی کر رکھی ہے۔

15 فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ۔ (البروج:۱۶)

ترجمہ وہ جو کچھ ارادہ کرتا ہے، کر گزرتا ہے۔

16 وہ جو چاہے، کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔

17 اسی کے لیے بادشاہی اور غنا ہے۔

18 اسی کے لیے عزت اور بقا ہے۔

19 اسی کے لیے حکومت اور قضا و قدر ہے۔

20 اسی کے لیے اچھے اور عمدہ نام ہیں۔

21 اس کے فیصلے کو کوئی ہٹا اور مٹا نہیں سکتا۔

22 وہ جس کو عطا کرنا چاہے، کوئی روک نہیں سکتا۔

23 اپنی بادشاہی میں جو ارادہ کرتا ہے، اسی کو پورا کرتا ہے۔

24 اپنی مخلوق میں جو چاہے، وہ کرتا ہے۔

25 اس کو اجر و ثواب کی کوئی چاہت نہیں ہے۔

26 اس کو عقاب کا کوئی خطرہ نہیں ہے۔

27 اس پر کسی کا کوئی حق نہیں ہے۔

28 اس پر کسی کا کوئی حکم نہیں چل سکتا۔

29 ہر نعمت اس کے فضل ہی سے ہے۔

30 ہر مصیبت اس کے عدل سے ہے۔

31 لَا يُسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْأَلُونَ۔ (الانبیاء:۲۳)

ترجمہ وہ جو کچھ کرتا ہے، اس کا کسی کو جواب دہ نہیں ہے، اور اِن سب کو جواب دہی کرنی ہوگی۔

32 اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کی پیدائش سے پہلے بھی موجود تھا۔

33 اللہ تعالیٰ کے لیے پہلے اور بعد، فوق اور تحت، دائیں اور بائیں، آگے اور پیچھے، کل (تمام) اور بعض (اجزاء) کا کوئی تصور نہیں ہے۔

34 اللہ تعالیٰ کے لیے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کب سے ہے؟ کہاں ہے؟ کیسے ہے؟

35 اللہ تعالیٰ موجود تھا جب کوئی مکان بھی نہیں تھا۔

36 اللہ تعالیٰ نے تمام عالم کو پیدا کیا۔

37 زمانے کی تدبیر کا انتظام کیا۔

38 اللہ تعالیٰ پر زمانہ کا اطلاق نہیں ہو سکتا اور نہ مکان کی تخصیص کی جا سکتی ہے۔

39 اس کو ایک کام سے مشغولی دوسرے کام سے نہیں روک سکتی۔

40 اس کو وہم و پریشانی لاحق نہیں ہو سکتی۔

41 عقل اس کی کنہ کو نہیں پا سکتی۔

42 ذہن اس کی تخصیص نہیں کر سکتا۔

43 کوئی نفس بھی اس کی تمثیل کو بیان نہیں کر سکتا۔

44 وہم و خیال اس کے تصور کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔

45 عقل اس کی کیفیت کو معلوم نہیں کر سکتی۔

46 اوہام و افکار اس کو لاحق نہیں ہو سکتے۔

47 لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ۔ (شوریٰ:۱۱)

ترجمہ کوئی چیز اُس کے مثل نہیں ہے، اور وہی ہے جو ہر بات سنتا، سب کچھ دیکھتا ہے۔

48 یہی وہ آخری عقیدہ ہے جس کا اہل السنت والجماعت کا کوئی بھی فرد انکار نہیں کر سکتا۔

15 شیخ شہاب الدین احمد بن جہبل حلبیؒ (المتوفی ۷۳۳ھ) کے عقائد

حضرت شیخ أَحمد بن یحیی بن إِسْمَاعِیل الشَّیْخ شہَاب الدّین ابْن جهبل الْكلابِي الْحلَبِي الأَصْل (المتولد ۶۷۰ھ، المتوفی ۷۳۳ھ) بہت بڑے عالم دین اور متکلم اسلام تھے۔ علامہ ابن جہبلؒ، حافظ ابن تیمیہؒ کے ہم عصر اور ہم وطن ہیں۔ وہ ان کی حرکات وسکنات سے خوب واقف تھے۔ انہوں نے حافظ ابن تیمیہؒ کے خیالات کا خوب رد کیا ہے۔ ان کی ایک تصنیف علامہ ابن تیمیہؒ کے رد میں نفئ جہت کے بارے میں ہے۔ اس کا نام: "الحقائق الجلیة فی الرد علی ابن تیمیة فیما أورده فی الفتوی الحمویة" ہے جو ڈاکٹر طه الدسوقی حبیشی مدظلہ کی تحقیق اور تقدیم سے ۱۹۸۷ء میں مصر سے شائع ہوئی ہے۔ علامہ تاج الدین عبد الوهاب بن تقی الدین السبکی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۷۱ھ) نے بھی اس کو بتمام وکمال طبقات الشافعیۃ الکبریٰ میں بھی علامہ ابن جہبلؒ کے حالات میں بھی بیان کیا ہے۔ یہ کتاب علمائے کرام کے لیے ایک نعمت سے کم نہیں ہے۔

(تفصیل کے لیے دیکھیے: طبقات الشافعية الكبرى ج ۹ رقم ۱۳۰۲۔ المؤلف: تاج الدين عبد الوهاب بن تقي الدين السبكي (المتوفی ۷۷۱ھ)۔ المحقق: د۔ محمود محمد الطناحي د۔ عبد الفتاح محمد الحلو۔ الناشر: هجر للطباعة والنشر والتوزيع۔ الطبعة: الثانية، ۱۴۱۳ھ)

عصر قریب کے محقق اور مدقق علامہ شیخ زاہد الکوثریؒ نے اپنی کتاب: "حاشیہ السیف الصقیل" میں اس کتاب کی فضیلت اور اہمیت کو خوب نمایاں کیا ہے، اور کہا ہے کہ یہ کتاب اس کی مستحق ہے کہ اس کو سونے کے پانی سے لکھا جائے۔

(حاشیہ السیف الصقیل، العقیدۃ وعلم الکلام ص ۵۷۴؛ طبع ایچ۔ ایم۔ سعید کمپنی، کراچی)

میں نے اس کتاب کو اردو ترجمے کے ساتھ بھی شائع کیا ہے۔ جس کا نام ہے:

روشن حقائق اردو ترجمہ: "أَلْحَقَائِقُ الْجَلِيَّةُ فِي الرَّدِّ عَلٰى ابْنِ تَيْمِيَّةَ فِيْ مَا أَوْرَدَهٗ فِي الْفَتْوَى الْحَمَوِيَّةِ"۔ مصنف: علامہ ابن جہبلؒ (المتوفی ۷۳۳ھ)۔ مترجم: مولانا ابو حفص اعجاز احمد اشرفی غُفِرَلَهٗ۔ الناشر: دار النعیم، اردو بازار، لاہور۔

اس کتاب کے کچھ اقتباسات یہاں درج کیے جاتے ہیں۔

1 ہم اہل السنت والجماعت اس بارے میں یہی کہتے ہیں:

"ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قدیم اور ازلی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی بھی چیز کے مشابہ نہیں ہیں اور نہ ہی کوئی چیز اللہ تعالیٰ کے مشابہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی جہت اور مکان نہیں ہے۔ نہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر وقت اور زمانہ کا گزر ہوسکتا ہے۔ اور نہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ کہاں اور کیسے ہے؟ اللہ تعالیٰ کی رؤیت ہوگی مگر وہ سامنے سے اور بالمقابل نہیں ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اس وقت بھی تھی جب مکان وزمان نہیں تھے۔ اللہ تعالیٰ ہی نے مکان اور زمان کو پیدا کیا۔ اللہ تعالیٰ اب بھی اسی شان سے ہے جیسا کہ وہ پہلے تھا"۔

تشریح کسی چیز کو دیکھنے کے لیے یہ شرطیں ہیں۔ وہ چیز دیکھنے والے کی جہت میں ہو اور اس کے مقابل اور محاذی ہو۔ دونوں کے درمیان مسافت مقررہ ہو، نہ نہایت قریب، نہ نہایت بعید۔ مطلب یہ ہے کہ قیامت کے روز دیدار الٰہی میں مقابلہ ومواجہہ اور قرب وبعد نہ ہوگا، کیونکہ اللہ تعالیٰ جہت ومقابلہ ومسافت سے منزہ ہے۔ غرض! اہل ایمان آج خدا تعالیٰ کو بے کیف وبے چگون مانتے ہیں۔ کل قیامت کو اسے بے کیف دیکھیں گے۔

(روشن حقائق اردو ترجمہ: "أَلْحَقَائِقُ الْجَلِيَّةُ فِي الرَّدِّ عَلٰى ابْنِ تَيْمِيَّةَ فِيْ مَا أَوْرَدَهٗ فِي الْفَتْوَى الْحَمَوِيَّةِ"۔ مصنف علامہ ابن جہبلؒ ص ۵۰)

2 "آیاتِ صفات اور احادیثِ صفات کو جو شخص بھی سنے، اس کا فریضہ: (۱) تقدیس وتنزیہ باری تعالیٰ کا عقیدہ رکھنا، (۲) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین کو ماننا، (۳) اس معنی کے ساتھ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مراد

ہے، تصدیق کرنا، (۴) اپنی عاجزی کا اعتراف کرنا، (۵) سکوت کرنا، (۶) قرآن و حدیث کے الفاظ ومعانی میں تصرف کرنے سے احتراز کرنا، (۷) صفات باری تعالیٰ کے بارے میں تفکر سے اپنے آپ کو بچانا، اور (۸) یہ اعتقاد رکھنا کہ جو اس پر مخفی ہے، وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے مخفی نہیں ہے''۔

(روشن حقائق اردو ترجمہ: ''اَلْحَقَائِقُ الْجَلِیَّةُ فِی الرَّدِّ عَلٰی ابْنِ تَیْمِیَّةَ فِیْ مَا أَوْرَدَهٗ فِی الْفَتْوَی الْحَمَوِیَّةِ''۔ صنف علامہ ابن جہبل ص ۵۴)

3 صفات باری تعالیٰ کے متعلق آیات اور احادیث سننے والے پر درج ذیل فریضے عائد ہوتے ہیں:

1 تقدیس

2 ایمان اور تصدیق

3 عاجزی کا اعتراف

4 سکوت کرنا، آیات واحادیث میں وارد الفاظ میں تصرف سے بچنا، ان نصوص میں غور وفکر سے اپنے آپ کو روکے رکھنا

5 یہ اعتقاد رکھنا کہ جو اس سے مخفی ہے، یہ جناب رسول اللہ ﷺ، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مخفی نہ تھا۔

اب ہم ان وظائف میں مخفی لطائف کو ظاہر کریں گے۔ پس میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ان کو بیان کرتا ہوں۔

1 تقدیس

رہی تقدیس، تو یہ ہے کہ یہ اعتقاد رکھنا کہ ہر آیت اور حدیث کا وہی معنی معتبر ہے جو اللہ تعالیٰ کی جلالتِ شان کے لائق ہے۔ اس کی مثال یہ ہے: جب وہ حضور اکرم ﷺ کی یہ حدیث سنے: ''بیشک اللہ تعالیٰ ہر رات آسمانِ دنیا پر نزول فرماتے ہیں''۔

نزول (نازل ہونا) کا اطلاق عالی جسم اور نچلے جسم کا محتاج ہوتا ہے۔ اور جسم کا اونچی

جگہ سے نچلی جگہ منتقل ہونا ہے۔ نزول کا معنی ہوا: ایک جسم کا اونچی جگہ سے نچلی جگہ منتقل ہونا۔

نزول کا اطلاق ایک دوسرے معنی پر بھی ہوتا ہے، جس میں منتقل ہونے اور جسم کی حرکت کی احتیاج نہیں ہوتی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَأَنْزَلَ لَکُمْ مِّنَ الْأَنْعَامِ ثَمَانِیَةَ أَزْوَاجٍ (الزمر:۶)

ترجمہ اور تمہارے لیے مویشیوں میں سے آٹھ جوڑے اُتارے یعنی پیدا کیے۔

حالانکہ مویشی آسمانوں سے نازل نہیں ہوتے، بلکہ وہ ایسی مخلوق ہے جو یقیناً ارحام میں پیدا ہوتی ہے۔ پس لازمی بات ہے کہ نزول کا معنی یہاں جسم کی حرکت کے علاوہ ہے۔

اسی معنی میں حضرت امام شافعیؒ کا یہ قول بھی ہے:

''میں مصر گیا، تو وہاں کے لوگ میرے کلام کو نہیں سمجھتے تھے، تو میں نیچے اترا، پھر میں نیچے اترا، پھر اور میں نیچے اترا''۔

یہاں انتقال سے مراد بلندی سے پستی کی طرف اترنا نہیں ہے۔ پس اس حدیث کو سننے والے کے لیے اس بات کی تحقیق کرنی لازمی ہے کہ اس حدیث میں پہلے معنی کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کے حق میں نزول مراد نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ پر جسم کا اطلاق کرنا محال ہے۔

اگر یہ مدعی نزول کا معنی سوائے انتقال کے کوئی اور سمجھتا ہی نہیں، تو یقینا یہ مدعی مویشیوں کا آسمان سے نزول کا معنی بھی نہیں سمجھتا ہے۔ اور جو آسمان سے اونٹ کے اترنے کے معنی کو سمجھنے سے عاجز ہے تو یقیناً اللہ تعالیٰ کے آسمان سے نازل ہونے کے معنی سمجھنے سے بھی عاجز ہے۔ اس بات کو جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی شانِ اقدس کے یہی معنی لائق ہے۔ حضرت عبدالعزیز ماجشونؒ کے کلام میں اس طرح کے رموز اور اشارات ہیں۔

اسی طرح لفظ: ''فَوْقَ'' جو قرآن وحدیث میں وارد ہے۔ تو یہ بات جان لینی چاہیے کہ لفظ: ''فوق'' (اوپر) کے بھی معنی جسمیت کے لحاظ سے اوپر ہونا مراد ہوتے ہیں

اور کبھی مرتبہ کے لحاظ سے، جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ لہٰذا یہ بات جان لینی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے جسم کا اطلاق محال ہے۔ اس لفظ کے وہ معنی مراد ہوں گے جو اس کی شانِ اقدس کے لائق ہوں۔

2 ایمان اور تصدیق

ایمان اور تصدیق یہ ہے کہ اس بات کو جان لے کہ جناب رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کی صفات بیان کرنے میں صادق اور امین ہیں، جو کچھ آپ ﷺ نے بیان فرمایا ہے، وہ بیشک حق اور سچ ہے، اس معنی کے ساتھ جس کا آپ ﷺ نے ارادہ فرمایا ہے، اور اسی انداز سے جس طرح آپ ﷺ نے بیان فرمایا ہے، اگرچہ وہ مؤمن اس کی حقیقت سے واقف نہ ہو۔ اور شیطان اس کو پاگل نہ بنادے، تو وہ یوں ہی نہ کہنے لگ پڑے: میں اس اجمالی معاملے کی کیسے تصدیق کروں جس کی حقیقت میں نہیں جانتا؟ بلکہ مؤمن شیطان کو رسوا کردے، اور وہ یوں کہے: جیسا جب کوئی مجھے صادق اور امین خبر دے کہ مکان میں حیوان ہے۔ تو میں نے اس کے وجود کا ادراک کرلیا ہے، اگرچہ میں اس کی کیفیت اور حقیقت کو نہیں جانتا۔ اسی طرح صفات باری تعالیٰ کے بارے میں عقیدہ رکھنا چاہیے۔ پھر اس بات کو بھی جان لے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

''اے اللہ! میں تیری ثنا ویسی بیان کر ہی نہیں سکتا جیسی تو نے خود اپنی ثنا بیان کی ہے''۔

تنبیہ پوری حدیث یوں ہے:

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ، حَدَّثَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى بْنِ حَبَّانَ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: فَقَدْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً مِنَ الْفِرَاشِ فَالْتَمَسْتُهُ فَوَقَعَتْ يَدِي عَلَى بَطْنِ قَدَمَيْهِ وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ وَهُمَا مَنْصُوبَتَانِ وَهُوَ يَقُولُ: "اَللّٰهُمَّ أَعُوذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ،

وَبِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوبَتِكَ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْكَ لَا أُحْصِي ثَنَاءً عَلَيْكَ أَنْتَ كَمَا أَثْنَيْتَ عَلَى نَفْسِكَ"۔

(مسلم: کتاب الصلوٰۃ: باب ما یقال فی الرکوع والسجود، رقم ۴۸۶:۲۲۲، ترقیم فؤاد عبدالباقی)

ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتے ہیں: ایک رات میں نے حضور اکرم ﷺ کی ذات مبارک کو بستر پر نہ پایا تو میں آپ ﷺ کو تلاش کرنے لگی۔ تو میرے ہاتھ حضور اکرم ﷺ کے پاؤں کے تلووں پر لگے۔ آپ ﷺ کے پاؤں سجدے کی حالت میں کھڑے ہوئے تھے۔ اور آپ ﷺ یہ دعا مانگ رہے تھے: ''اے اللہ میں تیری ناراضگی سے تیری رضا کی پناہ میں آتا ہوں، اور تیرے غصہ سے تیری معافی کی پناہ میں آتا ہوں۔ میں تجھ سے تیری پناہ کا طلب گار ہوں۔ میں تیری ویسی تعریف کر ہی نہیں سکتا جیسا کہ تو نے خود اپنی تعریف بیان کردی ہے''۔

☆ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"اَلْعَجزُ عَنْ دَرك الْإِدْرَاكِ إِدْرَاك"۔

ترجمہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے ادراک کرنے سے عاجز سمجھنا ہی صحیح معنی میں ادراک ہے۔

3 اعترافِ عجز

عاجزی کا اعتراف کرنا ہے۔ پس یہ ہر اس شخص پر واجب ہے جو ان معانی کی حقیقت سے واقف نہ ہو کہ وہ عجز کا اعتراف کرے۔ اگر اس نے معرفت کا دعویٰ کردیا تو اس نے تکلف سے کام لیا اور اپنے آپ کو مشقت میں ڈال دیا۔ ہر جاننے والا اگر کچھ جان بھی لے، مگر اس سے اکثر حصہ پوشیدہ ہی رہے گا۔

4 سکوت کرنا

سکوت کرنا عوام پر تو واجب ہے، اس لیے کہ سوال کرنا مَالَا یُطِیْقُ (جس کی طاقت نہیں ہے) سے تعرض کرنا ہے۔ پھر اگر وہ کسی جاہل سے سوال کرے گا، تو وہ اس کی جہالت ہی زیادہ کرے گا۔ اگر وہ کسی عالم سے سوال کرے گا تو وہ عالم اس کو

سمجھا نہیں سکے گا، جیسا کہ بالغ کسی نابالغ لڑکے کو جماع کی لذت سمجھا ہی نہیں سکتا۔اسی طرح اس کو گھر کے مصالح اور تدبیر کی تعلیم نہیں دے سکتا، بلکہ اس کو یہ مصلحت کی باتیں اس کو مکتب سے فارغ ہونے کے بعد ہی سمجھائے گا۔

پس عوام میں جب کوئی آدمی ان مسائل کے بارے میں سوال کرے تو اس کو جھڑک اور ڈانٹ دیا جائے گا۔اور اس سے کہا جائے گا: یہ تیری طلب کا معاملہ نہیں ہے، لہٰذا تو دین میں راہِ راست پر قائم رہ۔حضرت امام مالکؒ نے اس طرح کے سوال کرنے والے کو اپنی مجلس سے نکال دینے کا حکم دیا تھا۔تو اس وقت فرمایا تھا: میں تو تجھے برا آدمی ہی خیال کرتا ہوں، اور اس شخص کی بات سن کر حضرت امام مالکؒ پسینہ پسینہ ہو گئے تھے۔

حضرت عمرؓ بھی ہر اس شخص کے ساتھ جو آیات متشابہات کے بارے میں سوال کرتا تھا، اسی طرح کا معاملہ کرتے تھے۔حضور اکرم ﷺ کا فرمان مبارک ہے:

’’تم سے پہلے لوگ کثرتِ سوال کی وجہ سے ہلاک کر دیئے گئے‘‘۔

تقدیر کے بارے میں زبان بند رکھنے کا حکم وارد ہوا ہے، تو پھر صفاتِ باری تعالیٰ کے بارے میں کیوں نہیں؟!

5 امساک

آیات واحادیث میں تصرف سے روک لینا۔ وہ یہ ہے کہ مؤمن وہی بات کہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ اور جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔اس میں کسی قسم تصرف کا نہ کرے، چاہے وہ تفسیر، تاویل، تصریف، تفریق اور جمع کا ہو۔

۱ **تفسیر** یہ ہے کہ وہ قرآن وحدیث کے الفاظ کو کسی دوسری لغت سے نہ بدلے۔اس لیے کہ ایک لفظ دوسرے کا قائم مقام نہیں ہوسکتا۔کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ لفظ ایک لغت میں تو مستعار ہوتا ہے دوسری لغت میں نہیں۔کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ لفظ ایک لغت میں تو مشترک ہوتا ہے جب کہ دوسری لغت میں نہیں۔اس وقت استعارہ کو ترک کر کے ہی خطاب عظمت والا ہوتا ہے اور اس اعتقاد کے ساتھ کہ ان دونوں

معانی میں ایک ہی معنی مشترک مراد ہوتا ہے۔

۲ **تاویل** یہ ہے کہ لفظ کو اس کے ظاہری معنی سے ہٹا کر مرجوح معنی کی طرف لایا جائے اگر تو وہ عامی شخص ہے تو اس نے ایسے سمندر میں غوطہ لگایا ہے، جس کا کوئی ساحل ہی نہیں ہے اور وہ تیرنا بھی نہیں جانتا ہے۔اگر وہ عالم ہے تو اس کے لیے بھی شرائط تاویل کا لحاظ کیے بغیر جائز نہیں ہے۔اور عامی شخص تو ہرگز اس میں داخل نہیں ہوسکتا کیونکہ عام آدمی اس کے فہم وادراک سے عاجز ہوتا ہے۔

۳ **کف باطن** (دل ودماغ کو روک کر رکھنا) یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو اس میں داخل کر کے اتنا آگے نہ لے جائے کہ وہ کفر کی حدوں کو چھو جائے، اور اس کو اپنے سے ہٹانے کی قدرت بھی نہ رکھے، اور اس کے لیے کوئی اور راستہ بھی باقی نہ رہے۔

۴ **اعتقاد** یہ رکھے کہ جناب رسول اللہ ﷺ اس کو جانتے ہیں۔پس اس حقیقت کو جان لینا ضروری ہے۔اپنے آپ کو جناب رسول اللہ ﷺ، صحابہ کرامؓ اور اکابر علماء کرامؒ پر ہرگز قیاس نہ کرے۔پس دل تو کانیں اور جواہر ہی ہوتے ہیں۔

(روشن حقائق اردو ترجمہ: ’’اَلْحَقَائِقُ الْجَلِیَّةُ فِی الرَّدِّ عَلٰی ابْنِ تَیْمِیَّةِ فِیْ مَآ أَوْرَدَهٗ فِی الْفَتْوٰی الْحَمَوِیَّةِ‘‘۔ مصنف علامہ ابن جہبل ص ۱۳۹ تا ۱۴۴)

16 حضرت الإمام العلامة سعد الدين مسعود بن عمر التفتازانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۹۳ھ) کے عقائد

مشہور متکلم اسلام ہیں جنہوں نے ''العقائد النسفیہ'' شیخ نجم الدین عمر النسفیؒ (المتوفی ۵۳۷ھ) کی شرح لکھی۔ یہ کتاب ہمارے درس نظامی کی علم العقائد میں اہم ترین کتاب سمجھی جاتی ہے۔

اس شرح میں علامہ مسعود بن عمر سعد الدین تفتازانی (المتوفی ۷۹۳ھ) نے ماتریدیہ اور اشاعرہ کے علوم سے استفادہ کرتے ہوئے خالص فنی انداز میں علم کلام کے مسائل کو عقلی اور نقلی دلائل سے مبرہن کیا۔ علامہ موصوف علوم کی گیرائی و گہرائی میں اپنی نظیر آپ ہیں۔

تاریخ میں موصوف ہی ایک ایسے خوش نصیب مصنف ہیں جن کی مختلف علوم وفنون کی دسیوں کتابیں نصابِ تعلیم کا جز بنائی گئی ہیں اور آج تک علمی دنیا ان کے احسانات سے گراں بار ہے۔ لیکن یہ واقعہ ہے کہ جس طرح ان کی زبان میں لکنت تھی، اسی طرح ان کا قلم بھی تعقید سے خالی نہیں ہے۔ ''شرح عقائد'' میں یہ وصف موجود ہے۔ درسِ نظامی میں شامل ہونے کی وجہ سے اس کی مشکلات کو حل کرنے کی ضرورت اور زیادہ بڑھ گئی ہے۔ اسی لیے عربی، فارسی اور اردو میں اس کی متعدد شروح وحواشی موجود ہیں۔

شرح عقائد نسفی مع حواشی مفیدہ ومیزان لعقائد لحضرۃ استاذ الاساتذہ شاہ عبد العزیز دہلویؒ شائع شدہ ہے اور اس کی شرح راندیر (سورت) سے بھی اچھی تحقیق کے ساتھ شائع ہوئی ہے۔ اس کے شارح علامہ شمس الدین افغانیؒ ہیں۔ زبان کہیں کہیں سخت ہوگئی ہے۔ تاہم عمدہ معلومات جمع کردی ہیں۔ اس کتاب میں مشبہہ ومجسمہ اور غیر مقلدین وسلفیہ کا ردوافر موجود ہے۔

حال ہی میں اس کی ایک بہت ہی عمدہ شرح ''بیان الفوائد فی حل شرح العقائد'' کے

نام سے شائع ہوئی ہے۔ اس کے مؤلف حضرت مولانا مجیب اللہ گونڈوی مدظلہ، استاذ دار العلوم دیوبند، ہیں۔

اس زمانہ میں ہندوپاک کے غیر مقلدین حنفیہ کے فروعی مسائل کو تختۂ مشق بنا کر تقلید وحنفیت کے خلاف جھوٹا پروپیگنڈا کرتے ہیں۔ اور اپنے غلط عقائد پھیلاتے ہیں۔ جمہور سلف وخلف کے عقائد کو باطل قرار دیتے ہیں۔ اس لیے صحیح عقائد اہل سنت کا پورا علم اور غلط عقائد سے بھی واقفیت نہایت ضروری ہے۔ واللہ الموفق!

نوٹ: ان کی کتاب: ''شرح عقائدِ نسفیہ'' میں صفاتِ باری تعالیٰ کے عقائد کو تفصیلاً بیان کیا گیا ہے۔ ان کی کتاب عقائدِ نسفیہ کی شرح ہے۔ متن عقائدِ نسفیہ کو پہلے بیان کردیا گیا ہے۔ اس لیے طوالت کے بچنے کے لیے ان کی کتاب سے صرف صفتِ کلام کو ہی پیش کیا گیا ہے۔

1 الكلام صفة أزلية

(والكلام) وهي صفة أزلية عبر عنها بالنظم المسمى بالقرآن المركب من الحروف، وذلك لأن كل من يأمر وينهى ويخبر يجد من نفسه معنى. ثم يدل عليه بالعبارة أو الكتابة أو الإشارة، وهي غير العلم، إذ قد يخبر الإنسان عما لا يعلمه، بل يعلم خلافه، وغير الإرادة؛ لأنه قد يأمر بما لا يريده، كمن أمر عبده قصداً لإظهار عصيانه، وعدم امتثاله لأوامره، ويسمى هذا كلاماً نفسياً، على ما أشار إليه الأخطل بقوله:

إن الكلام لفي الفؤاد وإنما　　　جعل اللسان على الفؤاد دليلاً

وقال عمر رضي الله عنه: إني زورت في نفسي مقالة.

وكثيراً ما تقول لصاحبك: إن في نفسي كلاماً أريد أن أذكره لك.

والدليل على ثبوت صفة الكلام إجماع الأمة وتواتر النقل عن الأنبياء عليهم السلام أنه تعالى متكلم، مع القطع باستحالة

التكلم من غير ثبوت صفة الكلام۔

فثبت أن لله تعالى صفات ثمانية هى:العلم والقدرة والحياة والسمع والبصر والإرادة والتكوين والكلام۔

ولما كان فى الثلاثة الأخيرة نزاع وخفاء كرر الإشارة إلى إثباتها وقدمها، وفصل الكلام بعض التفصيل فقال:

(وهو) أى الله تعالى (متكلم بكلام هو صفة له) ضرورة امتناع إثبات المشتق للشىء من غير قيام مأخذ الاشتقاق به، وفى هذا رد على المعتزلة حيث ذهبوا إلى أنه متكلم بكلام هو قائم بغيره ليس صفة له۔

(أزلية) ضرورة امتناع قيام الحوادث بذاته۔

(ليس من جنس الحروف والأصوات) ضرورة أنها أعراض حادثة مشروط حدوث بعضها بانقضاء البعض، لأن امتناع التكلم بالحرف الثانى بدون انقضاء الحرف الأول بديهى، وفى هذا رد على الحنابلة والكرامية القائلين بأن كلامه تعالى عرض من جنس الأصوات والحروف، ومع ذلك فهو قديم۔

(وهو) أى الكلام (صفة) أى معنى قائم بالذات (منافية للسكوت) الذى هو ترك التكلم مع القدرة عليه، (والآفة) التى هى عدم مطاوعة الآلات إما بحسب الفطرة كما فى الخرس أو بحسب ضعفها وعدم بلوغها حد القوة كما فى الطفولية۔

فإن قيل: هذا الكلام إنما يصدق على الكلام اللفظى دون الكلام النفسى، إذ السكوت والخرس إنما ينافى التلفظ۔

قلنا: المراد السكوت والآفة الباطنيان، بأن لا يريد فى نفسه التكلم أو لا يقدر على ذلك، فكما أن الكلام لفظى ونفسى فكذا ضده، أعنى السكوت والخرس۔

(والله تعالى متكلم بها آمر ناه مخبر)

يعنى أنه صفة واحدة تتكثر إلى الأمر والنهى والخبر، باختلاف التعلقات كالعلم والقدرة وسائر الصفات، فإن كلاً منهما صفة واحدة قديمة، والتكثر والحدوث إنما هو فى التعلقات والإضافات، لما أن ذلك أليق بكمال التوحيد، ولأنه دليل على تكثر كل منها فى نفسها۔

فإن قيل: هذه الأقسام للكلام لا يعقل وجوده بدونها۔

قلنا: إنه ممنوع، بل إنما يصير أحد تلك الأقسام عند التعلقات، وذلك فيما لا يزال، وأما فى الأزل فلا انقسام أصلاً۔

وذهب بعضهم إلى أنه فى الأزل خبر، ومرجع الكل إليه، لأن حاصل الأمر إخبار عن استحقاق الثواب على الفعل والعقاب على الترك والنهى على العكس، وحاصل الاستخبار الخبر عن طلب الإعلام، وحاصل النداء الخبر عن طلب الإجابة۔

ورد بأنا نعلم اختلاف هذه المعانى بالضرورة واستلزام البعض للبعض لا يوجب الاتحاد۔

فإن قيل: الأمر والنهى بلا مأمور ولا منهى سفه وعبث، والإخبار فى الأزل بطريق المضى كذب محض يجب تنزيه الله تعالى عنه۔

قلنا: إن لم يجعل كلامه فى الأزل أمراً ونهياً وخبراً فلا إشكال، وإن جعلناه فالأمر فى الأزل لإيجاب تحصيل المأمور فى علم الآمر، كما إذا قدر الرجل ابناً له فأمره بأن يفعل كذا بعد الوجود۔

والإخبار بالنسبة إلى الأزل لا يتصف بشىء من الأزمنة إذ لا ماضى ولا مستقبل ولا حال بالنسبة إلى الله تعالى، لتنزيهه عن

الزمان، كما أن علمه أزلي لا يتغير بتغير الأزمان.

(شَرحُ العَقَائدِ النَّسَفِيَة، ص ۱۵۲ تا ۱۵۹۔المؤلف:الإمام العلامة الحجة المتكلم الأصولي النظار سعد الدين مسعود بن عمر التفتازاني رحمه الله تعالىٰ (المتوفى ۷۹۳ھ)۔الناشر:مكتبة البشرىٰ، كراچی، ۱۴۳۲ھ)

ترجمہ

اللہ تعالیٰ کی صفتِ کلام ازلی صفت ہے

1 (آٹھویں صفت) کلام ہے، اور وہ ایک ایسی ازلی صفت ہے جس کو اس قرآن نامی نظم کے ذریعہ تعبیر کیا جاتا ہے جو حروف سے مرکب ہے۔ یہ اس لیے کہ ہر وہ شخص جو امرونہی کرتا ہے، اور خبر دیتا ہے، وہ اپنے دل میں ایک بات محسوس کرتا ہے، پھر اس کو لفظ کے ذریعے یا کتابت کے ذریعہ یا اشارہ کے ذریعہ بتلاتا ہے۔ یہ علم کا غیر ہے، کیونکہ انسان بعض دفعہ ایسی بات کی خبر دیتا ہے جس کا اسے علم نہیں ہوتا بلکہ اس کے خلاف کا علم ہوتا ہے اور ارادہ کا بھی غیر ہے کیونکہ بعض دفعہ ایسی بات کا امر کرتا ہے جس کا وہ ارادہ نہیں کرتا ہے۔ مثلاً وہ شخص جو اپنے غلام کو اس کی نافرمانی اور اس کے احکام کی تعمیل نہ کرنے کو ظاہر کرنے کے لیے کسی کام کا امر کرے۔

2 اس (معنیٰ) کو کلامِ نفسی کہا جاتا ہے، جیسا کہ اس کی طرف اخطل شاعر نے اپنے اس قول سے اشارہ کیا ہے:

ے إن الكلام لفي الفؤاد وإنما — جعل اللسان على الفؤاد دليلاً

ترجمہ بیشک کلام تو دل میں ہوتا ہے، زبان کو دل پر دلیل ٹھہرایا گیا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ’’میں نے اپنے دل میں ایک کلام آراستہ کیا ہے‘‘۔

بسا اوقات تم اپنے ساتھی سے کہتے ہو کہ میرے دل میں ایک بات ہے جو میں تم سے بیان کرنا چاہتا ہوں۔

3 صفتِ کلام کے ثبوت پر دلیل اُمت کا اجماع اور انبیاء علیہم السلام سے تواتر کے ساتھ یہ منقول ہونا ہے کہ اللہ تعالیٰ متکلم ہے، اس بات کا یقین کرنے کے ساتھ کہ بغیر صفتِ

کلام کے ثبوت کے متکلم ہونا محال ہے۔ پس ثابت ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ کے لیے آٹھ صفات ہیں اور وہ (۱) علم، (۲) قدرت، (۳) حیات، (۴) سمع، (۵) بصر، (۶) ارادہ، (۷) تکوین اور (۸) کلام ہیں۔

4 جب آخری تین صفات میں زیادہ نزاع تھا تو ان کے اثبات اور ان کے قدیم ہونے کی طرف مکرر اشارہ کیا اور قدرے تفصیل کے ساتھ کلام کیا۔ چنانچہ فرمایا: اور وہ (یعنی اللہ تعالیٰ) متکلم ہے، ایسے کلام کے سبب جو اس کی صفت ہے۔ شی کے اسمِ مشتق کا اثبات اس کے ساتھ ماخذِ اشتقاق کے قیام ہوئے بغیر محال ہونے کی وجہ سے۔ اس میں معتزلہ کی تردید ہے۔ اس لیے کہ ان کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ متکلم ہیں ایسے کلام کی وجہ سے جو اس کے علاوہ کے ساتھ قائم ہے، اُن کی صفت نہیں ہے۔

5 وہ صفت ازلی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ حوادث کا قیام محال ہونے کی وجہ سے۔ حروف واصوات کی جنس سے نہیں ہے کیونکہ حروف واصوات ایسے اعراض ہیں جو حادث ہیں۔ بعض کا حادث ہونا دوسرے بعض کے ختم کے ساتھ مشروط ہے کیونکہ حرفِ اول کے ختم ہوئے بغیر حرفِ ثانی کے تلفظ کا محال ہونا بدیہی ہے۔ اس میں حنابلہ اور کرامیہ کی تردید ہے جو اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا کلام عرض ہے۔ اصوات اور حروف کی جنس سے ہے اور اس کے باوجود وہ قدیم ہے۔

6 اور وہ (یعنی کلام) ایک ایسی صفت ہے یعنی ایک ایسا معنی ہے جو ذات واجب کے ساتھ قائم ہے، جو (اس) سکوت کے منافی ہے جو تکلم نہ کرنے کا نام ہے باوجود اس پر قدرت ہونے کے، اور آفت کے منافی ہے جو آلات کے کام نہ کرنے کا نام ہے۔ خواہ پیدائشی اعتبار سے جیسا کہ گونگے پن میں ہوتا ہے، یا آلاتِ تکلم کے ضعیف ہونے اور اس کے درجۂ قوت کو نہ پہنچنے کے لحاظ سے جیسا کہ بچپن میں ہوتا ہے۔ پس اگر کہا جائے کہ یہ صرف کلامِ لفظی پر صادق آتا ہے، کلامِ نفسی پر نہیں۔ اس لیے کہ سکوت اور خرس صرف تلفظ کے منافی ہے۔ ہم جواب دیں گے کہ مراد باطنی سکوت و آفت ہیں۔ بایں طور کہ دل میں تکلم کی سوچ بچار نہ کرے۔ یا اس پر قدرت نہ رکھے۔ تو جس طرح کلامِ لفظی اور نفسی ہوتا ہے، اسی طرح اس کی ضد یعنی سکوت اور خرس

بھی۔

7 اللہ تعالیٰ اسی صفت کے ساتھ متکلم ہیں، آمر، ناہی اور مخبر ہیں یعنی کلام ایک ہی صفت ہے جو تعلقات کے مختلف ہونے کی وجہ سے امر و نہی کے لحاظ سے کثرت والا ہے۔ جیسے علم، قدرت اور دیگر صفات کہ ان میں سے ہر ایک قدیم ہے، اور تکثر و حدوث صرف تعلقات اور اضافی امور میں ہے کیونکہ یہ بات کمالِ توحید کے مناسب ہے۔

8 پھر اگر کہا جائے کہ یہ کلام کی اقسام ہیں جن کے بغیر کلام کے وجود کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ پس وہ فی نفسہٖ متکثر ہوگا۔

ہم جواب دیں گے کہ یہ تسلیم نہیں بلکہ تعلقات کے وقت کلام ان اقسام میں سے کوئی ایک قسم بن جاتا ہے اور یہ ازل کے بعد ہے۔ بہر حال ازل میں تو بالکل تقسیم ہی نہیں۔ بعض حضرات کا یہ مذہب ہے کہ کلام ازل میں خبر ہے۔ تمام اقسام کا حاصل خبر ہی ہے۔ اس لیے کہ امر کا حاصل فعل پر مستحق ثواب ہونے اور ترک پر مستحقِ عقاب ہونے کی خبر دینا ہے۔ اور نہی اس کے برعکس ہے۔ استخبار کا حاصل آگاہی مطلوب ہونے کی خبر دینا ہے۔ نداء کا حاصل اجابتِ مطلوب ہونے کی خبر دینا ہے۔ اس مذہب کو اس طرح رد کیا گیا ہے کہ ہم یقینی طور پر ان معانی کے مختلف ہونے کو جانتے ہیں۔ بعض کا مذہب دوسرے بعض کو مستلزم ہونا اتحاد کا موجب نہیں ہے۔

9 پھر اگر کہا جائے کہ امر اور نہی بغیر مامور اور منہی کے سفاہت اور جہالت ہے۔ ازل میں بصیغۂ ماضی خبر دینا کذبِ محض ہے، جس سے اللہ تعالیٰ کو پاک اور منزہ سمجھنا واجب ہے۔

ہم جواب دیں گے کہ اگر ازل میں کلامِ الٰہی کو امر، نہی اور خبر قرار نہ دیں، تب تو کوئی اشکال ہی نہیں۔ اور اگر ہم اسے (امر، نہی اور خبر) قرار دیں تو ازل میں امر شخصِ مامور کے وجود کے وقت میں فعلِ مامور بہ کو انجام دینا واجب کرنے کے لیے ہے۔ پس علمِ آمر میں مامور کا وجود کافی ہے۔ جیسے کوئی شخص اپنے لیے بیٹے کا تصور کرے اور اس کو امر کرے کہ وہ موجود ہونے کے بعد ایسا کرے۔ ازل کے لحاظ سے خبریں کسی

بھی زمان کے ساتھ متصف نہیں ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے اعتبار سے نہ کوئی ماضی ہے، نہ مستقبل ہے، نہ حال ہے۔ کیونکہ وہ زمان سے منزہ اور پاک ہے جس طرح اس کا علم ازلی ہے۔ زمانے کے تغیر سے متغیر نہیں ہوتا ہے۔

2 القرآن کلام اللہ تعالیٰ، غیر مخلوق

ولما صرح بأزلية الكلام حاول النبيه على أن القرآن أيضاً قد يطلق على هذا الكلام النفسي القديم كما يطلق على النظم المتلو الحادث فقال:

(والقرآن كلام الله تعالى غير مخلوق) وعقب القرآن بكلام الله لما ذكره المشايخ من أنه يقال: القرآن كلام الله تعالى غير مخلوق، ولا يقال: القرآن غير مخلوق، لئلا يسبق إلى الفهم أن المؤلف من الأصوات والحروف قديم كما ذهب إليه الحنابلة جهلاً أو عناداً.

وأقام غير المخلوق مقام غير الحادث تنبيهاً على اتحادهما، وقصداً إلى جرى الكلام على وفق الحديث، حيث قال صلى الله عليه وسلم: (القرآن كلام الله تعالى غير مخلوق، ومن قال:إنه مخلوق فهو كافر بالله العظيم)، وتنصيصاً على محل الخلاف بالعبارة المشهورة فيمابين الفريقين،وهو أن القرآن مخلوق أو غير مخلوق، ولهذا تترجم المسألة بمسألة خلق القرآن.

وتحقيق الخلاف بيننا وبينهم يرجع إلى إثبات الكلام النفسي ونفيه، وإلا فنحن لا نقول بقدم الألفاظ والحروف، وهم لا يقولون بحدوث كلام نفسي.

ودليلنا ما مر أنه ثبت بالإجماع وتواتر النقل عن الأنبياء صلوات الله عليهم أنه متكلم، ولا معنى له سوى أنه متصف بالكلام ويمتنع قيام اللفظي الحادث بذاته تعالى، فتعين النفسي القديم.

وأما استدلالهم بأن القرآن متصف بما هو من صفات المخلوق وسمات الحدوث من التأليف والتنظيم والإنزال والتنزيل و كونه عربياً مسموعاً فصيحاً معجزاً إلى غير ذلك، فإنما يكون حجة على الحنابلة لا علينا، لأنا قائلون بحدوث النظم، وإنما الكلام في المعنى القديم، والمعتزلة لما لم يمكنهم إنكار كونه تعالى متكلماً ذهبوا إلى أنه متكلم بمعنى إيجاد الأصوات والحروف في محلها أو إيجاد أشكال الكتابة في اللوح المحفوظ وإن لم يقرأ، على اختلاف بينهم۔

وأنت خبير بأن المتحرك من قامت به الحركة، لا من أوجدها، وإلا لصح اتصاف البارى بالأعراض المخلوقة له تعالى عن ذلك علواً كبيراً۔

ومن أقوى شبه المعتزلة أنكم متفقون على أن القرآن اسم لما نقل إلينا بين دفتى المصاحف تواتراً، وهذا يستلزم كونه مكتوباً فى المصاحف مقروءاً بالألسن، مسموعاً بالآذان، وكل ذلك من سمات الحدوث بالضرورة۔ فأشار إلى الجواب بقوله:

(وهو) أى القرآن الذى هو كلام الله تعالى (مكتوب فى مصاحفنا) أى بأشكال الكتابة وصور الحروف الدالة عليه (محفوظ فى قلوبنا) أى بالألفاظ المخيلة (مقروء بألسنتنا) بالحروف الملفوظة المسموعة (مسموع بآذاننا) بذلك أيضاً (غير حال فيها) أى مع ذلك ليس حالاً فى المصاحف ولا فى القلوب والألسنة والآذان، بل هو معنى قديم قائم بذات الله، يلفظ ويسمع بالنظم الدال عليه، ويحفظ بالنظم المخيل ويكتب بنقوش وصور وأشكال موضوعة للحروف الدالة عليه، كما يقال: النار جوهر محرق، تذكر باللفظ وتكتب بالقلم، ولا يلزم منه كون حقيقة النار صوتاً وحرفاً۔

وتحقيقه أن للشىء وجوداً فى الأعيان، ووجوداً فى الأذهان، ووجوداً فى

العبارة، ووجوداً فى الكتابة، والكتابة تدل على العبارة، وهى على ما فى الأذهان، وهو على ما فى الأعيان، فحيث يوصف القرآن بما هو من لوازم القديم كما فى قولنا: القرآن غير مخلوق، فالمراد حقيقته الموجودة فى الخارج، وحيث يوصف بما هو من لوازم المخلوقات والمحدثات يراد به الألفاظ المنطوقة المسموعة كما فى قولنا: قرأت نصف القرآن، أو المخيلة كما فى قولنا: حفظت القرآن، أو الأشكال المنقوشة كما فى قولنا: يحرم للمحدث مس القرآن۔

ولما كان دليل الأحكام الشرعية هو اللفظ دون المعنى القديم عرفه أئمة الأصول بالمكتوب فى المصاحف المنقول بالتواتر، وجعلوه اسماً للنظم والمعنى جميعاً، أى للنظم من حيث الدلالة على المعنى لا بمجرد المعنى۔

وأما الكلام القديم الذى هو صفة الله تعالى فذهب الأشعرى إلى أنه يجوز أن يسمع، ومنعه الأستاذ أبو إسحاق الإسفرايينى، وهو اختيار الشيخ أبى منصور رحمه الله، فمعنى قوله تعالى: (حتى يسمع كلام الله) يسمع ما يدل عليه، كما يقال: سمعت علم فلان، فموسى عليه السلام سمع صوتاً دالاً على كلام الله تعالى، لكن لما كان بلا واسطة الكتاب والملك خص باسم الكليم۔

فإن قيل: لو كان كلام الله تعالى حقيقة فى المعنى القديم مجازاً فى النظم المؤلف لصح نفيه عنه، بأن يقال: ليس النظم المعجز المفصل إلى السور والآيات كلام الله تعالى، والإجماع على خلافه۔

وأيضاً: المعجز المتحدى به هو كلام الله تعالى حقيقة مع القطع بأن ذلك إنما يتصور فى النظم المؤلف المفصل إلى السور، إذ لا معنى لمعارضة الصفة القديمة۔

قلنا: التحقيق أن كلام الله تعالى اسم مشترك بين الكلام النفسى

القديم ومعنى الإضافة أنه مخلوق الله تعالى، ليس من تأليفات المخلوقين، فلا يصح النفى أصلاً، ولا يكون الإعجاز والتحدى إلا فى كلام الله تعالى، وما وقع فى عبارة بعض المشايخ من أنه مجاز فليس معناه أنه غير موضوع للنظم المؤلف، بل معناه أن الكلام فى التحقيق وبالذات اسم للمعنى القائم بالنفس، وتسمية اللفظ به ووضعه لذلك إنما هو باعتبار دلالته على المعنى، فلا نزاع لهم فى الوضع والتسمية۔

وذهب بعض المحققين إلى أن المعنى فى قول مشايخنا: كلام الله تعالى معنى قديم، ليس فى مقابلة اللفظ حتى يراد به مدلول اللفظ ومفهومه، بل فى مقابلة العين، والمراد به ما لا يقوم بذاته كسائر الصفات۔

ومرادهم أن القرآن اسم للنظم والمعنى شامل لهما، وهو قديم لا كما زعمت الحنابلة من قدم النظم المؤلف المرتب الأجزاء، فإنه بديهى الاستحالة، للقطع بأنه لا يمكن التلفظ بالسين من "بسم الله" إلا بعد التلفظ بالباء، بل معنى أن اللفظ القائم بالنفس ليس مرتب الأجزاء فى نفسه كالقائم بنفس الحافظ من غير ترتب الأجزاء، وتقدم البعض على البعض، والترتب إنما يحصل فى التلفظ والقراءة لعدم مساعدة الآلة، وهذا هو معنى قولهم: المقروء قديم والقراءة حادثة، وأما القائم بذات الله تعالى فلا ترتب فيه، حتى أن من سمع كلامه تعالى سمعه غير مرتب الأجزاء لعدم احتياجه إلى الآلة، هذا حاصل كلامهم وهو جيد لمن تعقل لفظاً قائماً بالنفس غير مؤلف من الحروف المنطوقة أو المخيلة المشروط وجود بعضها بعدم البعض، ولا من الأشكال المرتبة الدالة عليه، ونحن لا نتعقل من قيام الكلام بنفس الحافظ إلا كون صور الحروف مخزونة مرتسمة فى

خياله، بحيث إذا التفت إليها كان كلاماً مؤلفاً من ألفاظ مخيلة أو نقوش مرتبة، وإذا تلفظ كان كلاماً مسموعاً۔

(شَرحُ العَقَائِدِ النَّسَفِيَة، ص ۱۵۹ تا ۱۷۱۔المؤلف:الإمام العلامة الحجة المتكلم الأصولى النظارسعد الدين مسعود بن عمر التفتازانى رحمه الله (المتوفى ۷۹۳ھ)۔الناشر: مكتبة البشرىٰ، كراچى، ۱۴۳۲ھ)

ترجمہ

قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام، غیر مخلوق ہے

1 جب مصنفؒ کلام کے ازلی ہونے کی صراحت کر چکے تو اب اس بات سے آگاہ کرنے کا ارادہ کیا کہ لفظ قرآن اس کلامِ نفسی قدیم پر بھی بولا جاتا ہے جس طرح نظمِ متلو حادث پر بولا جاتا ہے۔ چنانچہ فرمایا: قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام، غیر مخلوق ہے۔ اور لفظ قرآن کے بعد کلام اللہ کا لفظ لائے، کیونکہ مشائخ نے ذکر کیا ہے کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام، غیر مخلوق ہے، کہا جائے۔ قرآن غیر مخلوق ہے، نہ کہا جائے، تاکہ ذہن کی طرف یہ بات سبقت نہ کرے کہ وہ کلام جو حروف واصوات سے مرکب ہے، وہ قدیم ہے۔ جیسا کہ جہالت یا عناد کی وجہ سے حنابلہ اس طرف گئے ہیں۔ غیر حادث (حادث نہیں) کے بجائے غیر مخلوق (مخلوق نہیں) کا لفظ لائے۔ دونوں کے اتحاد پر متنبہ کرنے اور کلام کو حدیث کے موافق جاری کرنے کے ارادہ سے۔ اس لیے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

القرآن كلام الله تعالى غير مخلوق، ومن قال: إنه مخلوق فهو كافر بالله العظيم۔

ترجمہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، مخلوق نہیں ہے۔ اور جو شخص یہ کہے کہ قرآن مخلوق ہے، تو وہ اللہ تعالیٰ کا منکر ہے۔

اور فریقین کے درمیان مشہور عبارت کے ذریعے محلِ خلاف کی صراحت کرنے کے لیے۔ اور وہ یہ ہے کہ قرآن مخلوق ہے، یا غیر مخلوق ہے۔ اسی وجہ سے اس مسئلہ کا مسئلۂ خلقِ قرآن عنوان رکھا جاتا ہے۔

2 اور ہم اشاعرہ اور معتزلہ کے درمیان اختلاف کا مدار کلام نفسی کے اثبات اور اس کی نفی پر ہے۔ ورنہ نہ ہم الفاظ وحروف کے قدیم ہونے کے قائل ہیں اور نہ وہ کلامِ نفسی کے حدوث کے۔ ہماری دلیل وہی ہے جو گزر چکی ہے کہ اجماع سے اور انبیاء علیہم السلام سے تواتر کے ساتھ منقول ہونے سے اللہ تعالیٰ کا متکلم ہونا ثابت ہے۔ اس کا اس کے سوا کوئی معنی نہیں کہ وہ کلام کے ساتھ موصوف ہے اور اس کی ذات کے ساتھ کلامِ لفظی حادث کا قیام محال ہے۔ پس کلامِ نفسی قدیم متعین ہے۔

3 رہا (کلام نفسی قدیم کی نفی اور قرآن کے حادث ہونے پر) معتزلہ کا یہ استدلال کہ قرآن ایسی چیزوں کے ساتھ متصف ہے جو مخلوق کی صفات اور حدوث کی علامات میں سے ہیں۔ مثلاً مؤلَّف ہونا، منظم ہونا، نازل کیا جانا، عربی ہونا، اس کا سنا جانا، فصیح ہونا، معجزہ ہونا وغیرہ۔ تو یہ استدلال حنابلہ کے خلاف حجت بنے گا، نہ کہ ہمارے خلاف۔ کیونکہ نظم اور الفاظ کے حدوث کے تو ہم بھی قائل ہیں اور ہماری بات (غیر مخلوق ہونے کی) صرف معنی قدیم یعنی کلامِ نفسی کے بارے میں ہے۔

4 معتزلہ کے لیے جب اللہ تعالیٰ کے متکلم ہونے کا انکار ممکن نہ ہوسکا، تو وہ اس بات کی طرف گئے کہ اللہ تعالیٰ حروف واصوات کو ان کے اپنے اپنے محل میں موجود کرنے یا اَشکالِ کتابت کو لوحِ محفوظ میں موجود کرنے کے معنی میں متکلم ہے، اگرچہ اُسے پڑھا نہیں گیا۔ یہ مسئلہ ان کے درمیان مختلف فیہ ہے۔ آپ کو اچھی طرح معلوم ہوگا کہ متحرک وہ ہے جس کے ساتھ حرکت قائم ہو، نہ کہ وہ شخص جو حرکت کا موجد ہو۔ ورنہ باری تعالیٰ کا ان اعراض کے ساتھ متصف ہونا لازم آئے گا جو اس کی مخلوق ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس سے بہت ہی بلند وبالاتر ہے۔

5 معتزلہ کے قوی تر دلائل میں سے یہ ہے کہ تم (اشاعرہ) اس بات پر متفق ہو کہ قرآن کریم اس کلام کا نام ہے جو ہم تک تواتر کے ساتھ مصاحف میں مکتوب ہونے، زبانوں سے پڑھے جانے اور کانوں سے سنے جانے کو۔ تو یقینی طور پر یہ سب حدوث کی علامات میں سے ہیں۔ تو مصنفؒ نے اپنے اس قول سے جواب کی طرف اشارہ کیا اور وہ یعنی قرآن جو اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، ہمارے مصاحف میں مکتوب ہے، یعنی کلام

الٰہی پر دلالت کرنے والے حروف کی صورتوں اور کتابت کی شکلوں کے واسطے سے، ہمارے دلوں میں محفوظ ہے، خزانۂ خیال میں جمع شدہ الفاظ کے واسطے سے۔ ہماری زبانوں سے پڑھا جاتا ہے، اس کے قابلِ تلفظ اور قابلِ سماع حروف کے واسطے سے۔ ہمارے کانوں سے سنا جاتا ہے، ان ہی (قابل تلفظ اور قابلِ سماع) حروف سے۔ ان میں حلول کرنے والا نہیں، یعنی ان سب باتوں کے باوجود نہ تو وہ مصاحف میں حلول کیے ہوئے ہے اور نہ قلوب میں اور نہ زبانوں میں اور نہ کانوں میں۔ بلکہ وہ ایک قدیم معنی ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہے۔ اس کا تلفظ ہوتا ہے اس پر دلالت کرنے والی نظم کے توسط سے۔ اس کو سنا جاتا ہے، خیال میں جمع شدہ نظم کے توسط سے، اس کو حفظ کیا جاتا ہے۔ اس پر دلالت کرنے والے حروف کے لیے وضع کردہ اشکال ونقوش کے واسطے سے، اس کو لکھا جاتا ہے۔ جس طرح کہا جاتا ہے: آگ ایک روشن جلانے والا مادہ ہے۔ اس کو لفظ کے ذریعہ ذکر کیا جاتا ہے۔ اس سے حقیقتِ نار کا حرف وصوت ہونا لازم نہیں آتا۔

6 اس جواب کی تحقیق یہ ہے کہ شی کا ایک وجود خارج میں ہوتا ہے اور ایک وجود ذہن میں ہوتا ہے۔ ایک وجود عبارت میں ہوتا ہے اور ایک وجود کتابت میں ہوتا ہے۔ تو کتابت عبارت پر دلالت کرتی ہے۔ عبارت وجود ذہنی پر اور وجود ذہنی وجودِ خارجی پر۔ تو جہاں کہیں قرآن کی ایسی صفت بیان کی جائے جو قدیم کے لوازم میں سے ہے۔ جیسا کہ ہمارے قول: "القرآن غیر مخلوق" میں۔ تو مراد اس کی وہ حقیقت ہوگی جو خارج میں موجود ہے۔ اور جہاں ایسی صفت بیان کی جائے جو مخلوقات اور حوادث کے لوازم میں سے ہے۔ اس سے وہ الفاظ مراد ہوں گے جو بولے اور سنے جاتے ہیں جیسا کہ ہمارے قول: "قرأت نصف القرآن" میں۔ یا الفاظ مُخَيَّلَه مراد ہوں گے جیسا کہ ہمارے قول: "حفظت القرآن" میں۔ یا اس سے نقش شدہ اشکال مراد ہوں گے، جیسا کہ ہمارے قول: "یحرم للمحدث مس القرآن" میں۔

7 جب کہ احکامِ شرعیہ کی دلیل صرف لفظ ہے، نہ کہ معنیٔ قدیم۔ تو ائمۂ اصول نے

"المکتوب فی المصاحف، المنقول بالتواتر" کے لفظ سے اس کی تعریف کی۔ اور اس کو نظم اور معنیٰ دونوں کا نام قرار دیا، یعنی نظم کا نام دیا معنی پر دلالت کرنے کی حیثیت سے، نہ کہ صرف معنی کا۔ رہا کلامِ قدیم جو اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، تو اشعریؒ کا مذہب یہ ہے کہ اس کو سننا ممکن ہے۔ استاد ابو اسحٰق اسفرائینیؒ نے اس کا انکار کیا ہے۔ یہی مذہب ابو منصور ماتریدیؒ کا بھی ہے۔

پس اللہ تعالیٰ کے ارشاد: "حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ" (التوبہ:۶) (جب تک وہ اللہ تعالیٰ کا کلام سن لے) کے معنی ہیں کہ وہ الفاظ سن لیے جو کلام اللہ پر دلالت کرنے والے ہیں، جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ میں نے فلاں کا علم سُنا۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وہ آواز سنی جو اللہ تعالیٰ کے کلام پر دلالت کرنے والی تھی۔ لیکن چونکہ یہ سننا کتاب اور فرشتہ کے واسطہ کے بغیر تھا۔ اس لیے کلیم کا نام ان ہی کے ساتھ مخصوص ہوا۔

8 پھر اگر اعتراض کیا جائے کہ اگر لفظِ کلام اللہ معنی قدیم یعنی کلامِ نفسی کے معنی میں حقیقت اور نظمِ مؤلف کے معنی میں مجاز ہوتا تو اس سے یعنی نظمِ مؤلف سے کلام اللہ کی نفی صحیح ہوتی۔ بایں طور کہ کہا جاتا کہ یہ نازل شدہ نظم وعبارت جو معجزہ ہے اور آیات اور سورتوں میں بٹی ہوئی ہے، کلام اللہ نہیں ہے۔ حالانکہ اجماع اس کے خلاف پر ہے۔ نیز معجزہ اور متحدّی بہ حقیقی کلام اللہ ہے۔ اس بات کا یقین کرنے کے ساتھ کہ یہ (اعجاز اور تحدّی) اسی نظمِ مؤلف ہی میں متصور ہے، جو سورتوں پر تقسیم ہے کیونکہ صفتِ قدیمہ سے معارضہ کرنے کا کوئی مطلب نہیں۔

جواب ہم جواب دیں گے کہ (لفظِ) کلام اللہ ایسا اسم ہے جو مشترک ہے کلامِ نفسی قدیم کے درمیان، اور (اس صورت میں اللہ تعالیٰ کی طرف کلام کی) اضافت کا معنی کلام کا اللہ کی صفت ہونا ہے، اور اس کلامِ لفظی حادث کے درمیان جو سورتوں اور آیتوں سے مرکب ہے۔ اور (اس صورت میں اللہ تعالیٰ کی طرف کلام کی) اضافت کا معنی یہ ہے کہ یہ کلام اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے۔ مخلوق بندوں کی تالیفات میں سے نہیں ہے۔ لہٰذا نفی ہرگز صحیح نہ ہوگی۔ اعجاز اور تحدّی صرف کلام اللہ میں ہوگی۔

تشریح جواب کا حاصل یہ ہے کہ کلام اللہ نظمِ مؤلف اور کلامِ لفظی کے معنی میں مجاز نہیں ہے، بلکہ لفظِ کلام اللہ معنیٰ قدیم یعنی کلامِ نفسی اور کلامِ لفظی کے درمیان مشترک لفظی ہے اور مشترکِ لفظی کے سارے معانی حقیقت ہوتے ہیں۔ لہٰذا کلامِ نفسی اور کلامِ لفظی دونوں لفظ کلام اللہ کا حقیقی معنیٰ ہوں گے۔ اور دونوں حقیقی کلام اللہ ہوں گے۔ جب کلامِ نفسی کی طرح کلامِ لفظی بھی کلام اللہ کا حقیقی معنی ہے تو کلامِ لفظی سے کلام اللہ کی نفی درست نہ ہوگی۔ کیونکہ لفظ کی نفی اپنے معنیِ حقیقی سے درست نہیں ہوتی۔ اسی طرح سے جب کلامِ لفظی بھی کلام اللہ حقیقی ہے۔ تو متحدّیٰ بہ کلام اللہ حقیقی ہوا، جس پر اجماع ہے۔ البتہ جس صورت میں کلام اللہ سے کلامِ نفسی مراد ہوگا جو اللہ کی صفت ہے یعنی کلامِ نفسی۔ اور جس صورت میں کلامِ لفظی مراد ہوگا تو اللہ تعالیٰ کی طرف کلام کی اضافت اضافة المخلوق الی الخالق کے قبیل سے ہوگی۔

9 بعض مشائخ کی عبارت میں جو یہ آیا ہے کہ نظمِ مؤلف مجازاً کلام اللہ ہے۔ تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ لفظِ کلام اللہ نظمِ مؤلف کے لیے وضع نہیں کیا گیا ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ کلام دراصل اور بالذات نام ہے اس معنی کا جو ذات کے ساتھ قائم ہے۔ لفظ کا نام کلام رکھنا اور کلام کا لفظ کے لیے وضع کیا جانا محض اس معنی پر اس کے دلالت کرنے کے اعتبار سے ہے۔ پس مشائخ کا نظمِ مؤلف کے لیے لفظِ کلام اللہ کے وضع کیے جانے اور اس کا نام کلام رکھے جانے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

10 بعض محققین اس بات کی طرف گئے ہیں کہ معنیٰ ہمارے مشائخ کے اس قول میں کہ ''کلام اللہ ایک قدیم معنی ہے'' لفظ کے مقابلہ میں نہیں ہے کہ اس سے لفظ کا مدلول مراد لیا جائے بلکہ عین کے مقابلہ میں ہے۔ اس سے مراد وہ چیز ہے جو قائم بذاتہ نہ ہو، جیسے باقی صفات ہیں۔ ان کا مطلب یہ ہے کہ قرآن لفظ اور معنی دونوں کا نام ہے، دونوں کو شامل ہے۔ وہ قدیم ہے اس طرح نہیں جس طرح حنابلہ کہتے ہیں کہ یہ نظمِ مؤلف جو مرتب اجزاء والا ہے، قدیم ہے۔ کیونکہ اس کا محال ہونا تو بدیہی ہے۔ اس بات کا یقین کرنے کی وجہ سے کہ بسم اللہ کے ''سین'' کا تلفظ ''ب'' کے تلفظ کے بعد ہی ممکن ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ جو لفظ ذاتِ واجب کے ساتھ قائم ہے، وہ فی نفسہٖ

مرتب اجزاء والا نہیں ہے۔ جیسے وہ لفظ جو حافظ کی ذات کے ساتھ اجزاء کے ترتب
اور ایک دوسرے پر تقدم کے بغیر قائم ہوتا ہے اور ترتیب صرف تلفظ میں ہوتی ہے،
آلۂ تلفظ کے موافقت نہ کرنے کی وجہ سے۔ یہی مطلب ہے: ان کے اس قول کا کہ
''مقروء قدیم ہے اور قراءت حادث ہے''۔ بہرحال وہ لفظ جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے
ساتھ قائم ہے تو اس میں ترتیب نہیں ہے۔ یہاں تک کہ جس نے اللہ تعالیٰ کا کلام سُنا،
اس نے غیر مرتب اجزاء والا کلام سنا۔ اس کے آلۂ تلفظ کی طرف محتاج نہ ہونے کی وجہ
سے۔ یہ ان (محقق صاحبؒ) کے کلام کا حاصل ہے۔

11 اور یہ (صاحبِ مواقف کا حاصلِ کلام) اس شخص کے نزدیک عمدہ ہوگا جو ایسے لفظ کا
تصور کر سکتا ہو جو ذاتِ واجب کے ساتھ قائم ہے دراں حالیکہ وہ مرکب نہیں ہے تلفظ
کیے جانے والے حروف سے، یا ایسے متخیل حروف سے جن میں سے بعض کا وجود بعض
کے معدوم ہونے کے ساتھ مشروط ہے اور نہ ایسے مرتب اشکال ونقوش سے مرکب
ہے جو الفاظ پر دلالت کرتے ہیں۔ ہم تو نہیں سمجھتے ہیں کہ حافظ قرآن کے ذہن کے
ساتھ کلام کے قائم ہونے سے، مگر حروف کی صورتوں کا اس کے خزانۂ خیال میں اس
طرح جمع اور مرتسم ہونا کہ جب اس کی طرف التفات کرے تو وہ متخیل الفاظ یا مرتب
نقوش سے مرکب کلام ہو اور جب تلفظ کرے تو سنا جانے والا کلام ہو۔

تنبیہ اوپر بیان کردہ حدیث کو امام ابن عدیؒ نے اپنی کتاب: ''الکامل فی ضعفاء
الرجال'' میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے:

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحمد بْنِ حَرْبٍ، حَدَّثَنَا ابْنُ حُمَيْدٍ، عَنْ جَرِيرٍ، عَنِ
الأَعْمَش، عَن أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيه وسَلَّم
قَال: الْقُرْآنُ كَلامُ اللهِ، لا خَالِقٌ وَلا مَخْلُوقٌ، وَهو كَلامُ اللهِ، وَمَنْ قَالَ غَيْرَ
ذٰلك فهو كافر۔

(الكامل فى ضعفاء الرجال، ج١ص٢٣٠ ۔ المؤلف: أبو أحمد بن عدى
الجرجانى رحمه الله (المتوفى ٣٦٥هـ) ـ تحقيق: عادل أحمد عبد الموجود، على
محمد معوض ـ شارک فى تحقيقه: عبد الفتاح أبو سنة ـ الناشر: الكتب

العلمية، بيروت، لبنان ـ الطبعة: الأولى، ١٤١٨هـ)

امام ابن عدیؒ فرماتے ہیں: یہ خبر باطل ہے۔

علامہ سخاویؒ فرماتے ہیں:

حدیث: اَلْقُرْآنُ كَلامُ اللهِ غَيْرُ مَخْلُوقٍ، فَمَنْ قَالَ غَيْرَ هٰذَا فَقَدْ كَفَرَ۔

الديلمى من حديث أبى هاشم عبد الله بن أبى سفيان الشعرانى عن
الربيع بن سليمان قال: ناظر الشافعي حفصا الفرد أحد غلمان بشر
المريسى فقال فى بعض كلامه: القرآن مخلوق، فقال الشافعي: كفرت
بالله العظيم۔ حدثنا عبد الرزاق عن معمر عن الزهرى عن أنس
رفعه: القرآن كلام الله غير مخلوق، ومن قال مخلوق فاقتلوه، فإنه
كافر۔ قال الشافعي: وحدثنا ابن عيينة عن الزهرى وسعيد بن
المسيب عن رافع بن خديج وحذيفة بن اليمان وعمران بن حصين
قالوا: سمعنا رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قرأ آية ثم قال: فمن قال
غير ذلك فقد كفر۔ انتهى۔ والمناظرة دون الحديث صحيحة، وتكفير
الشافعي لحفص ثابت، أورده البيهقى فى مناقب الشافعي ومعرفة
السنن وغيرهما من تأليفه، ولكن الحديث من الوجهين، بل ومن جميع
طرقه باطل، والسندان مختلقان على الشافعي قال البيهقى فى الأسماء
والصفات: ونقل إلينا عن أبى الدرداء مرفوعا: القرآن كلام الله غير
مخلوق۔ وروى ذلك أيضا عن معاذ وابن مسعود وجابر مرفوعا، ولا
يصح شيء من ذلك، أسانيده مظلمة لا ينبغى أن يحتج بشيء منها، ولا
أن يستشهد بها، وسرد من الأدلة المرفوعة لمعنى كون القرآن كلام
الله غير مخلوق ما فيه الكفاية، وكذا ساق عن الصحابة والتابعين
وأئمة المسلمين ما فيه مقنع، قال: وعلى هذا مضى صدر الأمة، لم
يختلفوا فى ذلك، ثم نقل عن جعفر بن محمد الصادق فيمن قال إنه
مخلوق: إنه يقتل ولا يستتاب، وكذا عن ابن المدينى ومالك: إنه

کافر، زاد مالك: فاقتلوه، وعن ابن مهدى وغيره أنه يستتاب، فإن تاب وإلا ضربت عنقه، وقال البخارى فى خلق أفعال العباد: تواترت الأخبار عن رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أن القرآن كلام الله، وأن أمر الله قبل مخلوقاته قال:ولم يذكر عن أحد من المهاجرين والأنصار والتابعين لهم بإحسان خلاف ذلك، وهم الذين أدوا إلينا الكتاب والسنة قرنا بعد قرن، ولم يكن بين أحد من أهل العلم فيه خلاف إلى زمن مالك والثورى وحماد وفقهاء الأمصار، ومضى على ذلك من أدركناه من علماء الحرمين والعراقين والشام ومصر وخراسان، إلى آخر الكلام۔ وأطال أبو الشيخ وغيره فى كتب السنة وغيرها بذكر الآثار فى ذلك، ولكن الاختلاف فى تكفير المتأولين المخطئين من أهل الأهواء شهير، ولبسط ذلك فى تمامه فى غير هذا المحل۔ وروينا فى جزء الفيل عن أبى بكر يحيى بن أبى طالب قال: من زعم أن القرآن مخلوق فهو كافر، ومن زعم أن الإيمان مخلوق فهو مبتدع، والقرآن بكل جهة غير مخلوق، وفى غيره من عمرو بن دينار قال: أدركت الناس منذ سبعين سنة يقولون:كل شىء دون الله مخلوق ما خلا كلامه،فإنه منه وإليه يعود۔

(المقاصد الحسنة فى بيان كثير من الأحاديث المشتهرة على الألسنة، ص۴۸۶،۴۸۷،رقم ۷۶۲۔المؤلف:شمس الدين أبو الخير محمد بن عبد الرحمن بن محمد السخاوى (المتوفى۹۰۲ھ)۔المحقق: محمد عثمان الخشت۔الناشر:دار الكتاب العربى،بيروت۔الطبعة:الأولى،۱۴۰۵ھ)

17 حضرت شیخ مُحَمَّد بن عَلِیّ بن عراق الْکِنَانِی الشَّافِعِی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۹۳۳ھ) کے عقائد

وَله نفع الله بِهٖ عقيدة مختصرة۔ وَهِى هٰذِهٖ:

بِسم الله الرَّحْمٰن الرَّحِيم

أَلْحَمْدُ لله۔ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَام على رَسُول الله۔

1 أَللّٰهُمَّ إِنَّا نُوَحِّدُكَ وَلَا نَحُدُّكَ، ونؤمن بك وَلَا نُكَيِّفُكَ، جَلَّ رَبُّنَا وَعَلَا، تَبَارَكَ وَتَعَالىٰ۔

2 حَيَاته لَيْسَ لَهَا بداية۔ فالبداية بِالْعَدمِ مسبوقة۔ قدرته لَيْسَ لَهَا نِهَايَة۔ فالنهاية بالتحقيق ملحوقة۔ إِرَادَته لَيْسَ بحادثة۔ فالحادثة بالاضداد مطروقة۔

3 سَمعه لَيْسَ بجارحة۔ فالجارحة مخروقة۔ بَصَره لَيْسَ بحدقة۔ فالحدقة مشقوقة۔

4 علمه لَيْسَ بكسبى۔ فالكسبى بِالتَّأَمُّلِ وَالِاسْتِدْلَال بِعلم وَلَا بضرورى۔ فالضرورى على الْإِرَادَة والالتزام تلْزم۔

5 كَلَامه لَيْسَ بِصَوْت۔ فالأصوات تُوجد وتعدم۔ وَلَا بِحرف، فالحروف تُؤَخَّرُ وَتقدم۔

6 ذَاته لَيْسَ بجوهر۔ فالجوهر بالتحيز مَعْرُوف۔ وَلَا بِعَرَض، فالعرض باستحالة الْبَقَاء مَوْصُوف۔ وَلَا بجسم، فالجسم بالجهات محفوف۔

7 هُوَ الله الَّذِى لَآ إِلٰه إِلَّا هُوَ الْملك القدوس۔ على الْعَرْش اسْتَوٰى من غير تمكن وَلَا جُلُوس۔ لَا الْعَرْش لَهٗ من قبل الْقَرار۔ وَلَا الاسْتوَاء من جِهَة الِاسْتِقْرَار۔ الْعَرْش لَهٗ حد وَمِقْدَار۔ الرب لَا

تُدْرِكهُ الْأَبْصَار۔

8 الْعَرْش تكيفه خواطر الْعُقُول وتصفيه بِالْعَرْضِ والطول وَهُوَ مَعَ ذٰلِك مَحْمُول۔

9 وَالْقَدِيم لَا يحول وَلَا يَزُول۔ اَلْعَرْشُ بِنَفسِهٖ هُوَ الْمَكَان۔ وَله جَوَانِب وأركان۔ وَكَانَ الله وَلَا مَكَان، وَهُوَ الآن على مَا عَلَيْهِ كَانَ۔

10 جلّ عَن التَّشْبِيه وَالتَّقْدِير، والتكييف والتغيير، والتأليف والتصوير۔ "لَيْسَ كمثله شَيْءوَهُوَ السَّمِيع الْبَصِير"۔

11 وَالصَّلَاة وَالسَّلَام على سيدنَا مُحَمَّد البشير النذير۔

12 ونستغفر الله من كل تَقْصِير۔ غفرانك رَبنَا وَإِلَيْك الْمصير۔

انْتَهَت العقيدة وَشَرحهَا شيخ الْإِسْلَام ابْن حجر الهيتمي۔

(النور السافر عن أخبار القرن العاشر، ص ١٧٤، ١٧٥۔المؤلف: محى الدين عبد القادر بن شيخ بن عبد الله العَيْدَرُوس (المتوفى ١٠٣٨ھ)۔ الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت۔الطبعة: الأولى، ١٤٠٥ھ)

ترجمہ شیخ مُحَمَّد بن عَلِیّ بن عراق الْكِنَانِي الشَّافِعِي رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ٩٣٣ھ) کا مختصر عقیدہ (اللہ جل مجدہٗ ان کے اس عقیدہ کو نفع بخش بنائے)۔

أَلْحَمْدُ لله۔ وَالصَّلَاة وَالسَّلَام على رَسُول الله۔ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔ درود اور سلام اللہ تعالیٰ کے رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر ہو۔

1 اے اللہ! ہم تیری توحید کے گن گاتے ہیں اور تجھے پابندِ حدود و قیود نہیں سمجھتے۔ تجھ پر ایمان لاتے ہیں اور تجھے کسی کیفیت میں محدود نہیں مانتے۔ ہمارا پروردگار بڑی جلالتوں اور علوِ مرتبت کا حامل، بابرکت اور بلند ہے۔

2 اس کی حیات کی کوئی ابتداء نہیں ہے، کیونکہ ابتداء سے بھی پہلے عدم ہے۔ اس کی قدرت کی کوئی انتہاء نہیں کیونکہ یہ امر تحقیق شدہ ہے کہ انتہاء کے مابعد بھی ہے۔ اس کا ارادہ حادث (یعنی مخلوق) نہیں ہے۔ کیونکہ حادث اپنے اضداد کا متعاقب بھی ہے۔

3 اس کی شنوائی کسی عضو کی محتاج نہیں کیونکہ اعضاء ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتے ہیں۔

اُس کی بینائی سیاہی چشم پر منحصر نہیں کیونکہ آنکھیں بھی تو آخر پھوٹ سکتی ہیں۔

4 اللہ تعالیٰ کا علم اکتساب کا نتیجہ نہیں کیونکہ اکتسابی علم غور و فکر اور استدلال کا خواستگار ہے اور لازمی و ضروری نہیں۔ یوں ضرورت ارادے پر غالب آ جاتی ہے۔ اور لازم کر لینا واجب ہو جاتا ہے۔

5 اللہ تعالیٰ کا کلام آواز کا محتاج نہیں۔ کیونکہ آوازیں موجود بھی ہوتی ہیں، معدوم بھی (آواز کبھی آتی ہے، کبھی نہیں آتی)۔ اور نہ ہی اس کے کلام کو حرفوں کی احتیاج ہے کیونکہ حروف کبھی بعد میں آتے ہیں کبھی پہلے۔

6 اس کی ذات جوہر نہیں کیونکہ جوہر کے لیے یہ جانا پہچانا امر ہے کہ وہ کسی ایک جگہ منحصر ہوتا ہے۔ اور نہ ہی اس کی ذات (والا صفات) عرض ہے کیونکہ عرض میں اپنے باقی رہنے کے لیے ایک حالت سے دوسری حالت میں بدلنے کی صفت موجود ہے۔ اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کی ذات کوئی جسم رکھتی ہے کیونکہ جسم مختلف جہتوں میں گھرا ہوا ہوتا ہے۔

7 اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے کہ اس کے سوا کوئی لائق بندگی نہیں۔ وہ شہنشاہ ہے، (جملہ معائب سے) پاکیزہ ترین ہے۔ وہ عرش پر یوں براجمان ہے کہ نہ مکانیت پذیر اور نہ ہی نشستہ (بیٹھا ہوا) ہے۔ عرش اس کے سامنے کی مرتفع قرارگاہ نہیں۔ اور نہ ہی اس کا براجمان ہونا قرارگیری کی حیثیت سے ہے۔ عرش تو ایک محدود اور نپی تلی شے ہے۔ اور پروردگار (وہ ذات برتر و بالاتر ہے کہ) آنکھیں اُسے پا نہیں سکتیں۔

8 عرش وہ ہے جس کی کیفیت عقلوں میں گزرنے والے خیالات میں آتی ہے۔ اور یہ خیالات اس کو اس کی چوڑائی اور لمبائی میں بیان کرتے ہیں۔ درآں حالیکہ اس کے باوجود (حاملانِ عرش نے) اُسے اٹھا رکھا ہے۔

9 اور جہاں تک قدیم (ذاتِ باری تعالیٰ) کا تعلق ہے اس میں نہ تبدیلی آتی ہے۔ نہ وہ زوال پذیر ہے۔ عرش اپنی حیثیت میں ایک جگہ ہے۔ اس کی اطراف بھی ہیں، مضبوط کنارے بھی۔ اللہ تعالیٰ اس وقت بھی تھا جب کوئی جگہ نہ تھی۔ اور وہ اب بھی اسی طرح ہے جیسا کہ وہ پہلے تھا۔

10 اللہ تعالیٰ ہر تشبیہ و اندازہ سے برتر ہے۔ نہ اس کی کیفیت بیان کی جا سکتی ہے، اور نہ ہی

اس میں کوئی تبدیلی آتی ہے، نہ وہ مختلف اجزاء کا مرکب ہے اور نہ ہی کسی شکل میں صورت پذیر۔

لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ (الشوریٰ:۱۱)

ترجمہ اس جیسی کوئی چیز نہیں۔ پھر بھی وہ ہر لحظہ سنتا اور بالتسلسل نگاہ دار ہے۔

11 پھر صلوٰۃ وسلام ہمارے آقا حضرت محمد ﷺ پر، جو فرماں برداروں کو مژدہ ہائے جانفزا سے نوازتے اور نافرمانوں کو ان کی بدانجامیوں سے متنبہ کرتے ہیں۔

12 ہم ہر کمی کوتاہی پر اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرتے ہیں۔ ہمارے پروردگار! تیری بخشش چاہتے ہیں۔ اور تیری ہی طرف لوٹ کے جانا ہے۔ عقیدہ اختتام کو پہنچا۔ اس کی شرح شیخ الاسلام ابن حجر ہیتمیؒ نے کی ہے۔

18 الشیخ الامام العارف امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندیؒ (المتوفی ۱۰۳۴ھ) کے عقائد

آج سے تقریباً چار سو سال پہلے شہنشاہ اکبر کے دور میں ایک فتنہ دین الٰہی کی شکل میں ظاہر ہوا۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اس فتنہ کا مقابلہ جس پامردی، حوصلہ، عزم، ہمت، تدبیر وسیاست اور اپنی بے نظیر علمی تبحر اور غیبی نصرتِ الٰہی سے کیا، وہ بھی واقعاتِ عالم کا نادرہ ہے۔ جس کے لیے دفتر چاہیے۔ اور آپ کے ۵۳۶ مکتوبات میں اس کی پوری تاریخ وپس منظر نہایت معتمد طور پر شائع شدہ ہے۔

یہی آپ کا نہایت جلیل القدر تجدیدی کارنامہ بھی ہے، جس کی وجہ سے آپ کا لقب مبارک مجدد الف ثانی قرار پایا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مکاتیب مبارکہ میں کہیں بھی تشبیہ وتجسیم یا مذہب اثبات کا شائبہ بھی نہیں ہے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مکتوبات میں تین مکتوب عقائد اسلامیہ کی تحقیق میں قلم معارف رقم سے صادر ہوئے ہیں۔

نوٹ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مکتوبات میں تین مکتوب (مکتوب نمبر ۲۶۶ دفتر اول، مکتوب نمبر ۶۷ دفتر دوم اور مکتوب نمبر ۱۷ دفتر سوم فارسی طبع رؤف اکیڈمی لاہور) عقائد اسلامیہ کی تحقیق میں قلم معارف رقم سے صادر ہوئے ہیں۔

1 مکتوب نمبر ۶۷ دفتر دوم میں بیان کردہ عقائد

اہل السنت والجماعت کے معتقدات مختصر طور پر بیان کیے جاتے ہیں۔ ان کے مطابق اپنے عقائد کو درست کرلینا چاہیے اور حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ سے نہایت عاجزی وانکساری کے ساتھ اس دولت (عقائد) واستقامت کا سوال کرنا چاہیے۔

عقیدہ1 جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذاتِ قدیم کے ساتھ موجود ہے۔ اور تمام اشیاء اس سبحانہ کی ایجاد سے موجود ہوئی ہیں۔ اور وہ بلند وبرتر ہستی ان کو پیدا کرکے عدم سے وجود

میں لائی ہے۔ لہٰذا حق تعالیٰ قدیم اور ازلی ہے۔ تمام اشیاء حادث اور نو پدید (بعد کی پیدا کی ہوئی) ہیں اور (حق تعالیٰ) جو قدیم و ازلی ہے اور وہ باقی اور ابدی ہے۔ اور جو چیزیں حادث اور نو آمدہ (نئی پیدا شدہ) ہیں۔ وہ فانی اور ہلاک ہونے والی ہیں، یعنی معرضِ زوال (زوال کے میدان) میں ہیں۔

عقیدہ 2 حق سبحانہ ایک ہے، یگانہ، اور منفرد ہے۔ وجوبِ وجود میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ اور عبادت کا استحقاق بھی کسی کو نہیں ہے۔ وجوب وجود اس ذات باری تعالیٰ کے علاوہ کسی کے لیے شایاں نہیں اور نہ اس اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق ہے۔ اور خاص اسی ذات باری تعالیٰ کے لیے صفاتِ کاملہ ہیں۔

عقیدہ 3 مِن جملہ ان میں (حق تعالیٰ کی صفات) یہ ہیں: حیات، علم، قدرت، ارادہ، سمع، بصر، کلام اور تکوین ہیں جو کہ قِدَم اور ازلیت (قدیم اور ازلی) صفات سے متصف ہیں۔ اور حضرت ذات جل سلطانہ کے ساتھ قائم ہیں۔ حوادث کے تعلقات صفات کے قدیم ہونے میں خلل انداز نہیں ہوتے اور متعلق کا حدوث ان صفات کی ازلیت کا مانع نہیں ہوتا۔ فلاسفہ اپنی بے وقوفی کی وجہ سے اور معتزلہ اپنے اندھے پن کے باعث حدوثِ متعلَّق سے حدوث متعلِّق کو وابستہ کرتے ہیں۔ اور صفاتِ کاملہ کی نفی کرتے ہیں۔ اور حق تعالیٰ کو جزئیات کا عالم نہیں جانتے کہ جس سے تغیر لازم آتا ہے، جو حدوث کی علامت ہے۔ (فلاسفہ اور معتزلہ) یہ بھی نہیں جانتے کہ صفات ازلی ہوتے ہیں۔ اور صفات کے وہ تعلقات جو اپنے حادثہ متعلقات کے ساتھ ہیں، وہ بھی حادث ہوتے ہیں۔

عقیدہ 4 نقائص کی باتیں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی جنابِ قدس سے منفی ہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ جواہر، اجسام اور اعراض کی صفات ولوازم سے پاک اور منزہ ہے۔ نیز زمان ومکان اور جہت کی بھی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی شان میں گنجائش نہیں ہے کیونکہ یہ سب چیزیں اسی کی مخلوق ہیں۔ وہ شخص بہت بے خبر ہے جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو فوق العرش جانتا ہے اور فوق کی جہت کا اثبات کرتا ہے، کیونکہ عرش اور اس کے علاوہ بھی تمام چیزیں حادث ہیں اور اس کی مخلوق ہیں۔ مخلوق اور حادث کی کیا مجال ہے کہ وہ خالقِ قدیم کا مکان بن جائے اور اس کی قرارگاہ ہو

جائے۔ بس اتنا ضرور ہے کہ عرش اس اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی سب سے اشرف مخلوقات میں سے ہے۔ اور اس میں نورانیت وصفائی تمام ممکنات سے زیادہ ہے اور لازمی طور پر وہ آئینہ کا حکم رکھتا ہے جس سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عظمت وکبریائی کا ظہور ہوتا ہے۔ اس ظہور کے تعلق کی وجہ سے اس کو ''عرش اللہ'' کہتے ہیں۔ ورنہ عرش وغیرہ تمام اشیاء اس اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے نزدیک ایک جیسی حیثیت رکھتی ہیں اور سب اس کی مخلوق ہیں۔

عقیدہ 5 اللہ سبحانہ وتعالیٰ نہ جسم ہے، نہ جسمانی، نہ جوہر ہے، نہ عرض، نہ محدود ہے نہ متناہی، نہ طویل ہے نہ عریض، نہ دراز ہے نہ کوتاہ، نہ فراخ ہے نہ تنگ، بلکہ واسع ہے لیکن ایسی وسعت نہیں جو ہماری سمجھ میں آسکے۔ محیط ہے لیکن ایسا احاطہ نہیں جو ہمارے ادراک میں آسکے۔ وہ قریب ہے لیکن ایسا قرب نہیں جو ہماری عقل میں آجائے۔ وہ ہمارے ساتھ ہے لیکن ایسی معیت نہیں جو عام طور پر متعارف ہے۔ پس ہم ایمان لاتے ہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ واسع ہے، محیط ہے، ہمارے قریب ہے اور ہمارے ساتھ ہے لیکن ان صفات کی کیفیت کو ہم نہیں جانتے کہ وہ کیسی ہے۔ ہم جو کچھ جانتے ہیں یہی جانتے ہیں۔ (اگر) اس کی ذات کے جاننے کے بارے میں کچھ بیان کریں تو مجسمہ (یعنی جسم کا قائل ہونے والے) کے مذہب میں قدم رکھنا ہے۔

عقیدہ 6 اللہ سبحانہ وتعالیٰ کسی چیز کے ساتھ متحد نہیں ہے اور نہ کوئی چیز اس کے ساتھ متحد ہے، اور نہ ہی کوئی چیز اللہ سبحانہ وتعالیٰ میں حلول کر سکتی ہے، اور نہ وہ کسی چیز میں حلول کرتا ہے۔ تَبَعُّض (حصہ حصہ ہونا)، تَجَزِّی (جزء جزء ہونا) اس کی جناب قدس میں محال ہے اور ترکیب وتحلیل (جڑنا اور پارہ پارہ ہونا) بھی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی بارگاہ میں ممنوع ہے۔
اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا مثل اور ہم جنس بھی کوئی نہیں ہے، اور نہ ہی اس کے بیوی، بچے ہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ذات وصفات بے مثل اور بے کیف ہے، بے شِبہ اور بے نمونہ ہے۔ ہم صرف اتنا جانتے ہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہیں اور ان صفاتِ کاملہ کے ساتھ متصف ہیں جن کے ساتھ اس نے خود اپنی ذات کی تعریف فرمائی ہے۔ لیکن جو کچھ اس سے ہماری فہم و ادراک میں آتا ہے اور جو کچھ ہماری عقل متصور کرتی ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس سے منزہ اور بلند ہے جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے:

لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ ۖ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ۔
(الانعام: ۱۰۳)

ترجمہ نگاہیں اس کو نہیں پا سکتیں، اور وہ تمام نگاہوں کو پالیتا ہے۔ اس کی ذات اتنی ہی لطیف ہے، اور وہ اتنا ہی باخبر ہے۔

~ دور بینانِ بارگاہِ اَلست — پیش ازیں پے نبردہ اند کہ ہست

منظوم ترجمہ بارگاہِ اَلست جو پہنچے — کہہ سکے یہ کہ ہاں وہاں وہ ہے

یہ بھی جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء توقیفی ہیں یعنی صاحبِ شرع سے سننے پر موقوف ہیں۔ ہر وہ اسم جس کا اطلاق شرع شریف میں حضرت حق سبحانہ پر ہوا ہے اس کا اطلاق کرنا چاہیے اور جس اسم کا نہیں ہوا اس کا اطلاق نہیں کرنا چاہیے۔ اگرچہ اس اسم میں اتنے ہی کمال درجے کے معانی پائے جاتے ہوں مثلاً اللہ تعالیٰ پر ''جواد'' کا اطلاق کیا جاسکتا ہے کیونکہ یہ اسم آیا ہے مگر (حق تعالیٰ کو) سخی نہیں کہنا چاہیے کیونکہ (حق تعالیٰ کی) یہ صفت شرع میں نہیں آئی۔

عقیدہ 7 قرآن مجید، خداوند جل سلطانہ کا کلام ہے جس کو حرف وآواز کے لباس میں ہمارے پیغمبر علیہ السلام پر نازل فرمایا گیا ہے اور اس کے ذریعے بندوں کو اَمر ونہی کا حکم کیا گیا ہے۔ جس طرح ہم اپنے کلام نفسی کو تالو اور زبان کے ذریعے حرف وآواز کے لباس میں لاکر ظاہر کرتے ہیں۔ اور اپنے پوشیدہ مقاصد ومطالب کا اظہار کرتے ہیں۔ اسی طرح اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے کلام نفسی کو تالو اور زبان کے واسطہ کے بغیر محض اپنی قدرت کاملہ سے حرف وآواز کا لباس عطا فرما کر اپنے بندوں کے لیے بھیجا ہے اور اپنے پوشیدہ اوامر ونواہی کو حرف وآواز کے ضمن میں لاکر ظاہر فرمادیا ہے۔ پس کلام کی دونوں قسمیں یعنی نفسی اور لفظی حق جل وعلا کا کلام ہے اور ان دونوں قسموں پر کلام کا اطلاق کرنا حقیقت کے طور پر ہے جس طرح کہ ہمارے کلام کی دونوں قسمیں نفسی ولفظی حقیقت کے طور پر ہمارا کلام ہیں نہ یہ کہ اس میں اول حقیقت ہے اور قسم ثانی مجاز۔ کیونکہ مجاز کی نفی جائز ہے اور کلامِ لفظی کی نفی کرنا اور اس کو کلام خدا نہ کہنا کفر ہے۔ اسی طرح دوسری کتابیں اور صحیفے جو پہلے انبیاء علیہم السلام پر نازل فرمائی گئی

ہیں۔ سب حق سبحانہ کا کلام ہیں اور جو کچھ قرآن مجید اور ان کتابوں اور صحیفوں میں درج ہے وہ سب اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا کلام ہے۔ اور جو کچھ کلامِ مجید اور ان کتابوں وصحیفوں میں درج ہے، وہ سب اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے کلام ہیں جن کا ہر زمانے کے موافق بندوں کو مکلف فرمایا ہے۔

عقیدہ 8 مؤمنوں کا اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو بہشت میں بے جہت، بے مقابلہ، بے کیف اور بے احاطہ دیکھنا حق ہے۔ اس رؤیتِ اخروی اور دیدار پر ہمارا ایمان ہے۔ لیکن اس کی کیفیت میں مشغول نہیں ہوتے کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی رؤیت بے چون وبے مثل ہے۔ اربابِ چون پر اس دنیا میں اس کی حقیقت ظاہر نہیں ہوسکتی۔ سوائے ایمان لانے کے ان کا کوئی نصیب (حصہ) نہیں۔

فلاسفہ، معتزلہ اور باقی تمام دوسرے باطل فرقوں پر افسوس ہے جو اپنی محرومی اور اندھے پن کی وجہ سے رؤیتِ اخروی کا انکار کرتے ہیں اور غائب کا قیاس حاضر پر کرتے ہیں۔ اور اس پر بھی ایمان کی دولت سے مشرف نہیں ہوتے۔

(مکتوباتِ امامِ ربانی مجدد الف ثانی فارسی دفتر دوم مکتوب نمبر ۶۷ طبع رؤف اکیڈمی، لاہور)

2 مکتوب نمبر ۲۶۶ دفتر اول میں بیان کردہ عقائد

عقل مندوں پر سب سے اول فرض یہ ہے کہ علمائے اہل السنت والجماعت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم جو فرقہ ناجیہ ہیں۔ ان کی صحیح رائے کے مطابق اپنے عقائد کو درست کریں۔ چنانچہ بعض مسائل میں قدرے پوشیدگی ہے، ان کا اظہار کیا جاتا ہے۔

عقیدہ 1 جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذاتِ مقدس کے ساتھ خود موجود ہے۔ تمام اشیاء اللہ تعالیٰ کی ایجاد سے موجود ہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنی ذات وصفات اور افعال میں یگانہ ہے۔ حقیقت میں کسی امر میں بھی خواہ وجودی ہو یا غیر وجودی، کوئی بھی اس کے ساتھ شریک نہیں ہے۔

عقیدہ 2 اللہ تعالیٰ کسی چیز میں حلول نہیں کرتا اور نہ ہی کوئی چیز اس میں حلول کرسکتی ہے لیکن

اللہ سبحانہ وتعالیٰ محیط اشیاء (یعنی تمام اشیاء کو اپنے احاطہ میں لیے ہوئے) ہے۔ اور ان کے ساتھ قرب ومعیت رکھتا ہے۔ وہ احاطۂ قرب ومعیت ایسا نہیں ہے جو ہماری فہم قاصر میں آسکے کیونکہ یہ بات اس اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی جنابِ قدس کے شایانِ شان نہیں ہے۔ اور (صوفیہ) جو کچھ کشف وشہود سے معلوم کرتے ہیں، اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس سے بھی منزہ ہے کیونکہ ممکن (بشر وغیرہ) کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ذات وصفات اور افعال کی حقیقت سے سوائے جہل ونادانی اور حیرت کے کچھ نصیب نہیں ہے۔ غیب پر ایمان لانا چاہیے اور جو کچھ مکشوف ومشہود ہو اس کو "لا" کی نفی کے تحت لانا چاہیے۔

عنقا شکار کس نشود دام باز چیں　　کایں جا ہمیشہ باد بدست است دام را

منظوم ترجمہ　اٹھالے جال، شکارِ عنقا محال　　بس یہاں جال کا یہی ہے مآل

حضرت خواجہ باقی باللہؒ کی مثنوی کا ایک بیت اس مقام کے مناسب ہے۔

ہنوز ایوان استغناء بلند است　　مرا فکر رسیدن ناپسند است

منظوم ترجمہ　قصرِ استغناء تو اونچا ہے ہنوز　　سخت مشکل واں پہنچنا ہے ہنوز

پس ہم ایمان لاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ''محیط اشیاء'' (یعنی تمام اشیاء کو محیط) ہے اور ان سے قریب ہے اور ان کے ساتھ ہے لیکن اس احاطہ اور قرب ومعیت کے معنی وحقیقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیا ہیں۔ وہ ہم نہیں جانتے۔ اس کو احاطہ اور قربِ علمی کہنا بھی تاویلات کے متشابہ سے ہے اور ہم اس تاویل کے قائل نہیں ہیں۔

عقیدہ3 اللہ سبحانہ وتعالیٰ کسی چیز کے ساتھ متحد نہیں ہے اور اسی طرح کوئی چیز بھی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ متحد نہیں ہوسکتی۔

عقیدہ4 تغیر وتبدل کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ذات وصفات اور افعال میں کوئی راہ نہیں ہے۔

فَسُبْحَانَ مَنْ لَّا یَتَغَیَّرُ بِذَاتِهٖ وَلَا بِصِفَاتِهٖ وَلَا فِیْ أَفْعَالِهٖ بِحُدُوْثِ الْأَکْوَانِ

ترجمہ　پس پاک ہے وہ ذات جو اپنی ذات وصفات اور افعال میں کائنات (موجودات) کے حدوث (حوادث) سے متغیر نہیں ہوتی۔

عقیدہ5 اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنی ذات وصفات اور افعال میں غنیٔ مطلق ہے اور کسی امر (کام) میں بھی کسی چیز کا محتاج نہیں ہے۔ اور جس طرح وجود میں محتاج نہیں ہے اسی طرح ظہور میں

بھی محتاج نہیں ہے۔

عقیدہ6 اللہ سبحانہ وتعالیٰ نقص کی تمام صفتوں (اقسام) اور حدوث کے تمام نشانات سے منزہ اور مبرا ہے۔ جس طرح وہ جسمانی نہیں ہے، مکانی وزمانی بھی نہیں ہے بلکہ تمام صفاتِ کمال اسی کے لیے ثابت ہیں، جن میں سے آٹھ (۸) صفاتِ کمال وجودِ ذات اللہ سبحانہ وتعالیٰ پر وجودِ زائد کے ساتھ موجود ہیں۔ اور وہ آٹھ (۸) صفات: حیات، علم، قدرت، ارادہ، سمع، بصر، کلام اور تکوین (پیدا کرنا) ہیں۔ اور یہ صفات خارج میں موجود ہیں۔ اور ایسا نہیں ہے کہ وجودِ ذات پر وجودِ زائد کے ساتھ علم میں موجود ہیں اور خارج میں نفسِ ذات تعالیٰ وتقدس ہیں۔

عقیدہ7 اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ذات قدیم اور ازلی ہے۔ اس کے سوا کسی کے لیے ''قِدم وازل'' ثابت نہیں ہے۔ تمام ملتوں کا اس پر اجماع ہے۔ جو شخص بھی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے سوا کسی غیر کے قِدم اور ازلیت کا قائل ہوا، اس کی تکفیر کی ہے۔

عقیدہ8 اللہ سبحانہ وتعالیٰ قادر، مختار ہے، ایجاب کی آمیزش اور اضطرار کے گمان سے منزّہ اور مبرا ہے۔

عقیدہ9 اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو مؤمنین آخرت میں بے جہت، بے کیف اور بے شِبہ و بے مثال جنت میں دیکھیں گے۔ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے کہ جس میں اہل السنت والجماعت کے علاوہ تمام اہل ملت اور غیر اہل ملت سب اس کے منکر ہیں اور بے جہت و بے کیف رؤیت کو جائز نہیں سمجھتے۔

یَرَاهُ الْمُؤْمِنُوْنَ بِغَیْرِ کَیْفٍ　　وَإِدْرَاكٍ وَّضَرْبٍ مِّنْ مِّثَالٍ

منظوم ترجمہ　جنتی کو دیدِ حق کی ہوگی سیر　　کیف وادراک اور مثالوں کے بغیر

(مکتوباتِ امامِ ربانی مجدد الف ثانی فارسی دفتر اول مکتوب نمبر ۲۶۶، طبع رؤف اکیڈمی، لاہور)

3 مکتوب نمبر ۱۷ دفتر سوم میں بیان کردہ عقائد

عقیدہ1 اللہ تعالیٰ بذاتِ اقدس خود موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ہستی اپنی خودی سے موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہے۔ اب بھی ویسا ہی ہے اور ہمیشہ ایسا ہی رہے گا۔ عدمِ سابق اور عدمِ لاحق کو اللہ تعالیٰ کی جناب اقدس میں کوئی راہ نہیں ہے کیونکہ وجوبِ وجود اس مقدس درگاہ کا کمینہ خادم ہے اور سلبِ عدم اس بارگاہِ محترم کا کمینہ خاکروب ہے۔

اللہ تعالیٰ ایک ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں، نہ اس کے وجوبِ وجود میں، نہ اس کی الوہیت میں، نہ استحقاقِ عبادت میں۔ کیونکہ شریک تو اس وقت درکار ہوتا ہے جب وہ اللہ تعالیٰ کافی نہ ہو اور مستقل نہ ہو۔ یہ نقص کی علامت ہے جو وجوب والوہیت کے منافی ہے اور جب کہ وہ کافی اور مستقل ہے تو اس کا شریک بیکار وعبث ہوگا کیونکہ وہ بھی نقص کی علامت ہے۔ جو الوہیت ووجوب کے منافی ہے۔ لہٰذا شریک کا اثبات دو شریکوں میں سے سے ایک شریک کے نقص کو مستلزم ہے جو شرکت کے منافی ہے۔ لہٰذا شرکت کا اثبات شرکت کی نفی کے لیے لازم ہوا اور یہ محال ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کا شریک محال ہوا۔

عقیدہ2 اللہ تعالیٰ کی صفات کاملہ ہیں جیسے: حیات، علم، قدرت، ارادہ، سمع، بصر، کلام اور تکوین (پیدا کرنا)۔ ان صفاتِ ثمانیہ (آٹھ صفتوں) کو "صفاتِ حقیقیہ" کہتے ہیں جو کہ قدیم ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر وجود زائد کے ساتھ خارج میں موجود ہیں جیسا کہ علمائے اہل حق کے نزدیک ثابت اور طے شدہ امر ہے۔

عقیدہ3 اللہ تعالیٰ کلیات وجزئیات کا عالم ہے اور اسرار وپوشیدہ چیزوں کا جاننے والا ہے۔ آسمانوں اور زمینوں میں ایک حقیر ترین ذرہ کی مانند بھی کوئی چیز اللہ تعالیٰ کے علم سے باہر نہیں ہے۔ ہاں چونکہ اللہ تعالیٰ تمام اشیاء کا خالق ہے۔ لہٰذا وہ تمام چیزوں کا جاننے والا بھی ہوا کیونکہ پیدا کرنے والے کو پیدا کی ہوئی چیزوں کا علم ہونا ضروری ہے۔

عقیدہ4 اللہ تعالیٰ ازل سے ابد تک ایک کلام کے ساتھ متکلم ہے۔ اگر امر ہے تو اسی ایک کلام سے ہے اور اگر نہی ہے تو وہ بھی اسی ایک کلام سے۔ اسی طرح تمام اخبار واستخبار (خبر

دینا اور خبر طلب کرنا) اسی کلام سے پیدا ہوئے ہیں۔ اگر توریت وانجیل ہے تو وہ بھی اسی کلام پر دلیل ہے۔ اور اگر زبور وفرقان (قرآن) ہے تو وہ بھی اسی کلام کا نشان ہے۔ اسی طرح باقی تمام صحیفے اور کتابیں جو انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوئی ہیں۔ اسی ایک کلام کی تفصیل ہیں۔ جب ازل وابد اس وسعت اور درازی کے باوجود وہاں (اللہ تعالیٰ کے نزدیک) آنِ واحد ہے، بلکہ وہاں اس کی بھی گنجائش نہیں ہے کیونکہ اس کا اطلاق بھی اس مقام میں تنگیٔ عبارت کی وجہ سے ہے۔ لہٰذا وہ کلام جو اس آن میں صادر ہوگا ایک کلمہ بلکہ ایک حرف بلکہ ایک نقطہ ہوگا اور اس نقطہ کا اطلاق بھی اس جگہ آنِ (واحد) کے اطلاق کے مانند ہے جو تنگیٔ عبارت کی وجہ سے واقع ہے ورنہ نقطہ بھی اس کی گنجائش نہیں رکھتا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کی وسعت عالمِ بے چونی وبے چگونی سے ہے اور اس وسعت وتنگی سے جو امکان کی صفات ہیں وہ اس سے پاک ومنزہ ہے۔

عقیدہ5 مؤمنوں کو بہشت میں بے چونی وبے چگونی کے طور پر اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا کیونکہ وہ رؤیت جو بے چون سے متعلق ہے، وہ بھی بے چون ہوگی، بلکہ دیکھنے والا بھی بے چونی کی وجہ سے حظِ وافر حاصل کرے گا تا کہ بے چون کو دیکھ سکے۔

(مکتوباتِ امامِ ربانی مجدد الف ثانی فارسی دفتر سوم حصہ ہشتم مکتوب نمبر ۱۷ ص ۳۵، ۳۶ طبع رؤف اکیڈمی، لاہور)

19 حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (المتوفی ۱۱۷۶ھ) کے عقائد

"اَلْعَقِیْدَۃُ الْحَسَنَۃُ" میں بیان کردہ عقائد

أما بعد! فیقول الفقیر الی رحمة الله الکریم، أحمد المدعو بولی الله ابن عبد الرحیم أحسن الله تعالیٰ الیهما، أشهد الله تعالیٰ ومن حضر من الملائکة والجن والانس، أنی أعتقد من صمیم قلبی أن:

للعالم صانعاً، قدیماً، لم یزل ولا یزال، واجباً، وجوده ممتنعاً عدمه۔ وهو الکبیر، المتعال، متّصفاً بجمیع صفات الکمال، منزّهاً عن جمیع المخلوقات، قادرٌ علی جمیع الممکنات۔ مریدٌ لجمیع الکائنات، حیٌّ، سمیعٌ، بصیرٌ، لَا شِبْهَ لَهٗ ولا ضِدَّله، ولا نِدَّله، ولا مثل له، ولا شریك له فی وجوب الوجود، ولا استحقاق العبادةِ، ولا فی الخلق والتدبیر، فلا یستحق العبادةَ أی أقصیٰ غایة التعظیم الا هو۔ ولا یشفی مریضا، ولا یرزق رزقا، ولا یکشف ضرا الا هو، بمعنی أن یقول لشیءٍ "کن" فیکون، لا بمعنی التسبب العادی الظاهری، کما یقال شفی الطبیبُ المریضَ، ورزق الامیرُ الجندَ، فهٰذا غیره وان اشتبه فی اللفظ، ولا ظهیرَ له، ولا یحل فی غیرہ، ولا یتحد بغیره۔ ولا یقوم بذاته حادثٌ، ولیس فی ذاته ولا فی صفاته حدوث۔ وانما الحدوث فی تعلق الصفات بمتعلقاته حتی یظهر الافعالُ۔ وحقیقته ان التعلق أیضا لیس بحادثٍ ولٰکنّ الحادثَ هو المتعلق۔ فیظهر احکام المتعلق متفاوتاً لتفاوت المتعلقات۔

وهو برئٌ عن الحدوثِ والتجدد من جمیع الوجود۔ لیس بجوهر ولا عرضٍ ولا جسمٍ ولا فی حَیِّزٍ وجهةٍ۔ ولا یُشار الیه بِهُنَا وهُنَاكَ۔ ولا

یَصِحُّ علیه الحرکةُ والانتقالُ والتَّبَدُّلُ فی ذاته ولا صفاته۔ ولا الجهلُ ولا الکِذْبُ۔ وهو فوق العرش کما وصف نفسهٗ ولٰکن لا بمعنی التَّحَیُّزِ والجهةِ بل لا یعلم کُنْهَ هذا التفوُّقِ والاستواء الَّا هو۔ والراسخون فی العلم ممن آتاه الله من لدنهٗ عِلماً۔

وهو مرئی للمومنین یوم القیامة بوجهین:

أَحدهما: أن یکشف علیهم انکشافاً بلیغاً۔ أکثر من التصدیق به عقلا وکأَنَّه الرویة بالبصر، الا أنه من غیر موازاةٍ، ومقابلةٍ وجهة، ولونٍ وشکلٍ۔ وهٰذا الوجه قال به المعتزلة وغیرهم، وهو حق۔ وانما خَطَّاءَ هم فی تاویلهم الرؤیة بهٰذا المعنی أو حصرِهم الرؤیةفی هٰذا المعنی۔

وثانیهما: أن یتمثل لهم بصورٍ کثیرةٍ کما هو مذکورٌ فی السنة، فیرونه بأبصارهم بالشکل واللون والمواجهة، کما یقع فی المنام کما أخبر به النبی صلی الله علیه وسلم حیث قال: رأیت ربی فی أحسن صورةٍ۔ فیرون هنالك عیاناً ما یرون فی الدنیا مناماً۔ وهٰذان الوجهان نَفْهَمُهما ونعتقدهما، وان کان اللهُ تعالیٰ ورسولُه أَراد بالرؤیة غیرهما۔ فنحن آمنا بمراد الله تعالیٰ ورسوله وان لم نعلم بعینه ذٰلك۔

ما شاء الله کان وما لم یشا لم یکن۔ والکفر والمعاصی بخلقه وارادته، ولا یرضاه۔ وهو غنی، لا یحتاج الیٰ شیءٍ فی ذاته وصفاته، ولا حاکمَ علیه، ولا یجب علیه شیٌٔ بایجاب غیرہ۔ نعم! قد یَعِدُ شیئا فیَفِیْ بالوعد کما ورد، فهو ضامن علی الله تعالیٰ۔ وجمیع أفعاله یتضمن الحکمة والمصلحة الکلیة علیٰ ما یعلم۔ ولا یجب علیه اللطف الجزئی الخاص أو الأَصلح الخاص، لا قبیح منه ولا یُنْسَبُ فیما یفعل أو یحکم الیٰ جورٍ أو ظلمٍ یراعی الحکمةَ فیما خلق و أمر، لا أنه یستکمل نفسه وصفاته بشیءٍ۔ وأن یکون له حاجةٌ وغرضٌ فان ذٰلك ضعفٌ وقُبْحٌ۔ لا حاکم سواه۔ فلیس للعقل حکمٌ فی حسن الأَشیاءِ قُبْحِها۔ وکون الفعل

سبباً للثواب والعقاب، وانما حسن الاشیاء وقبحها بقضاء الله وحکمه و تکلیفه للناس۔ فمنها ما یُدرك العقلُ وَجْهَهٗ ومصلحتَه و مناسبتَه للثواب والعقاب۔ ومنها: لا یدرکه الا بأخبار الرسل عن الله تعالیٰ۔ وکل صفة من صفاته واحدة بالذات، غیر متناهیةٍ بحسب التعلق والتجدد، انما هو فی المتعلق بالمعنی المذکور۔

(اَلْعَقِیْدَۃُ الْحَسَنَۃُ ص ۷۶ تا ۸۵۔المؤلف: حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (المتوفی ۱۱۷۶ھ)۔ملحق مع عقیدۃ الطحاوی۔طبع ادارہ نشر واشاعت، مدرسہ نصرۃ العلوم، گوجرانوالہ)

ترجمہ اما بعد! پس کہتا ہے: بندہ اپنے ربّ کی رحمت کا محتاج ''احمد'' جس کو ولی اللہ بن عبد الرحیمؒ کے نام سے پکارا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ ان دونوں پر احسان فرمائے کہ میں اللہ تعالیٰ کو اور جو ملائکہ، جنات اور انسان حاضر ہیں، ان کو گواہ بنا کر اپنے عقائد کے بارے میں کہتا ہوں کہ میں خلوصِ قلب سے اس بات کا اعتقاد رکھتا ہوں کہ تمام عالم کا ایک صانع (بنانے والا)، قدیم ہے جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔

اس کا وجود واجب ہے اور اس کا عدم ممتنع ہے (جس کا ہونا ضروری اور اس پر فنا اور عدم محال ہے)۔ اور وہ بڑا اور عالی شان ہے۔ اور تمام کامل صفات کے ساتھ متصف ہے۔ اور زوال اور نقص کی تمام علامتوں سے پاک اور منزہ ہے۔ وہ تمام مخلوقات کا خالق ہے۔ اور تمام کائنات کی باتوں کا جاننے والا ہے۔ اور تمام مخلوقات پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ اور تمام کائنات (کی ایجاد وقیام) کا ارادہ کرنے والا ہے۔ زندہ ہے، سننے اور دیکھنے والا ہے۔ کوئی چیز اس کے مشابہ نہیں اور نہ کوئی چیز اس کے ضد اور مقابل ہے، اور نہ کوئی چیز اس کی مثل ہے۔ اس کے واجب الوجود ہونے اور عبادت کے استحقاق اور پیدا کرنے اور تدبیر میں کوئی اس کا شریک نہیں۔ پس عبادت کا استحقاق اس کے سوا کسی کے لیے نہیں۔ اور عبادت انتہائی درجہ کی تعظیم کو کہا جاتا ہے۔ کسی مریض کو اس کے سوا کوئی شفا نہیں بخشتا، اور نہ کسی کو اس کے سوا کوئی روزی پہنچاتا ہے اور ضرر اور تکلیف کو اس کے سوا کوئی دور نہیں کرسکتا۔ اور اس کا یہ کام اس طرح ہے

کہ جب وہ کسی چیز کو (بغیر ظاہری اسباب کے) کہہ دے کہ ''ہوجا''، تو وہ ہوجاتی ہے۔ اس طرح نہیں جس طرح ظاہری اور عادی اسباب کے تحت کوئی چیز ہوتی ہے، جیسا کہ لوگ کہتے ہیں کہ طبیب نے مریض کو شفا دی، اور امیر لشکر نے لشکر کو رزق دیا (کیونکہ یہاں مراد ظاہری اسباب کے تحت علاج ومعالجہ کرنا اور تنخواہ وغیرہ دینا ہوتا ہے)۔ یہ معنیٰ اس کے علاوہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے بولا جاتا ہے۔ اگرچہ الفاظ ایک جیسے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا کوئی معین اور پشت پناہ نہیں، اور نہ وہ کسی دوسری چیز میں حلول کرتا ہے۔ اور نہ وہ غیر کے ساتھ مل کر متحد ہوتا ہے۔ اور اس کی ذات کے ساتھ کوئی حادث چیز قائم نہیں ہوسکتی (نو پیدہ چیز جو پہلے نہ تھی)۔ پس اس کی ذات اور صفات میں کسی قسم کا حدوث نہیں ہے۔ البتہ جب اس کی صفات کا تعلق اپنے متعلقات کے ساتھ ہوتا ہے۔ تو اس تعلق میں حدوث ہوتا ہے، تاکہ افعال ظاہر ہوں۔ اور حقیقت میں یہ تعلق بھی حادث نہیں ہے۔ حادث صرف ان صفات کے متعلقات (تمام کائنات اللہ کے سوا) ہی ہوتے ہیں، اس لیے اس تعلق کے احکام بھی مختلف اور متفاوت ہوتے ہیں (ورنہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات میں مطلقاً کسی قسم کا حدوث نہیں)۔ اور وہ باری تعالیٰ ہر وجہ اور ہر طریق پر حدوث اور تجدد سے بری اور پاک ہے۔ اور وہ نہ جوہر ہے (جو کسی زمان اور مکان میں خود قائم ہوتا ہے۔ اور نہ عرض ہے (دوسری چیز کے ساتھ قائم ہو جیسے رنگ، شکل وغیرہ) اور نہ وہ جسم ہے اور نہ کسی مکان اور جہت میں ہے۔ اور نہ اس کی طرف یہاں اور وہاں کے ساتھ اشارہ کیا جاسکتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اپنی ذات اور صفات میں نہ حرکت کرتا ہے۔ اور نہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتا ہے۔ اور نہ بدلتا ہے اور اس میں جہل اور کذب بھی روا نہیں یعنی کذب اور جہل کا صدور اس سے محال ہے۔ اور وہ عرش کے اوپر ہے جیسا کہ خود اس نے اپنے بارہ میں فوق العرش ہونا بیان کیا ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ عرش اس کا مکان ہے اور فوق اس کی جہت ہے، بلکہ اس کی فوقیت اور استواء کی حقیقت اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ یا پھر وہ پختہ کار علماء جانتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے علم لدنی عطا فرمایا ہے۔

اور باری تعالیٰ کا دیدار ایمان والوں کو قیامت کے دن نصیب ہوگا اور اس دیدار کی دو طرح وضاحت کی گئی ہے۔ ایک اس طرح کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان مؤمنین پر ایسا انکشاف تام ہو جائے گا جو عقلی تصدیق سے بہت زیادہ ہوگا، گویا کہ آنکھ ہی سے دیکھا ہے لیکن اس میں سامنا، مقابلہ اور جہت، رنگ اور شکل نہیں ہوگا۔ اور یہ وجہ ایسی ہے کہ اس کا قول فرقہ معتزلہ نے اور دوسرے لوگوں (مثلاً شیعہ وغیرہ) نے بھی کیا ہے۔ اور یہ بات فی نفسہٖ حق اور درست ہے، لیکن اس کی غلطی یہ ہے کہ وہ رؤیت کا یہی معنی کرتے ہیں یا رؤیت کو اسی معنی میں منحصر مانتے ہیں (جس کی وجہ سے رؤیت بالابصار کا انکار کرتے ہیں)۔

اور دوسرا معنی رؤیت کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مختلف صورتوں میں ان کے سامنے متمثل ہو جیسا کہ سنت اور احادیث میں مذکور ہے۔ پس وہ لوگ باری تعالیٰ کو اپنی آنکھوں کے ساتھ شکل، صورت اور رنگ اور آمنے سامنے کی طرح دیکھیں گے، جیسا کہ خواب میں واقعہ ہوتا ہے جس کی خبر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے، جہاں آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ: ''میں نے اپنے رب کو اچھی صورت میں دیکھا ہے''۔ اسی طرح لوگ قیامت میں اس کو عیاناً یعنی بالکل ظاہری آنکھوں سے دیکھیں گے۔ جس طرح دنیا میں خواب کے اندر دیکھتے ہیں اور رؤیت کی یہ دونوں صورتیں ایسی ہیں جن کو ہم سمجھتے ہیں اور ان پر اعتقاد رکھتے ہیں۔ اور اگر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی مراد رؤیت سے ان کے علاوہ کوئی اور معنی ہو تو پھر ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کی مراد ہے۔ اگرچہ ہم بعینہٖ اس معنی کو نہ سمجھتے ہوں۔ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہ ہوتا ہے اور جو نہ چاہے وہ نہیں ہوتا۔ اور کفر اور دیگر معاصی اور گناہ اس کے پیدا کرنے، اور ارادہ کرنے سے ظاہر ہوتے ہیں لیکن وہ ان کو پسند نہیں کرتا۔ اور وہ ایسا غنی اور بے نیاز ہے جو اپنی ذات اور صفات میں کسی چیز کی طرف احتیاج نہیں رکھتا۔ اور نہ اس پر کوئی حاکم ہے، اور نہ اس پر کوئی چیز کسی غیر کو واجب کرنے سے واجب ہوتی ہے۔ ہاں! لیکن وہ خود (از راہ لطف و کرم) کسی چیز کا وعدہ فرماتا ہے، تو پھر وہ اس کو پورا کرتا ہے، اس وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔ جیسا کہ حدیث میں اس

قسم کے الفاظ آئے ہیں۔ کہ ''وہ چیز اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے یا اللہ تعالیٰ اس کا ضامن ہے''۔ اور اللہ تعالیٰ کے تمام کام حکمت اور مصلحت حکمیہ (عمومی مصلحت) جیسا کہ وہ بہتر جانتا ہے، پر مشتمل ہوتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ پر کسی خاص فرد یا خاص جزئی چیز کے بارہ میں جو بات اصلح (بہتر بات) ہو، واجب نہیں (جیسا کہ معتزلہ وغیرہ کا اعتقاد ہے کہ جو چیز بندہ کے لیے اصلح ہو وہ اللہ تعالیٰ پر واجب ہوتی ہے)۔ اور کوئی بات اللہ کی طرف سے قبیح نہیں ہوتی اور اللہ کو اپنے کاموں اور اپنے فیصلوں میں ظلم اور ناانصافی کی طرف مجبور نہیں کیا جاسکتا (اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم اور ناانصافی نہیں کرتا)۔ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ پیدا کیا ہے یا جو کچھ حکم دیا ہے اس میں حکمت کی رعایت فرمائی ہے، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ اپنی ذات اور صفات میں کسی شے سے تکمیل حاصل کرتا ہے۔ حکمت کی رعایت سے اس کی ذات یا صفات میں کچھ کمال پیدا ہوا ایسا نہیں)۔ اور اس کو کسی چیز کی طرف حاجت اور غرض بھی نہیں کیونکہ یہ کمزوری اور قباحت (بری) بات ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے۔

اس کے سوا کوئی حاکم نہیں۔ پس عقل کے لیے اشیاء کے حسن و قبح میں کوئی حکم یا دخل نہیں ہے (جیسا کہ معتزلہ وغیرہ کہتے ہیں کہ اشیاء کا حسن و قبح عقلی ہے)۔ اور اسی طرح کسی فعل کے ثواب یا عقاب کے سبب ہونے میں بھی عقل کا دخل نہیں ہے۔

اشیاء کا حسن و قبح اللہ تعالیٰ کے فیصلہ اور اس کے حکم سے ہوتا ہے اور اس وجہ سے کہ اس نے لوگوں کو مکلّف بنایا ہے (یعنی حسن و قبح اُمورِ شرعیہ کے مکلف ہونے کی وجہ سے ہے نہ کہ عقل کی وجہ)۔ اب بعض باتیں ایسی ہیں کہ عقل ان کو سمجھتی ہے اور ان میں ثواب یا عقاب کی مصلحت اور مناسبت کو بھی جانتی ہے۔ اور بعض چیزیں ایسی ہیں کہ عقل ان کے حسن و قبح کا ادراک نہیں کرسکتی، جب تک اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بتلا نہ دیں۔

اور اللہ تعالیٰ کی ہر صفت اپنی حقیقتِ اصلیت کے اعتبار سے واحد ہے، اور باعتبار تعلقات کے غیر متناہی اور بے انتہاء ہے۔ اور حدوث و تجدّد اس صفت میں نہیں بلکہ اس چیز (ممکن و حادث اشیاء) میں ہوتا ہے جس کے ساتھ اس صفت کا تعلق ہے۔

20 حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ (المتوفی ۱۲۳۹ھ) کے عقائد

عقیدہ1 معرفتِ خدا تعالیٰ میں غور وفکر واجب ہے۔

عقیدہ2 حق تعالیٰ موجود ہے، اور یکتا، زندہ ہے، اور سننے والا، دیکھنے والا ہے اور جاننے والا، طاقت والا ہے۔

عقیدہ3 اللہ تعالیٰ ایک ہے۔

عقیدہ4 اللہ تعالیٰ صفتِ ہمیشگی میں تنہا اور یکتا ہے۔کوئی دوسرا اس صفت میں اس کے ساتھ شریک نہیں، کیونکہ اس کی ذات وصفات کے علاوہ جو کچھ بھی ہے، وہ فانی ہے اور نو پیدا۔

عقیدہ5 اللہ تعالیٰ زندگی کے ساتھ زندہ ہے۔علم کے ساتھ عالم ہے۔قدرت کے ساتھ قدرت والا ہے۔اور اسی طرح اور صفات بھی اس میں موجود ہیں جس طرح اس کے نام اس کی ذات پر اطلاق ہوتے ہیں۔

عقیدہ6 ذاتِ باری تعالیٰ کی صفات قدیم ہیں۔وہ کسی وقت بھی جاہل وعاجز نہ تھا۔

عقیدہ7 اللہ تعالیٰ قادر ومختار ہے۔وہ جو کچھ کرتا ہے، اپنے ارادے اور اختیار سے کرتا ہے۔

عقیدہ8 اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

عقیدہ9 اللہ تعالیٰ ہر چیز کو اس کے وجود سے پہلے جانتا ہے۔یہی معنی تقدیر کے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہر چیز کا اندازہ لگ چکا ہے کہ ایسی اور ویسی ہوگی چنانچہ اسی کے مطابق اپنے وقتِ معیّن پر وجود میں آتی ہے۔

عقیدہ10 قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔اس میں تحریف یا کمی زیادتی نہ اب تک ہوسکی، نہ آئندہ ہوسکے گی۔

عقیدہ11 اللہ تعالیٰ ارادۂ قدیم کا مالک ہے۔ازل میں ہر چیز کا ارادہ کر چکا ہے۔اور اس کو وقت خاص کے ساتھ معیّن کیا کہ اس میں آگے پیچھے ہونے کی گنجائش ہی نہیں۔لہٰذا ہر چیز

اپنے اپنے وقت میں اس کے ارادے کے موافق پیدا ہوتی ہے۔

عقیدہ12 اللہ تعالیٰ جسم نہیں رکھتا، نہ طول وعرض وعمق۔نہ ہی وہ شکل وصورت رکھتا ہے۔

عقیدہ13 اللہ تعالیٰ مکان نہیں رکھتا۔نہ اوپر نیچے کی طرح اس کے لیے کوئی طرف ہے۔یہ مذہب اہل السنت والجماعت کا ہے۔

عقیدہ14 اللہ تعالیٰ کسی چیز میں سرایت نہیں کرتا، نہ کسی بدنی قالب میں نمودار ہوتا ہے۔

عقیدہ15 اللہ تعالیٰ نظر آنے والے اعراض کے ساتھ متصف نہیں۔تو رنگ، بُو یا ان جیسی دوسری کیفیات نہیں رکھتا۔

عقیدہ16 باری تعالیٰ کی ذاتِ مقدس کسی چیز میں چھپ نہیں سکتی۔نہ سایہ رکھتی ہے۔

عقیدہ17 اللہ تعالیٰ کے لیے ''بدا'' جائز نہیں۔وہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ ایک چیز کا ارادہ فرمائے۔پھر اس کو کسی دوسری چیز میں مصلحت نظر آئے جو پہلے معلوم نہ ہوسکی۔لہٰذا پہلے ارادہ سے دست بردار ہوکر دوسرے ارادہ کو اختیار فرمائے۔اور یہ خیال اس بات کو چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ناعاقبت اندیش ہے اور اُمور کے نتائج سے جاہل۔پناہ خدا کی!!۔اللہ تعالیٰ اس سے بہت بالا و برتر ہے۔

عقیدہ18 اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے کسی کے کفر وگمراہی پر راضی نہیں ہوتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ۔

ترجمہ اور وہ اپنے بندوں کے کفر پر خوش نہیں ہے۔

عقیدہ19 اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں ہے۔اہل السنت کا مذہب یہی ہے۔

عقیدہ20 بندے سے جو کچھ اعمال سرزد ہوتے ہیں۔بھلائی، برائی، کفر وایمان، اطاعت و نافرمانی، وہ سب اللہ تعالیٰ کے پیدا کیے ہوئے ہیں۔ان کی پیدائش میں بندے کو کوئی دخل نہیں۔ہاں کسب وعمل بندے کا ہے۔اور اسی کسب وعمل پر اس کو بدلہ ملے گا۔اہل السنت کا مذہب یہی ہے۔

عقیدہ21 بندہ کو حق تعالیٰ سے مکانی یا جسمانی قرب حاصل ہونا متصور نہیں۔اس سے قرب و نزدیکی محض درجے، رضامندی، اور خوشنودی کی ہے۔اہل السنت کا مذہب یہی ہے۔

عقیدہ 22 حق تعالیٰ کو دیکھا جاسکتا ہے اور مؤمنین آخرت میں اس کے دیدار سے شرف یاب ہوں گے اور کافر و منافق اس نعمت سے محروم۔ اہل السنت کا یہی مذہب ہے۔

(تحفۂ اثناءعشریہ (اردو) ص۲۱۱ تا ۲۴۵۔ المؤلف: حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ (المتوفی ۱۲۳۹ھ)۔ مترجم: مولانا سعد حسن یوسفی۔ ناشر: نور محمد کارخانہ تجارت کتب، آرام باغ، کراچی)

21 شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا حافظ محمد ادریس کاندھلویؒ (المتوفی ۱۳۹۴ھ) کے عقائد

حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ بہت بڑے محدث، مفسر، سیرت نگار اور متکلم تھے۔ آپؒ حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ (المتوفی ۱۳۵۳ھ) کے مایہ ناز شاگرد تھے۔ حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ (المتوفی ۱۳۵۳ھ) کے علوم کی جھلک ان میں دیکھی جاسکتی ہے۔ علم العقائد میں آپؒ کی کئی تصانیف ہیں۔ چند ایک یہ ہیں:

علم الکلام

عقائد الاسلام

اصول الاسلام

1 اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی مکان، زمان، جہت اور سمت نہیں

اللہ تعالیٰ کے لیے نہ کوئی مکان ہے، نہ کوئی زمان ہے، اور نہ اس کے لیے کوئی سمت اور جہت ہے کیونکہ وہ غیر محدود ہے۔ مکان اور جہت محدود کے لیے ہوتے ہیں۔ مکان اور زمان مکین کو احاطہ کیے ہوئے اور گھیرے ہوئے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی سب کو محیط ہے۔ زمین، زمان اور کون و مکان سب اسی کی مخلوق ہیں اور اس کے احاطۂ قدرت میں ہیں۔ "كان الله ولم يكن شيءٌ غيره"۔ یعنی ازل میں صرف اللہ تعالیٰ تھا اور اس کے سوا اور کوئی چیز نہیں تھی۔ اسی نے اپنی قدرت سے زمین، زمان، مکین اور مکان کو پیدا کیا۔ جس طرح وہ مکان اور زمان کے پیدا کرنے سے پہلے بغیر مکان اور بغیر جہت کے تھا، اب بھی اسی شان سے ہے جس شان سے وہ پہلے

تھا۔

نیز جہات امورِ اضافیہ اور نسبیہ میں سے ہیں۔ مثلاً فوق، تحت، یمین اور شمال یہ سب چیزیں حادث ہیں۔ نسبت کے بدلنے سے ان میں تغیر وتبدل ہوتا رہتا ہے۔ ایک شی کسی اعتبار سے فوق ہے اور کسی اعتبار سے تحت ہے۔ پس یہ کیسے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ازل میں کسی جہت یا سمت کے ساتھ مخصوص ہو۔ جہت اور سمت حادث کے لیے ہوتی ہیں۔ ازلی کے لیے نہیں ہوتی۔ پس ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے لیے نہ کوئی مکان ہے، نہ کوئی جہت ہے اور نہ کوئی سمت ہے۔ مکان، جہت اور سمت تو محدود اور متناہی کے لیے ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے لیے نہ کوئی حد ہے اور نہ کوئی نہایت ہے۔

اس کی ہستی سمت، جہت، مکان اور زمان کی حدود اور قیود سے پاک ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ سوال نہیں ہوسکتا کہ وہ کہاں ہے؟ اور کب سے ہے؟ اس لیے کہ وہ مکان اور زمان سے سابق اور مقدم ہے۔ مکان اور زمان سب اسی کی مخلوق ہیں۔ وہ تو لامکان اور لازمان ہے۔ اس کی ہستی مکان اور زمان پر موقوف نہیں بلکہ زمان اور مکان کی ہستی اس کے ارادہ پر موقوف ہے۔ مشبہہ اور مجسمہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے لیے جہت ہے اور وہ جہت فوق میں ہے اور اللہ تعالیٰ عرش پر متمکن ہے:

سُبۡحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوۡنَ۔ (الانعام:۱۰۰)

2 صفاتِ متشابہات جیسے استواء علی العرش کی تحقیق

علماءِ اہل السنت والجماعت یہ کہتے ہیں کہ براہینِ قطعیہ اور دلائل عقلیہ ونقلیہ سے یہ ثابت ہوچکا ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کی مشابہت، مماثلت، کمیت، کیفیت، مکان اور جہت سے پاک اور منزّہ ہے۔ لہٰذا جن آیات اور احادیث میں اللہ تعالیٰ کی ہستی کو آسمان یا عرش کی طرف منسوب کیا ہے، ان کا یہ مطلب نہیں کہ آسمان اور عرش اللہ تعالیٰ کا مکان اور مستقر ہے بلکہ ان سے اللہ تعالیٰ کی شانِ رفعت، علو، عظمت اور کبریائی کو بیان کرنا مقصود ہے۔ اس لیے کہ مخلوقات میں سب سے بلند عرشِ عظیم ہے۔ ورنہ عرش سے لے کر فرش تک سارا عالم اس کے سامنے ایک ذرہ بے مقدار

ہے۔ وہ اس ذرہ میں کیسے سما سکتا ہے؟ سب اسی کی مخلوق ہیں اور مخلوق اور حادث کی کیا مجال کہ وہ خالق قدیم (اللہ تعالیٰ) کا مکان اور جائے قرار بن سکے۔

اللہ تعالیٰ اس سے منزہ ہے کہ وہ عرش پر یا کسی جسم پر متمکن اور مستقر ہو۔ جس طرح بادشاہ کو یہ کہا جاسکتا ہے کہ بادشاہ تخت پر بیٹھا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نسبت ایسا کہنا جائز نہیں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کوئی مقداری نہیں کیونکہ کسی جسم پر وہی چیز متمکن ہوسکتی ہے کہ جو ذی مقدار ہو اور اس سے بڑی ہو یا چھوٹی ہو یا اس کے برابر ہو۔ یہ کمی بیشی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں محال ہے۔ عقلاً یہ ممکن نہیں کہ کوئی جسم مخلوق جیسے مثلاً عرش کہ وہ اپنے خالق (اللہ تعالیٰ) کو اپنے اوپر اُٹھا سکے اور پھر فرشتے اس جسم (عرش) کو اپنے کندھوں پر اُٹھائیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

وَيَحۡمِلُ عَرۡشَ رَبِّكَ فَوۡقَهُمۡ يَوۡمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ۔ (الحاقہ:۱۷)

ترجمہ اور آپ ﷺ کے پروردگار کے عرش کو اس روز آٹھ فرشتے اُٹھائے ہوں گے۔

عقلاً یہ بات محال ہے کہ کوئی مخلوق فرشتہ ہو یا جسم ہو، وہ اپنے خالق کو اپنے کندھوں پر اُٹھا سکے۔ خالق کی قدرت مخلوق کو تھامے ہوئے ہے۔ مخلوق میں یہ قدرت نہیں کہ وہ خالق کو اُٹھا سکے اور تھام سکے۔ جن آیات میں اللہ تعالیٰ کی شانِ علو اور فوقیت کا ذکر آیا ہے، ان سے علو مرتبہ اور فوقیتِ قہر وغلبہ مراد ہے اور مکانی فوقیت اور علو مراد نہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

۱ وَهُوَ الۡقَاهِرُ فَوۡقَ عِبَادِهٖ۔ (الانعام:۱۸،۶۱)

ترجمہ وہی اپنے بندوں پر مکمل اقتدار رکھتا ہے۔

۲ وَهُوَ الۡعَلِيُّ الۡكَبِيۡرُ۔ (السبا:۲۳)

ترجمہ اور وہی ہے جو بڑا اعالی شان ہے۔

۳ وَلَهُ الۡمَثَلُ الۡاَعۡلٰى فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ۔ وَهُوَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ۔ (الروم:۲۷)

ترجمہ اور اسی کی سب سے اونچی شان ہے، آسمانوں میں بھی اور زمین میں بھی۔ اور وہی ہے جو اقتدار والا بھی ہے، حکمت والا بھی۔

جیسے

۴ وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ۔ (یوسف:۷۶)

ترجمہ اور جتنے علم والے ہیں، ان سب کے اوپر ایک بڑا علم رکھنے والا موجود ہے۔

۵ وَإِنَّا فَوْقَهُمْ قَاهِرُونَ۔ (الاعراف:۱۲۷)

ترجمہ اور ہمیں ان پر پورا پورا قابو حاصل ہے۔

میں فوقیت مرتبہ اور فوقیت قہر اور غلبہ مراد ہے۔

جن آیات اور احادیث میں اللہ تعالیٰ کے قرب اور بُعد کا ذکر آیا ہے۔ اس سے مسافت کے اعتبار سے قرب اور بُعد مراد نہیں، بلکہ معنوی قرب اور بُعد مراد ہے۔ نزولِ خداوندی سے نزولِ رحمت یا اللہ تعالیٰ کا بندوں کی طرف متوجہ ہونا مراد ہے۔ معاذ اللہ! اللہ تعالیٰ کا بلندی سے پستی کی طرف اُترنا مراد نہیں۔ دعاء کے وقت آسمان کی طرف ہاتھ اُٹھانا اس لیے نہیں کہ آسمان، اللہ تعالیٰ کا مکان ہے بلکہ اس لیے ہے کہ آسمان قبلۂ دعا ہے جیسا کہ خانہ کعبہ، قبلہ نماز ہے۔ خانہ کعبہ کو جو بیت اللہ کہا جاتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کا گھر ہے۔ معاذ اللہ! یہ مطلب نہیں کہ خانہ کعبہ اللہ تعالیٰ کا مکان ہے اور اس کے رہنے کی جگہ ہے۔ سمتِ قبلہ عابدین کی عبادت کے لیے مقرر کی گئی ہے۔ معاذ اللہ! معبود کی سمت نہیں۔ پس جیسے کعبہ نماز کا قبلہ ہے ویسے ہی آسمان دعاء کا قبلہ ہے اور دونوں صورتوں میں اللہ تعالیٰ اس سے منزّہ ہے کہ وہ خانہ کعبہ کے اندر یا آسمان کے اندر متمکن ہو۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ان اوصاف کو اوصافِ تسبیحی کہتے ہیں اور اوصافِ تنزیہی اور اوصافِ جلالی بھی کہتے ہیں اور علم وقدرت اور سمع وبصر جیسے اوصاف کو اوصاف تحمیدی اور اوصافِ جمالی کہتے ہیں۔

مجسمہ اور مشبہہ یہ کہتے ہیں کہ عرش ایک قسم کا تخت ہے اور اللہ تعالیٰ اس پر مستوی ہے یعنی اس پر مستقر اور متمکن ہے اور فرشتے اس عرش کو اُٹھائے ہوئے ہیں۔ اور

أَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى۔ (سورت طٰہٰ:۵)

ترجمہ بڑی رحمت والا عرش پر مستوی ہے۔

کے ظاہر لفظ سے استدلال کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ استواء علی العرش سے عرش پر بیٹھنا مراد ہے۔

بعض یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر مکان میں ہے اور ہر جگہ موجود ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس قول سے حجت پکڑتے ہیں:

1 مَا يَكُونُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلَاثَةٍ إِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ إِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَآ أَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ أَكْثَرَ إِلَّا هُوَ مَعَهُمْ أَيْنَ مَا كَانُوا۔

(المجادلہ:۷)

ترجمہ کبھی تین آدمیوں میں کوئی سرگوشی ایسی نہیں ہوتی جس میں چوتھا وہ نہ ہو، اور نہ پانچ آدمیوں کی کوئی سرگوشی ایسی ہوتی ہے جس میں چھٹا وہ نہ ہو۔ اور چاہے سرگوشی کرنے والے اس سے کم ہوں یا زیادہ، وہ جہاں بھی ہوں، اللہ تعالیٰ اُن کے ساتھ ہوتا ہے۔

اور حق تعالیٰ کے ان اقوال سے دلیل پکڑتے ہیں:

2 وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ۔ (سورت ق:۱۶)

ترجمہ اور ہم اُس کی شہ رگ سے بھی زیادہ اُس کے قریب ہیں۔

3 وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُونَ۔ (الواقعہ:۸۵)

ترجمہ اور تم سے زیادہ ہم اس کے قریب ہوتے ہیں، مگر تمہیں نظر نہیں آتا۔

4 وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَآءِ إِلٰهٌ وَّفِي الْأَرْضِ إِلٰهٌ وَّهُوَ الْحَكِيمُ الْعَلِيمُ۔

(الزخرف:۸۴)

ترجمہ وہی (اللہ تعالیٰ) ہے جو آسمان میں بھی معبود ہے اور زمین میں بھی معبود۔ اور وہی ہے جو حکمت کا بھی مالک ہے، علم کا بھی مالک۔

اہل السنت والجماعت کہتے ہیں کہ قرآنِ مجید میں اس قسم کی جس قدر آیتیں وارد ہوئی ہیں، ان سے اللہ تعالیٰ کے کمالِ علو اور رفعتِ شان کو اور اس کا احاطۂ علم وقدرت کو بیان کرنا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم اور قدرت تمام کائنات کو محیط ہے جیسا کہ ایک حدیثِ قدسی میں آیا ہے:

قلب المؤمن بين اصبعين من أصابع الرحمٰن۔

ترجمہ مؤمن کا دل رحمٰن کی دو اُنگلیوں کے درمیان ہے۔

سواس سے بالاجماع متعارف، ظاہری اور حسی معنی مراد نہیں بلکہ اس سے قدرت علی التقلیب بیان کرنا ہے کہ قلب (دل) اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے، جدھر چاہے، پھیر دے۔

حدیث میں حجرِ اسود کے متعلق یہ آیا ہے:

أنه يمين الله في الأرض

ترجمہ حجر اسود زمین میں اللہ تعالیٰ کا دایاں ہاتھ ہے۔

تو یہاں بھی بالاتفاق ظاہری معنی مراد نہیں، بلکہ معنی مجازی مراد ہیں کہ حجر اسود کو بوسہ دینا گویا اللہ تعالیٰ سے مصافحہ کرنا اور اس کے دستِ قدرت کو بوسہ دینا ہے، جیسا کہ قرآنِ حکیم میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ ۚ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ ۚ (الفتح:۱۰)

ترجمہ (اے پیغمبر!) جو لوگ تم سے بیعت کر رہے ہیں، وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ سے بیعت کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ اُن کے ہاتھوں پر ہے۔

یعنی جو لوگ نبی کریم ﷺ کے دستِ مبارک پر بیعت کرتے ہیں گویا وہ اللہ تعالیٰ سے بیعت کرتے ہیں۔ یہاں بھی بالاتفاق معنی مجازی مراد ہیں۔ معاذ اللہ! یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ دونوں ایک دوسرے کے عین ہیں۔ اسی طرح سمجھو کہ استواء علی العرش سے ظاہری اور حسی معنی مراد نہیں کہ اللہ تعالیٰ عرش پر بیٹھا ہوا ہے بلکہ اس سے اللہ تعالیٰ کی علوشان اور رفعتِ مرتبہ کو بتلانا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

رَفِيعُ الدَّرَجَاتِ ذُو الْعَرْشِ ۚ (المؤمن:۱۵)

ترجمہ وہ رفیع الدرجات ہے، وہ عرش کا مالک ہے۔

اسی طرح جس حدیث میں یہ آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر شب آسمانِ دنیا پر نزول فرماتا ہے۔ سو معاذ اللہ! اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ کوئی جسم ہے کہ عرش سے اتر کر

آسمانِ دنیا پر آتا ہے بلکہ اس خاص وقت میں اس کی رحمت کا نزول یا کسی رحمت کے فرشتہ کا آسمانِ دنیا پر اترنا مراد ہے اور اللہ تعالیٰ کا بندے سے قرب اور بُعد باعتبارِ مسافت کے مراد نہیں بلکہ قربِ عزت وکرامت اور بُعدِ ذلت واہانت مراد ہے۔ مُطیع وفرماں بردار بندہ اللہ تعالیٰ سے بلا کیفیت اور بلا کسی مسافت کے قریب ہے اور نافرمان بندہ بلا کسی کیفیت اور بلا کسی مسافت کے اللہ تعالیٰ سے بعید ہے۔

اہل السنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مکان، جہت اور سمت سے پاک ومنزہ ہے۔ اس لیے کہ جو چیز کسی مکان میں ہوتی ہے تو وہ محدود ہوتی ہے اور مقداری ہوتی ہے اور مکین مقدار، مسافت، اور مساحت میں مکان سے کم ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ مقدار، مساحت، مسافت اور کمی اور زیادتی سے منزہ ہے اور جو چیز سمت اور جہت میں ہوتی ہے تو وہ اس سمت اور جہت میں محصور اور محدود ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے بھی منزہ ہے۔ مکان، زمان، جہت اور سمت سب اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے۔ ازل میں صرف اللہ تعالیٰ تھا اور اس کے سوا کوئی شے نہ تھی: نہ مکان اور زمان، نہ عرش اور کرسی، نہ زمین اور آسمان۔ اس نے اپنی قدرت سے عرش، کرسی، زمین وآسمان کو پیدا کیا۔ وہ اللہ تعالیٰ ان چیزوں کے پیدا کرنے کے بعد اسی شان سے ہے کہ جس شان سے وہ مکان، زمان، زمین وآسمان کے پیدا کرنے سے پہلے تھا۔ ہم اہل السنت والجماعت ایمان لائے اس بات پر کہ بلا کسی تشبیہ اور تمثیل کے اور بلا کسی کمیت اور کیفیت کے اور بلا کسی مسافت اور مساحت کے رحمٰن کا استواء عرش پر حق ہے جس معنی کا اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا ہے اور جو اس کی شان کے لائق ہے جس کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ معاذ اللہ! یہ مطلب نہیں کہ جیسے بادشاہ تخت پر بیٹھتا ہے، ایسا ہی اللہ تعالیٰ بھی عرش پر بیٹھا ہوا ہے اور عرش پر مستقر اور متمکن ہے۔ اس لیے کہ تمکن اور استقرار شان حادث اور ممکن کی ہے۔ مکان مکین کو محیط ہوتا ہے اور عرش تو ایک جسم عظیم نورانی ہے جو اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے۔ اس کی کیا مجال کہ وہ اللہ تعالیٰ کو اُٹھا سکے۔ معاذ اللہ! عرش اللہ تعالیٰ کو اُٹھائے ہوئے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا لطف اور قدرت عرش کو اُٹھائے ہوئے اور تھامے ہوئے ہے۔

استواء علی العرش کے ذکر سے اللہ تعالیٰ کی علوشان اور بے مثال رفعت کو بیان کرنا ہے اور

وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلَٰهٌ وَفِي الْأَرْضِ إِلَٰهٌ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْعَلِيمُ۔

(الزخرف: ۸۴)

ترجمہ وہی (اللہ تعالیٰ) ہے جو آسمان میں بھی معبود ہے اور زمین میں بھی معبود۔ اور وہی ہے جو حکمت کا بھی مالک ہے، علم کا بھی مالک۔

سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ آسمان وزمین میں سب جگہ اسی کی عبادت کی جاتی ہے اور وہی آسمان وزمین میں متصرف ہے اور سب جگہ اسی کا حکم چلتا ہے۔ آسمان وزمین اس کی عبادت اور تصرف کا اور اس کی حکم رانی کا ظرف ہے، معبود کا ظرف نہیں۔ معاذ اللہ! یہ مطلب نہیں کہ عرش یا آسمان اللہ تعالیٰ کا مکان ہے جس میں اللہ تعالیٰ رہتے ہیں۔

مجسمہ اور مشبہہ نے ان آیات کا یہ مطلب سمجھا کہ عرش عظیم یا آسمان وزمین اللہ تعالیٰ کا مکان اور جائے قرار ہے اور یہ نہ دیکھا کہ سارا قرآن تنزیہ اور تقدیس سے بھرا پڑا ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کی مشابہت سے پاک ہے اور تمام انبیاءؑ نے اپنی اپنی اُمتوں کو ایمان تنزیہی کی دعوت دی ہے۔ ایمان تشبیہی اور تمثیلی کی دعوت نہیں دی۔

(عقائد الاسلام، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی ص ۳۱۴ تا ۳۱۸ طبع مکتبۃ الحرمین، لاہور)

3 اللہ تعالیٰ کی صفتِ کلام کی تحقیق

اللہ تعالیٰ متکلم ہیں، یعنی ازل سے ابد تک اس کو صفتِ کلام حاصل ہے۔ کبھی تکلم سے خالی نہیں رہا۔ ایک ہی وقت میں تمام مخلوق کی آوازوں اور دعاؤں کو سنتا ہے۔ سب کا جواب دیتا ہے۔ ایک جانب دوسری جانب سے اس کو مشغول اور غافل نہیں کرتی۔ جس طرح چاہتا ہے کلام کرتا ہے۔ تورات، انجیل، زبور، فرقان اور تمام کتابیں اور صحیفے جو حضرات انبیاء کرام علیہم السلام پر نازل ہوئے، وہ سب اسی کے کلام کی تفصیل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا کلام ایک ہے اور بسیط ہے۔ اور یہ تمام کتبِ منزلہ اور صحفِ مرسلہ

اس کے کلام بسیط کے اوراق ہیں، جو نزول میں مختلف الآثار ہیں۔

کلام ایک صفتِ کمال ہے اور گونگا ہونا عیب ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے لیے تمام صفات کمال ثابت ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ تمام صفاتِ نقص سے پاک اور منزہ ہے۔ اور کلام چونکہ اللہ تعالیٰ کی صفتِ ذاتی ہے اس لیے وہ قدیم ہوگی، حادث نہ ہوگی، کیونکہ قدیم کی صفت بھی قدیم ہوتی ہے۔

بعض اہلِ بدعت کا یہ قول ہے کہ اللہ تعالیٰ اس معنی میں متکلم ہے کہ وہ خالقِ کلام ہے۔ یعنی دوسرے میں کلام کو پیدا کر دیتا ہے۔ یہ سراسر جہالت اور نادانی ہے اور لغت عرب سے بے خبری ہے۔ متحرک لغت میں اس کو کہتے ہیں جو خود حرکت کے ساتھ موصوف ہو۔ جو دوسرے میں حرکت پیدا کرے، اس کو متحرک نہیں کہا جاتا۔ اسی طرح خالقِ کلام کو متکلم نہیں کہا جاتا۔

جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی صفتِ کلام میں کسی کو کلام نہیں۔ مطلقاً کلام کرنا تمام اہل اسلام کے نزدیک مسلّم اور متفق علیہ ہے۔ البتہ اختلاف اس کی حقیقت اور کیفیت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام کس طرح ہے اور کیوں کر ہے؟ حضراتِ متکلمین کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا کلام حروف اور اصوات سے مرکب نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا کلام اس کی ایک صفت ہے جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے۔ اس میں نہ حرف ہے اور نہ آواز ہے اور یہ حروف عربیہ اور نقوشِ کتابیہ اس کے کلام قدیم کی دلالات اور عبارات ہیں۔ جن کے ذریعہ اس کا کلامِ قدیم پڑھا جاتا ہے اور سنا جاتا ہے۔ اور جن حروف اور کلمات کے ذریعہ ہم کلامِ خداوندی کی تلاوت اور قراءت کرتے ہیں، یہ حروف اس کے کلامِ قدیم کا لباس ہیں، اس کا عین نہیں۔ عقلاً یہ بات محال ہے کہ امرِ قدیم کسی حادث اور فانی ذات کی حادث اور فانی زبان اور فانی حلقوم کے ساتھ قائم ہو سکے۔ یا کوئی امرِ قدیم کسی حادث اور فانی میں حلول کر سکے۔ حادث قدیم کا محل نہیں ہوسکتا۔ البتہ ایک حادث چیز قدیم کے لیے آئینہ اور مظہر اور تجلی گاہ بن سکتی ہے۔ آنکھ کی پتلی میں آسمان دکھلائی دے سکتا ہے مگر آنکھ کی پتلی آسمان کا محل اور ظرف نہیں ہوسکتی۔ اس لیے تمام حضراتِ متکلمین اور تمام اولیاء و عارفین اس بات پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا کلام جو

اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے، اس میں نہ حرف ہے اور نہ آواز ہے۔

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں حروف بھی ہیں اور صوت بھی ہے مگر اللہ تعالیٰ کے کلام کے حروف اور الفاظ اور اس کی صوت وآواز ہمارے الفاظ اور صوت کی طرح نہیں۔ جس طرح ذاتِ خداوندی بے چون وچگون ہے اسی طرح اس کا کلام بھی بے چون وچگون ہے:

لَیْسَ كَمِثْلِهٖ شَیْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ۔ (شوریٰ:۱۱)

ترجمہ کوئی چیز اُس کے مثل نہیں ہے، اور وہی ہے جو ہر بات سنتا، سب کچھ دیکھتا ہے۔

حضرات متکلمین کہتے ہیں کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات بے چون وچگون ہے۔ اسی طرح اس کی صفتِ کلام بھی بے چون وچگون ہے۔ اس کو اس کے عالمِ امکان کے ساتھ کوئی مناسبت اور مشابہت نہیں اور گرفتاراں چونی وچندی کو اس بے چون حقیقتِ ازلیہ تک رسائی ممکن نہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی عنایتِ بے غایت سے زبانِ عربی کے لباس میں اپنی اس وصفِ ذاتی اور کمالِ ذاتی کو نازل فرما کر اس کو اپنے اور اپنے بندوں کے درمیان واسطہ بنایا تاکہ اس کے ذریعہ سے بندے اللہ تعالیٰ سے اپنا رابطہ قائم کرسکیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس بے چون حقیقتِ ازلیہ کو عرب کے حروف اور کلماتِ مستعملہ کے لباس اور صورت میں ظاہر فرمایا اور یہی وجہ کہ آیاتِ قرآنیہ باوجود ان حروفِ مستعملہ سے مرکب ہونے کے حدِّ اعجاز کو پہنچی ہوئی ہیں۔ ان جیسے ایک جملہ کی ترکیب غیر خدا سے ممکن نہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ نظمِ عربی جو اس کی خاص صفتِ کلام کا آئینہ اور مظہر ہے، اس میں اللہ تعالیٰ بے چون وچگون کی شانِ بے چونی وبے چگونی امانت اور ودیعت رکھی ہوئی ہے۔ جہاں کسی کی رسائی ممکن نہیں۔ اس لیے تمام جن وانس اس جیسے ایک جملہ کی ترکیب سے عاجز ہوگئے۔ چونکہ یہ نظمِ عربی اس کی شان بے چونی وبے چگونی کی امانت گاہ ہے۔ اس لیے شرعاً اس کا ادب واحترام واجب ہوا، اور بغیر وضوء کے اس کو ہاتھ لگانا ناجائز ہوا۔ شریعت کی طرف سے تلاوت کے آداب مقرر ہوئے۔ لہٰذا اس نظمِ عربی کو اس کے بے چون وچگون کی ایک صورت اور لباس جانو۔ اور یہ سمجھو کہ اس کا بے چون وچگون

کلام اس پردہ میں مستور ہے اور یہ نظمِ عربی اس کے کلام قدیم کا عین نہیں بلکہ اس کا ایک لباس ہے۔ جس طرح ''الكلمة لفظ وضع لمعنىً مفردٍ'' میں لفظ معنی کے لیے لباس ہے اور معنی اس پردۂ لفظ میں مستور ہے۔ مگر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ الفاظ عین معنی ہے۔ واللہ أعلم وعلمه أتم واحكم۔

(عقائد الاسلام، مولانا محمد ادریس کاندھلوی ص ۶۰ تا ۶۲)

4 قرآنِ مجید اللہ تعالیٰ کا کلام، قدیم اور غیر مخلوق ہے

قرآنِ مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ قدیم اور غیر مخلوق ہے۔ قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ نے خود اپنا کلام کہا ہے۔ اور اس کی نسبت اپنی طرف فرمائی ہے ''حَتّٰى يَسْمَعَ كَلَامَ اللّٰهِ'' (التوبہ:۶) (جب تک وہ اللہ تعالیٰ کا کلام سن لے)۔ اسی پر تمام اُمت کا اجماع ہے کہ قرآن کلامِ خداوندی اور صفتِ خداوندی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی تمام صفات میں قدیم ہے۔ قرنِ اوّل میں قرآن کے غیر مخلوق ہونے میں کسی کو اختلاف نہ تھا۔ عہدِ صحابہؓ کے بعد سلف بھی اس کے غیر مخلوق ہونے پر متفق رہے۔

1 اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ إِذَآ أَرَدْنٰهُ أَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ۔ (النحل:۴۰)

ترجمہ جب ہم کسی چیز کے پیدا کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو صرف یہ کہہ دیتے کہ ہوجا۔ پس وہ ہوجاتی ہے۔

پس جب کہ ہر چیز قول ''کُنْ'' سے پیدا ہوتی ہے۔ تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول اور یہ کلام مخلوق نہیں۔ ورنہ اس قول کے پیدا کرنے کے لیے ایک دوسرے قول ''کُنْ'' کی ضرورت ہوگی۔ دوسرے کے لیے تیسرے کی۔ غرض یہ کہ غیر متناہی سلسلہ چلے گا۔ پس ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا کلام غیر مخلوق ہے۔

2 حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:

قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ۔ (الزمر:۲۸)

ترجمہ یہ عربی قرآن جس میں کوئی ٹیڑھ نہیں! تاکہ لوگ تقویٰ اختیار کریں۔

میں قرآن کے غیر مخلوق ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ "اِذمَا مِنۡ مَخۡلُوۡقٍ اِلَّا فِیۡهِ عِوَجٌ"۔ کوئی مخلوق شی ایسی نہیں ہے جس میں کجی نہ ہو۔ قرآن کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "غَیۡرَ ذِیۡ عِوَجٍ"۔ اس میں کوئی کجی نہیں۔

3 حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو خانہ کعبہ کے سامنے "یارب القرآن" کہتے ہوئے سنا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ کلمہ زبان سے مت نکال۔ "اِنَّ کُلَّ مَرۡبُوۡبٍ مَخۡلُوۡقٌ" کیونکہ ہر مربوب مخلوق ہوتا ہے اور قرآن غیر مخلوق ہے۔

4 نیز اگر قرآن مخلوق ہوتا تو اس کی مثل لانا بھی ممکن ہوتا۔ یہ حافظ تورپشتی رحمہ اللہ کے کلام کا خلاصہ ہے (عقائد الاسلام، مولانا محمد ادریس کاندھلوی ص ۶۲، ۶۳)

حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے حرف اور آواز کا لباس دے کر ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل فرمایا ہے اور بندوں کو اس کے ساتھ امر و نہی کا مخاطب بنایا ہے۔ جس طرح ہم اپنے نفسی کلام کو کام اور زبان کے ذریعہ حرف اور آواز کے لباس میں لا کر ظاہر کرتے ہیں۔ اور اس طرح اپنے پوشیدہ مقاصد اور مطالب کو عرصۂ ظہور میں لاتے ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام نفسی کو بغیر کام و زبان کے وسیلہ کے محض اپنی قدرتِ کاملہ سے حروف اور آواز کا لباس عطا فرما کر اپنے بندوں پر بھیجا ہے۔ اور اپنے پوشیدہ اوامر و نواہی کو حروف اور آواز کے ضمن میں لا کر ظہور کے میدان میں جلوہ گر کیا ہے۔ پس کلام کی دونوں قسمیں یعنی کلامِ نفسی اور کلامِ لفظی حقیقتاً اللہ تعالیٰ کا کلام ہیں۔ اور دونوں قسموں پر کلام کا اطلاق حقیقت کے طور پر ہے جس طرح کہ ہمارے کلام کی دونوں قسمیں نفسی اور لفظی حقیقت کے طور پر ہمارا کلام ہیں۔ نہ یہ کہ قسمِ اوّل (نفسی) تو حقیقت ہے اور دوسری قسم (لفظی) مجاز ہے۔ اس لیے کہ مجاز کی علامت ہی یہ ہے کہ اس کی نفی جائز ہو۔ اور کلام لفظی کی نفی کرنا اور اس کو کلامِ خداوند کہنا بلا شبہ کفر ہے۔

(مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی، دفتر دوم، مکتوب نمبر ۶۷)

1 جیسے قران کریم میں ہے کہ کافر کہتے ہیں:

اِنۡ هٰذَآ اِلَّا قَوۡلُ الۡبَشَرِ۔ (المدثر:۲۵)

ترجمہ یہ قرآن بشر کا قول ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں۔ نیز اگر قرآنِ مجید مخلوق ہوتا تو اس کا مثل لانا ممکن ہوتا۔ اور جب اس کا مثل لانا ناممکن ہوا، تو معلوم ہوا کہ قدیم اور غیر مخلوق ہے۔

2 یَسۡمَعُوۡنَ کَلَامَ اللّٰهِ ثُمَّ یُحَرِّفُوۡنَهٗ۔ (البقرہ:۷۵)

ترجمہ اللہ تعالیٰ کے کلام کو سنتے ہیں اور پھر اس میں تحریف کرتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ کلامِ لفظی کی طرح کلامِ نفسی بھی حقیقتاً کلام ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

3 وَیَقُوۡلُوۡنَ فِیۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ لَوۡلَا یُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوۡلُ۔ (المجادلہ:۸)

ترجمہ اپنے دلوں میں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے کہے ہوئے پر کیوں عذاب نہیں دیتا۔

4 وَاَسِرُّوۡا قَوۡلَکُمۡ اَوِ اجۡهَرُوۡا بِهٖ۔ (الملک:۱۳)

ترجمہ آہستہ بات کہو یا آواز سے۔

5 وَقَالَ عُمَرُ یَوۡمَ السَّقِیۡفَةِ: زَوَّرۡتُ فِیۡ نَفۡسِیۡ مَقَالَةً۔

ترجمہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سقیفۂ بنی ساعدہ والے دن یہ فرمایا کہ میں نے اپنے دل میں کچھ کلام تیار کیا ہے۔

ان نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ کلامِ لفظی اور کلامِ نفسی دونوں پر کلام کا اطلاق حقیقت ہے۔

جاننا چاہیے کہ کلامِ الٰہی کا اطلاق دو معنی پر ہوتا ہے۔ اول یہ کہ کلام اللہ تعالیٰ کی ایک صفتِ بسیط ہے۔ جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے۔ اس کے قدیم ہونے میں کسی کو کلام نہیں۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ کلام سے وہ کلماتِ الٰہیہ مراد لیے جاتے ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے تکلم فرمایا ہے۔ قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ کا کلام اسی معنی پر کہا جاتا ہے۔ یہی قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اتارا گیا۔ اور جس کو ہم اپنی زبانوں سے پڑھتے ہیں۔ اور کانوں سے سنتے ہیں۔ اور ہمارے سینوں میں محفوظ ہے اور ہمارے مصاحف میں لکھا ہوا ہے۔ یہ قدیم اور غیر مخلوق ہے (یعنی باعتبار

مدلول کے، نہ کہ باعتبار ہماری زبانوں اور کتابت کے)، مگر قرآن کی قراءت اور اس کی سماعت اور اس کی کتابت حادث اور مخلوق ہے۔ اس لیے کہ قراءت، سماعت اور کتابت یہ بندے کے افعال ہیں اور بندے کے افعال حادث اور مخلوق ہیں۔ امام بخاری اور دیگر علمائے محققین کا یہی مسلک ہے۔

امام ذُہلیؒ کا مسلک یہ تھا کہ جو شخص یہ کہے کہ لفظی بالقرآن حادث یعنی قرآن کا تلفظ اور اس کی سماعت حادث ہے تو وہ شخص مبتدع ہے۔ جو لوگ لفظی بالقرآن حادث کہنے کو بدعت کہتے تھے ان کو اصطلاحِ علماء میں فرقہ لفظیہ کہا جاتا ہے۔

یہی مسئلہ امام بخاریؒ اور امام ذہلیؒ کے درمیان میں تکدر اور تنافر کا باعث بنا۔ حقیقت وہی ہے جو امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم قدیم ہے مگر قرآن کی قراءت اور اس کی سماعت حادث اور مخلوق ہے۔ اس لیے کہ قراءت اور سماعت بندہ کا فعل ہے۔

لیکن امام ذہلیؒ لفظی بالقرآن حادث کہنے کو اس لیے ناپسند فرماتے تھے کہ ان الفاظ سے کسی کو ملفوظ اور مقروء کے حادث اور مخلوق ہونے کا شبہ نہ ہو جائے۔ اس احتیاط کی بنا پر اس لفظ کے استعمال سے منع فرماتے اور چونکہ اس قسم کی تعبیر عہدِ صحابہؓ اور تابعینؒ میں نہ تھی۔ اس لیے اس کو بدعت فرماتے۔ اس قسم کا اطلاق اگرچہ بدعتِ شرعیہ کی حدود سے باہر ہے لیکن امام ذہلیؒ جیسے امام عالی مقام کی بارگاہ میں اتنا تغیر بھی بدعت سمجھا گیا۔

امام بخاریؒ کا مقصد یہ تھا کہ صفتِ خداوندی اور فعلِ عبد کا فرق واضح ہو جائے۔ اور تعبیر ایسی صاف ہو جائے کہ کوئی قصورِ فہم کی وجہ سے حادث کو قدیم اور قدیم کو حادث نہ سمجھ جائے۔

وَلِكُلٍّ وِجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ۔ (البقرہ:۱۴۸)

(عقائد الاسلام مصنف حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی ص ۶۲ تا ۶۵)

تم بحمد اللہ

عقائد اور نماز کے بارے میں چند کتابیں

1:۔ اِيْضَاحُ الْمَرَامِ فِيْ تَرْكِ الْقِرَاءَةِ خَلْفَ الْإِمَامِ (ترکِ قراءتِ مقتدی)

2:۔ رَاحَةُ الْعَيْنَيْنِ فِيْ تَرْكِ رَفْعِ الْيَدَيْنِ (ترکِ رفع یدین)

3:۔ اَلدُّرُّ الثَّمِيْنُ فِي الْإِخْفَاءِ بِآمِيْنَ (اخفاءِ آمین)

4:۔ اِيْضَاحُ الدَّلِيْلِ فِيْ بَيَانِ صِفَاتِ الرَّبِّ الْجَلِيْلِ (صفاتِ باری تعالیٰ اور مسلکِ اہلِ السنت والجماعت)

5:۔ أَلتَّنْزِيْهُ فِي الرَّدِّ عَلٰى أَهْلِ التَّشْبِيْهِ فِيْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى: أَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ''استواء علی العرش''

6:۔ أَحْسَنُ الْبَيَانِ فِيْ تَنْزِيْهِ اللهِ عَنِ الْجِهَةِ وَالْمَكَانِ ''اللہ تعالیٰ بغیر جہت اور مکان کے موجود ہیں''

7:۔ روشن حقائق اردو ترجمہ: أَلْحَقَائِقُ الْجَلِيَّةُ فِي الرَّدِّ عَلَى ابْنِ تَيْمِيَّةَ فِيْ مَا أَوْرَدَهٗ فِي الْفَتْوَى الْحَمَوِيَّةِ
(مصنف علامہ ابن جہبلؒ)

8:۔ أَلتَّنْزِيْهُ فِي الرَّدِّ عَلٰى عَقَائِدِ أَهْلِ التَّجْسِيْمِ وَالتَّشْبِيْهِ (صفاتِ متشابہات اور صحیح اسلامی عقیدہ)

9:۔ أَلسُّنَّةُ الْغُرَّةُ فِيْ وَضْعِ الْيَدَيْنِ تَحْتَ السُّرَّةِ (نماز میں ہاتھ باندھنے کا مسنون طریقہ)

10:۔ أَلْحَبْلُ الْمَتِيْنُ فِيْ صِفَةِ صَلٰوةِ رَحْمَةٍ لِّلْعَالَمِيْنَ (رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقۂ نماز)

11:۔ خواتین کا مسنون طریقۂ نماز

12:۔ أَنْوَارُ الْمَصَابِيْحِ فِيْ صَلٰوةِ التَّرَاوِيْحِ (نمازِ تراویح)

13:۔ عِقْدُ الْجِيْدِ فِيْ عَقِيْدَةِ التَّوْحِيْدِ (''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ'' کا مفہوم و مطلب)

14:۔ صفاتِ باری تعالیٰ اور اکابر علمائے اُمت کے عقائد

15:۔ أَزْهَارُ الْقَلَائِدِ فِيْ تَوْضِيْحِ الْعَقَائِدِ (عقائدِ اہل السنت والجماعت)

16:۔ شانِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم | 17:۔ فضائلِ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم

18:۔ عظمتِ اہل بیت رضی اللہ عنہم | 19:۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

20:۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ | 21:۔ حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ

22:۔ اسلام کے بنیادی عقائد

عقائد اور نماز کے بارے میں چند مفید کتابیں

1:- إِيضَاحُ الْمَرَامِ فِي تَرْكِ الْقِرَاءَةِ خَلْفَ الْإِمَامِ (ترک قراءت مقتدی)

2:- رَاحَةُ الْعَيْنَيْنِ فِي تَرْكِ رَفْعِ الْيَدَيْنِ (ترک رفع یدین)

3:- اَلدُّرُّ الثَّمِينُ فِي الْإِخْفَاءِ بِآمِينَ (اخفاء آمین)

4:- إِيضَاحُ الدَّلِيلِ فِي بَيَانِ صِفَاتِ الرَّبِّ الْجَلِيلِ
(صفات باری تعالیٰ اور مسلک اہل السنت والجماعت)

5:- اَلتَّنْزِيهُ فِي الرَّدِّ عَلَى أَهْلِ التَّشْبِيهِ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى: اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى
"استواء علی العرش"

6:- أَحْسَنُ الْبَيَانِ فِي تَنْزِيهِ اللّٰهِ عَنِ الْجِهَةِ وَالْمَكَانِ "اللہ تعالیٰ بغیر جہت اور مکان کے موجود ہیں"

7:- روشن حقائق اردو ترجمہ: اَلْحَقَائِقُ الْجَلِيَّةُ فِي الرَّدِّ عَلَى ابْنِ تَيْمِيَّةَ فِيمَا أَوْرَدَهُ فِي الْفَتْوَى الْحَمَوِيَّةِ (مصنف علامہ ابن جہبل)

8:- اَلتَّنْزِيهُ فِي الرَّدِّ عَلَى عَقَائِدِ أَهْلِ التَّجْسِيمِ وَالتَّشْبِيهِ
صفات متشابہات اور غیر مقلدین کے عقائد

9:- اَلسُّنَّةُ الْغَرَّاءُ فِي وَضْعِ الْيَدَيْنِ تَحْتَ السُّرَّةِ (نماز میں ہاتھ باندھنے کا مسنون طریقہ)

10:- اَلْحَبْلُ الْمَتِينُ فِي صِفَةِ صَلٰوةِ رَحْمَةٍ لِّلْعَالَمِينَ (رحمۃ للعالمین ﷺ کا طریقۂ نماز)

11:- خواتین کا مسنون طریقۂ نماز

12:- أَنْوَارُ الْمَصَابِيحِ فِي صَلٰوةِ التَّرَاوِيحِ (نماز تراویح)

13:- اسلام کے بنیادی عقائد

14:- عِقْدُ الْجِيدِ فِي عَقِيدَةِ التَّوْحِيدِ ("لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ" کا مفہوم و مطلب)

15:- أَزْهَارُ الْقَلَائِدِ فِي تَوْضِيحِ الْعَقَائِدِ (عقائد اہل السنت والجماعت)